THE BOOK WAS DRENCHED

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222701

UNIVERSAL LIBRARY

هو الباقی

الشعراء امراء الرحمن

سلطان العلوم

مضموں طرح طرح کے مری داستاں میں ہیں
دیکھی کسی نے ایسی کتاب آجتک نہیں

بیادگار سلور جوبلی مبارک شہریار دکن آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

بیاضِ سخن

موجدین اردو سے دورِ حاضر تک سلسلہ بسلسلہ اردو گو شعرا کے کلام غزلیات کا انتخاب اور اُن کا جملی تذکرہ، و نیز ہم قافیہ و ہم مضمون اشعار کا ایک یک مجموعہ، اور چند ہندی ابیات

بہ تفصیل ذیل

تقطیع (   ) جزد ۱۵)

موجدین (۵)	متقدمین (۷۰)	خواتین (۱۷)	یوروپین (۴)
متوسطین (۷۶)	متاخرین (۱۴۱)	ان پڑھ (۱۴)	ہندی (۳)
عام اشعار (۸۹۱)	ہم قافیہ اشعار (۳۳۲)	ہم مضمون اشعار (۱۹۹)	ہندی ابیات (۴۰)

جملہ شعراء (۳۳۰)
جملہ اشعار (۲۷۹۶)

مولفہ

عبد الشکور شیدا

مصنف و مولف، نخل تمنا و سیر حیدرآباد وغیرہ

الف

باسمہٖ سبحانہٗ

سرنامہ

تصویر پرستی شعار نہیں اس لئے عالی مرتبت منتسب بیاض کی ایک غزل ہی کو
میں نے تصویر بنالیا کہ حُسنِ سخن ہی حُسن کی جیتی جاگتی تصویر اور ایک حُسن کا شوحُسن ہے،

حُسن کی جان سہی وہ مگر ایسے نزدیک
چاند یہ اُن میں لگے ہیں سخن آرائی سے

عشق میں ہیں مجھے پسند ہجر کی بیقراریاں
دردکی فتنہ کاریاں آنکھوں کی اشکباریاں

آتا ہے یاد اب ہمیں گذرا ہوا زمانہ حیف
ہائے وہ موسمِ شباب فتنہ گروں سے یاریاں

دُور ہوئیں کدورتیں ملنے لگے وہ کھل کے اب
لائقِ قدر ہو گئیں سب مری جاں نثاریاں

ساقیِ ماہوش کہاں بادہ کہاں قدح کہاں
اب وہ کہاں ہیں محفلیں اور وہ میگساریاں

شُکرِ خدا کہ مشاد اب جو وہ ہوئے ہیں مہرباں
قہر سے ہیں ندامتیں ظلم سے شرمساریاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرضِ مدعا

کبھی دلوں میں ذوق تھا تو بیاض کا شوق بھی عام تھا۔ مگر ع یہ تو باتیں ہیں۔ اب رہیں نہ کہیں
عربی میں ابو تمام اور بحتری کی حماسہ فارسی میں مرزا مظہر جان جاناں کا خریطۂ جواہر علی حزیں کا سفینہ
اور مرزا صائب کا انتخاب کلامِ شعرائے متقدمین۔ اردو میں مولانا عبدالحی مرحوم کا گلِ رعنا وغیرہ سب اسی
ایک ذوقِ بیاض ہی کے رہینِ منت ہیں۔ جو آج تک یادگار روزگار ہیں۔ اور اربابِ ذوق اب بھی
ان کو آنکھوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ عربی و فارسی سے قطع نظر ایک اردو ہی پر نظر کیجئے۔ کہ گلِ رعنا بھی
ایک بیاض ہی ہے جس کو مولانا نے ایک عمدہ تذکرہ بنا کے اور بھی اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔
اور اب اس کی بھی ضرورت نہیں رہی کہ ہر کوئی اپنی بیاض کو تذکرہ ہی بنائے کہ مولانا نے یہ فرض کفایہ
ادا کر دیا ہے۔ اور بیاض بلا تذکرہ بھی ایک چیز ہے اس لئے میں نے اپنی بیاض کو بیاض ہی رکھا
ایک تو میں کیا اور میری بیاض کیا دوسرے یہ ہے بھی ایک ورقِ حسرت کہ بیاض جو بیاض تھی سرآمد روزگار
شعرا کے کلام کا جامع انتخاب تھی۔ وہ مدت ہوئی خود اپنی ہی غفلت کی نذر ہو گئی۔ جس کے غم میں
نہ پھر دل ہی ابھرا نہ دواوین ہی میسر آئے نہ ان کے مطالعہ ہی کے مواقع رہے اور نہ وہ ذوق و شوق
رہا نہ وہ دل و دماغ مگر ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

لت نہ جاتا تھی نہ گئی۔ اور بادل نخواستہ بھی یہ شغل جاری رہا۔ ہوتے ہوتے ایک بیاض پھر مہیا ہو گئی

البیان

فہرست

باب نمبر	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
۱	اردو شاعری کا ظہور اور اس کے موجدین	۱
	فریدالدین گنج شکرؒ امیر خسروؒ	،،
	مخدوم سعدی ملا دو پیازا پنڈت چندر بھان	۲
۲	طبقۂ متقدمین	۳
	شعرائے دکن کے دو دور جو دو دور سے	
	آگے نہ چلے۔	،،
	قطب شاہ شاہ قلی خاں آزاد ولی	،،
	خاکی داؤد	۴
	سراج عاصی	۵
	وہ دو شاعر جو غلطی سے دکن میں شمار کئے گئے	۶
	عاجز عزلت	،،
۳	شعرائے دہلی جن کا سلسلہ آگے نہ چلا	،،
	آبرو	،،
	مضمون ناجی احسن یکرنگ	۷
۴	چند فارسی گو اردو کے غیر مستقل شعراء	۸

باب نمبر	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
	بیدل امید فراق	۸
	ندیم انجام فقیر آرزو	۹
۵	ایک فرد بے سلسلہ شاعر نعمان	۱۰
۶	ایک اور ولی شاعر فیض	۱۱
۷	سلسلۂ شاہ حاتم حاتم	۱۲
	تاباں بقا سودا	۱۳
	مجذوب	۱۵
	راسخ	۱۶
۸	سلسلۂ مرزا مظہر جان جاناں مظہر	۱۶
	یقین	۱۷
	بیان	۱۸
	حزین حسرت	۱۹
۹	سلسلۂ میر سوز، سوز آصف	۲۰
	آشفتہ	۲۱
۱۰	سلسلۂ خواجہ میر درد، درد	۲۱

البیان

فہرست

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
	اثر [۲]	۲۲
	ہدایت [۳] فراق [۴] الم [۵]	۲۳
	محزون [۶] قائم [۷]	۲۴
	بیدار [۸]	۲۵
۱۱	سلسلۂ میر تقی میر میر [۱]	۲۵
	راسخ [۲]	۲۹
	مجنوں [۳]	۳۰
۱۲	دلّی اور نواح دلّی کے چند بے سلسلہ شعراء	۳۱
	نثار [۱] کلیم [۲] امانی [۳] ضیاد [۴]	۳۱
	سجاد [۵] ولی [۶] حسن [۷]	۳۲
	قدرت [۸] مائل [۹] سبل [۱۰]	۳۳
	لطف [۱۱] آفتاب [۱۲] مشتاق [۱۳] سنت [۱۴]	۳۴
	نظیر [۱۵] امین [۱۶] جوشش [۱۷] بیتاب [۱۸]	۳۵
۱۳	سلسلۂ رائے سروپ سنگھ دیوانہ دیوانہ [۱]	۳۵
	حیران [۲] افسوس [۳]	۳۶

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
۱۴	طبقۂ متوسطین، سلسلۂ رائے سروپ سنگھ دیوانہ	۳۶
	حسرت [۱]	۳۶
	محبت [۲] قدرت [۳] جرأت [۴]	۳۷
۱۵	دو یاران طریقت شاعر، انشا [۱]	۳۸
	رنگین [۲]	۳۹
۱۶	لکھنؤ کی شاعری کا آغاز اور شعرائے لکھنؤ	۴۰
	کے دَور دورے، سلسلۂ حسن، حسن [۱]	۴۰
	خلیق [۲] انیس [۳]	۴۲
	تعشق [۴] رشید [۵]	۴۳
	عارف [۶]	۴۴
۱۷	سلسلۂ مصحفی اور اس کے جدا جدا سلسلے، مصحفی [۱]	۴۵
۱۸	سلسلۂ مصحفی نمبر (۱) دور آتشی، آتش [۱]	۴۶
	صبا [۲]	۴۸
	رند [۳]	۵۰
	خلیل [۴] عیش [۵] نسیم [۶]	۵۱

البیان

فہرست

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
	کیف [بیت ۷] اکرام [بیت ۸]	۵۲
	سلسلہ مصحفی نمبر۲، شہیدی [بیت ۱]	۵۳
	سلسلہ مصحفی نمبر۳، وحید [بیت ۱]	۵۳
	افسر [بیت ۲] - سلسلۂ مصحفی نمبر۴، اسیر [بیت ۱]	۵۵
	شوق [بیت ۲]	۵۶
۱۹	سلسلۂ ناسخ، ناسخ [بیت ۱]	۵۶
	وزیر [بیت ۲]	۵۸
	برق [بیت ۳] بحر [بیت ۴] سحر [بیت ۵]	۵۹
	مہر [بیت ۶] رشک [بیت ۷] منیر [بیت ۸]	۶۰
	نیساں [بیت ۹] قلق [بیت ۱۰]	۶۲
	قدر [بیت ۱۱]	۶۳
۲۰	لکھنؤ و نواح لکھنؤ کے بے سلسلہ شعراء	۶۵
	امانت [بیت ۱] اختر [بیت ۲] افضل [بیت ۳] معروف [بیت ۴]	۶۵
	سحر [بیت ۵] صبا [بیت ۶] اختر [بیت ۷] سخی [بیت ۸]	۶۶
۲۱	چند شعرائے بنگالہ نساخ [بیت ۱] النسخ [بیت ۲] شمس [بیت ۳]	۶۷

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
۲۲	سلسلۂ مومن، مومن [بیت ۱]	۶۷
	شیفتہ [بیت ۲]	۶۹
	تسکین [بیت ۳] نسیم [بیت ۴]	۷۰
	آہی [بیت ۵] اکبر [بیت ۶] برق [بیت ۷]	۷۱
۲۳	سلسلۂ غالب، غالب [بیت ۱]	۷۲
	مجروح [بیت ۲]	۷۸
	سالک [بیت ۳] عارف [بیت ۴]	۷۹
	حزیں [بیت ۵] ناظم [بیت ۶] نظام [بیت ۷]	۸۰
	بیمار [بیت ۸]	۸۱
	راقم [بیت ۹]	۸۲
۲۴	سلسلۂ شاہ نصیر، نصیر [بیت ۱]	۸۲
	حیا [بیت ۲] ذوق [بیت ۳]	۸۳
	آزاد [بیت ۴]	۸۵
	ظفر [بیت ۵]	۸۶
۲۵	دلی اور نواح دلی کے چند بے سلسلہ شعراء احسان [بیت ۱] معزالدین [بیت ۲]	۸۷

البیان

فہرست

نمبر باب	تفصیل	نمبر صفحہ
۱	۲	۳
	آزردہ، شہرت، معروف	۸۸
	ممنون	۸۹
	عیش	۹۰
۲۶	طبقۂ متاخرین، بسلسلۂ مصحفی و اسیر، دور امیر مینائی	۹۱
	اختر	۹۳
	آرزو، نواب، صفدر	۹۴
	گستاخ، ابر، برہم	۹۵
	جاہ، عارف، حفیظ	۹۶
	آہ، وسیم، مضطر	۹۷
	ریاض	۹۸
	جلیل	۱۰۳
	عثمان	۱۰۸
۲۷	بسلسلۂ ناسخ، دور جلال، جلال	۱۰۹
	آرزو، حبیب	۱۱۰
	ضامن، شیفتہ	۱۱۱

نمبر باب	تفصیل	نمبر صفحہ
۱	۲	۳
	ہلال	۱۱۲
۲۸	سلسلۂ تسیم دہلوی، دور تسلیم، تسلیم	۱۱۲
	حسرت	۱۱۳
	عاشق، اشرف	۱۱۵
۲۹	بےسلسلہ شعرائے لکھنؤ، رسوا	۱۱۶
	نظم	۱۱۷
	حسرت، صفی، عزیز	۱۱۸
	محوی، اثر، ثاقب، محشر	۱۱۹
	عشرت، آہ، اصغر، اثر	۱۲۰
	جاوید، مشتاق، شاد، چکبست	۱۲۱
۳۰	شعرائے نواح لکھنؤ، وحشت	۱۲۲
	آزاد، شاد	۱۲۳
	اثر، اعظم کریوی، بنیظیر	۱۲۴
	نادر	۱۲۵
	محسن، احسن، انجم	۱۲۶

البیان

فہرست

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
	باسط (۱۱) ثاقب (۱۲) بیخود (۱۳) عزیز (۱۴)	۱۲۷
	بسمل (۱۵) شہرت (۱۶)	۱۲۸
	مجاز (۱۷) جوش (۱۸) وفا (۱۹)	۱۲۹
	جوہر (۲۰) سحر (۲۱)	۱۳۰
	فصیح (۲۲) اثر صمد (۲۳)	۱۳۱
	خاور (۲۴) یوسف (۲۵)	۱۴۰
	اصغر (۲۶)	۱۴۶
	رواں (۲۷) طاہر (۲۸) صدق (۲۹) ذکی (۳۰)	۱۴۷
	شمیم (۳۱) اعجاز (۳۲)	۱۴۸
	شبلی (۳۳) اکبر (۳۴)	۱۴۹
	رسا (۳۵)	۱۵۶
	حسرت (۳۶) ماہر (۳۷)	۱۵۷
۳۱	سلسلۂ غالب، دورِ حالی، حالی (۱)	۱۵۸
	ادیب (۲) راقم (۳) ذکی (۴) آزاد (۵)	۱۶۰
۳۱	سلسلۂ ذوق، دورِ داغ، ظہیر (۱)	۱۶۱

نمبر باب	تفصیل	صفحہ
۱	۲	۳
	راسخ (۲) داغ (۳)	۱۶۲
	بیخود (۴)	۱۶۵
	شاعر (۵) احسن (۶) اشک (۷)	۱۶۶
	نوح (۸) آہ (۹) بارق (۱۰)	۱۶۷
	جگر (۱۱) کیفی (۱۲)	۱۶۸
	عزیز (۱۳) مزاج (۱۴)	۱۶۹
	آصف (۱۵)	۱۷۰
	شاد (۱۶)	۱۷۱
۳۲	سلسلۂ فیض، بیکش (۱)	۱۷۲
	صغیر (۲)	۱۷۳
	باقی (۲)، بے سلسلہ شعرائے دہلی، ارشد (۱)	۱۷۴
	اخلاق (۲) احقر (۳) تشنہ (۴)	۱۷۵
	آشفتہ (۵) آشفتہ (۶) اوحد (۷) حزیں (۸) فرحت (۹)	۱۷۶
۳۳	شعرائے نواحِ دہلی، فانی (۱)	۱۷۷
	مجذوب (۲) شبیر (۳)	۱۷۸

البیان

فہرست

نمبر باب	تفصیل	نمبر صفحہ
۱	۲	۳
	کوکب [بیت ۴] ہادی [بیت ۵] بجوو [بیت ۶] باقر [بیت ۷] بخبر [بیت ۸]	۱۷۹
	اثر [بیت ۹] شوکت [بیت ۱۰] دلگیر [بیت ۱۱]	۱۸۰
	اوج [بیت ۱۲] راز [بیت ۱۳] بیان [بیت ۱۴] سلیم [بیت ۱۵]	۱۸۱
	حفیظ [بیت ۱۶] اقبال [بیت ۱۷]	۱۸۲
	محمود [بیت ۱۸] اسمٰعیل [بیت ۱۹]	۱۸۴
	آسی [بیت ۲۰] ایمان [بیت ۲۱]	۱۸۵
	شاداں [بیت ۲۲] توفیق [بیت ۲۳]	۱۸۶
	آزاد [بیت ۲۴] امجد [بیت ۲۵]	۱۸۷
	رسا [بیت ۲۶]	۱۸۸
	ولا [بیت ۲۷]	۱۸۹
۳۴	خواتین شعراء، دلہن [بیت ۱] زہرہ [بیت ۲] زہرہ [بیت ۳] شیریں [بیت ۴] سلطان [بیت ۵]	۱۹۰
	شرم [بیت ۶] شوخ [بیت ۷] محبوب [بیت ۸] مخفی [بیت ۹] مخفی [بیت ۱۰] مشتری [بیت ۱۱]	۱۹۱
	جانی [بیت ۱۲] پارسا [بیت ۱۳] ہنو [بیت ۱۴] ملکہ [بیت ۱۵] چپدا [بیت ۱۶]	۱۹۲
	سلمیٰ [بیت ۱۷]	۱۹۳
۳۵	یوروپین شعراء، آزاد شاکر سفور صاحب وبیرہیس	۱۹۴
۳۶	ان پڑھ شعرا	۱۹۵
	رند [بیت ۱] طالب [بیت ۲] عابد [بیت ۳] آزاد [بیت ۴] فضل [بیت ۵]	۱۹۵
	تصویر [بیت ۶] غمگین [بیت ۷] بشیر [بیت ۸]	۱۹۶
	بینا [بیت ۹] امرادعلی [بیت ۱۰] بدتر [بیت ۱۱] ہیرا [بیت ۱۲] تصدق [بیت ۱۳]	۱۹۷
	تصویر [بیت ۱۴]	۱۹۸
۳۷	لامعلوم شعراء کے اشعار	۱۹۹ تا ۲۰۱
۳۸	ہم قافیہ اشعار	۲۰۲ تا ۲۲۶
۳۹	ہم مضمون اشعار	۲۲۶ تا ۲۴۰
۴۰	ہندی ابیات	۲۴۱ تا ۲۴۳
۴۱	خاتمہ کلام	۲۴۴ تا ۲۴۶

الانسان مرکب من الخطاء والنسیان

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق + اُن پر کچھ زور ہمارا دمِ تحریر بھی تھا؟

کہ یہ اسی پر مامور بھی ہیں اور کتابت وطباعت کی یہ سنت بھی ہے عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہو مت ہو کہ تاسف ہو مگر اب تو قارئین کرام کے لئے یہ بھی دعوت فکر ہیں کہ حل طلب معمے بھی ہیں اور دلچسپ مشغلے بھی باقی شوشے نقطے بھی غلطیاں ہیں۔ اور نظم میں یہ اور بھی گراں ہیں۔ اس لئے بقدر خود دفع دخل واجب ہے اور واجب ہے کہ بمطابقت ذیل غلط کو صحیح کر لیا جائے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴	۸	محال ہے اگر	محال اگر	۱۹	۵	ہے سرگوشی	ہے کہیں سرگوشی
۵	۱	سنہ ۱۱۷۰ھ	سنہ ۱۱۷۷ھ	۱۹	۱۶	سے ہی	سے
۵	۳	نمود	نمودہ	۲۱	۴	پر	پہ
۵	۹	دھری ہی رہی	دھری رہی	۲۷	۱۰	لہو ٹپکا	لہو پہر ٹپکا
۶	۱	تو پھر	پھر	۲۸	۴	ہیں عام میں	ہیں عالم میں
۶	۳	دھاڑا	داڑھا	۲۸	۴	مگر ہوں	مگر ہیں
۱۲	۱۲	بھی	ہی	۳۱	۱۵	مرثیہ خوانی میں	مرثیہ خوانی
۱۶	۸	جاناں	۔	۳۲	۱۰	تلامذہ	تلازمہ
۱۷	۸	بہی	سبہی	۳۲	۱۱	شیریں کیونکہ	شیرین میں کیونکہ
۱۷	۹	بہی	سبہی	۳۲	۱۳	پلالے	پلا اب
۱۷	۱۷	بیٹے	بیٹا	۳۳	۱۴	آزاد و قایم	آزاد قایم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۵	۱۴	کنجشک میں ہر	کنجشک کی طرح	۶۵	۱۶	کوئی	میری
۳۸	۴	بن میں	بن	۶۹	۱۷	قد	خد
۳۸	۱۸	ہے اور	ہے ساقی	۷۲	۱	کی	سے
۴۰	۵	یہ کہتا ہوں میں	تو میں کہتا ہوں	۷۴	۱۳	ہفت	سات
۴۱	۷	یارو	یارب	۷۷	۱۲	ساغر جم سے مرا	جام جم سے یہ مرا
				۷۹	۱۰	عمر گذری	عمر گذارنی
۴۳	۱۷	رہے داغ	رہے ہیں داغ	۸۰	۱۴	اشراق کے	اشراق کا
۴۶	۱۴	پائے پر	پائے ہر	۸۷	۴	نواح کے	نواح دلی کے
۴۷	۲۱	میں ہیں	میں ہے	۸۸	۱۱	بڑھے	ملے
۵۰	۲	گل صورت	گل صوت	۸۹	۱	آرزو	آزاد
۵۰	۸	کیا جانے	کیا جانیں	۸۹	۱۵	بادہ آ	بادِ آہ
۵۳	۱۷	گل رعنائی	گل رعنا کی	۹۰	۱۱	اڑادیا	اڑایا
۵۴	۸	فرشتوں کا	فرشتوں کو				
۵۶	۱۱	وزیرزادہ	وزیر اودھ	۹۰	۱۸	بیل کو	بلبل کے
۵۷	۹	ان نے	ان کے	۹۰	۲۱	حاکم	عالم
۵۹	۱۳	ہوا وہ	وہ ہوا	۹۱	۶	اک آنے	اک آئے
۶۰	۱۵	ددبار	دربار	۹۱	۹	بنکارے ہیں	بنکارے تھے
۶۲	۱۱	نظم	سلک	۹۲	۱۴	واہیں	راہیں
۶۳	۱۹	دور	ادا	۹۳	۲	پانی میں	پانی کی
۶۲	۲۰	کرتے ہم	کرتے ہیں ہم	۹۳	۷	کہ جاتا	کہ جاجاتا
۶۲	۲۱	ٹپک	تپک	۹۳	۱۴	بیل	بلبل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۹۷	۱۴	مضطر حیدرآبادی	مضطر خیرآبادی
۱۰۵	۱۳	صورت کیا	صورت کب
۱۰۶	۱	ہیں بستی	ہیں سستی
۱۰۸	۱۰	کہ مقطع	کہ مقطعے
۱۱۴	۱۴	بنتی ہی	بنتی ہیں
۱۱۴	۱۸	اللہ رہے	اللہ رے
۱۱۷	۷	حُسن تعدیر	حسن تقریر
۱۲۰	۱۹	راما	ورما
۱۲۳	۸	شیر	شعر
۱۲۳	۱۴	کس شوق	کس شوخ
۱۲۵	۶	علیشاہ دہلوی	علیشاہ دیوئی
۱۲۷	۴	کاوش	کاہش
۱۳۲	۱۳	ہی	سبھی
۱۴۰	۱۴	یارب	یا اب
۱۴۸	۱۳	وہ پتھر	وہ تیر
۱۵۴	۵	حسن	حصن
۱۵۴	۶	عکت	غفلت
۱۵۵	۱۳	ہوگئے	رہگئے
۱۵۵	۲۱	کیا کہوں	کیا لکھوں
۱۵۶	۱۴	ٹرار نانک	ہزار ٹانانک
۱۵۹	۶	مجھکو خود	خود مجھکو
۱۶۱	۲	الشاذ کالمعدوم	النادر کالمعدوم
۱۶۲	۱۴	لیجائینگے باہر	میخانے کے باہر
۱۶۴	۱۷	نہیں کھیل	نہیں سہل
۱۶۹	۷	مشہور تھے	مشہور ہیں
۱۷۲	۱۵	اسلامی نام کچھ ہوگا	اسلامی نام شمس الضحیٰ سجاد علی تھا
۱۷۷	۱۷	نگر	مگر
۱۸۰	۲	دھولے	دھولی
۱۸۰	۱۷	تھا	ہے
۱۸۴	۹	زبان دل	زبان ہو دل
۱۸۶	۱	کی دست نگر	کی نہو دست نگر
۱۸۶	۱	ہاتھوں نے	ہاتھوں ہی نے
۱۸۶	۸	کُل ادصاف	کُل اصناف
۱۸۸	۱۳	عام ہوا	عام ہو
۱۹۲	۱۸	رکن الدولہ مدار المہام	بسالت جاہ بخشی فوج
۱۹۳	۳	بلکہ منقطع بھی	مقطعے
۱۹۳	۱۸	چمک کر	چمک دمک کر
۲۰۰	۱	پیمانہ	پیمانہ کیا
۲۰۱	۳	-	-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۰۱	۱۵	بھی تہیٹں	بھی کئی تہیٹں				
۲۰۳	۱۰	ناقص کو	ناقص کا				
۲۰۷	۱۲	یقین	لقب				
۲۱۳	۴	ہیں ہم گلشن	ہیں گلشن				
۲۱۵	۴	فدا	قدر				
۲۱۹	۱۳	گھر جائے	گر جائے				
۲۲۱	۱	موقع بھی	موقعہ اٹے				
۲۲۵	۷	میں پھر	میں مرا پھر				
۲۲۶	۱۳	ہم نے ہنر	ہم ہنر				
۲۲۷	۲	بالیں پہ گیا	بالیں پہ ہوا				
۲۳۲	۳	روتا ہے	نہ روتا ہے				
۲۳۳	۸	ہیں نہیں	ہیں ملتی نہیں				
۲۳۶	۵	سودا	غالب				
۲۳۶	۱۱	توشیخ	ترشح				

نوٹ ۔ ہم قافیہ اشعار کی کتابت میں کاپی نویس صاحب نے "نقل کفر کفر نباشد" کو جو ملحوظ رکھا تو اُن پر تو فتوے کفر لگایا نہیں جا سکتا اس لئے ہمیں کو کافر کہہ لیجئے ۔

دو ایک فروگذاشتوں کی ایک یادداشت

ایمانؔ و شادؔاں طبقۂ ماقبل کے بجائے طبقۂ متاخرین میں اور صفحہ (۱۶۰) پر راقمؔ
سلسلۂ غالب میں سہواً مذکور ہو گئے و نیز ملحوظ رہے کہ سرمہاراجہ بہادر شادؔ باقابہم
کے انتخاب کلام میں پبلشر کو بھی کچھ دخل ہے اور ولاؔ کا ذکر و کلام بھی انہیں کا اضافہ ہے
جو موضوع سے ہٹا ہوا ہے باقی بے عیب ذات خدا کی۔

سہواً ہوئی ہیں معصیتیں مجھ سے بے شمار
یارب مرے حساب میں لاکھوں کی بھول ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اُردو شاعری کا ظہور اور اُس کے مُوجدین

یہ بزرگوں کی زبان ہی کی تو برکت ہے جو آج اُردو زبان ہندوستان کی بلبل ہزار داستان ہے۔ اور سند در ہند اسی کا آج طوطی ہے۔

گنج شکرؒ غور کیجئے کہ ایک واقعی ولی حضرت فریدالدین گنج شکرؒ جب ۶۶۲ھ ۱۲۶۳ء میں یہ گنج شکر لٹا کر اٹھے تو اس وقت نام کے ولی کا کہیں وجود بھی تھا؟ کہ حضرتؒ کے دو شعر بھی بیاض میں تبرک ہیں۔

وقت سحر وقت مناجات ہے — خیز دران وقت کہ برکات ہے
پند شکر گنج بدل جاں سنو — ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

امیر خسروؒ اور اگر غزل ہی سے شاعری عبارت ہے تو اس کا سہرا بھی طوطی ہزار داستان ایک دوسرے ولی حضرت سیف الدین امیر خسروؒ کے سر ہے۔ جو ایجادوں کے واقعی خسرو تھے۔ اور یہ بھی جب ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء میں یہ ایجادیں یادگار چھوڑ چلے تو بھی ولی کا کہیں وجود نہ تھا۔ غزل ریختہ آمیختہ کے بھی یہی موجد ہیں۔ اور اس کے بھی دو شعر زینت بیاض ہیں ؀

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں — کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو — سپیت منکے درائے راکھوں جو جائے پاؤں پیا کے کھتیاں

شیخ مخدوم سعدی جو اِس قدر مقبول ہوئے کہ اِن سے چار سو سال بعد جناب کمال الدین معروف شیخ مخدوم کاکوری متوفی ۱۰۰۲ھ ۱۵۹۳ء نے بھی ان کا چربہ اُتارا جن پر کسی کو شیخ سعدی شیرازی کا دھوکا ہوا اور کسی نے ان کو دکن سے منسوب کیا۔ حالانکہ ان کا مزار آج بھی کاکوری ضلع لکھنؤ میں زیارت گاہ ہے۔ زمانہ حیات میں ان کو اکبر بادشاہ کے طرف سے جاگیر بھی تھی۔ ان کی مشہور غزل کے دو شعر زیب بیاض ہیں۔

قشقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے ۔۔۔ گفتہ کہ دُرائے باورے اِس ملک کی یہ ریت ہے

سعدی بگفتہ ریختہ در ریختہ دُر ریختہ ۔۔۔ شیر و شکر آمیختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

اس وقت بھی کہیں ولی نہ تھے۔ حالانکہ اب بہت سے ولی ہو چکے تھے منجملہ ان کے

مُلّا دو پیازہ عہد اکبری کے ایک مشہور پُر لطیفہ بزرگ مُلّا دو پیازہ بھی تھے۔ جو ہنڈیا (نام گاؤں) میں مر گڑکے اور بھی لطیفہ ہو گئے۔ ان کا بھی ایک شعر بیاض میں محفوظ ہے۔

وہ گورا گورا لڑکا با من کا شوخ گونا ۔۔۔ ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا

کبیر داس و تلسی داس وغیرہ ہندی ہی کے شاعر تھے اور ان کا کلام ہندی ہی ہے

چندر بھان برہمن جو ولی کے کلام سے زیادہ تر صاف اُردو ہے تو بھی ایک اور پنڈت چندر بھان برہمن تخلص اکبر آبادی متوفی ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اور جو کچھ دن داراشکوہ کے میر منشی رہ کر بعد میں تارک الدنیا ہو گئے ان کے بھی دو شعر زینت بیاض ہیں۔ اور یہ اس بات کا بھی ایک ثبوت ہے کہ ہندو بھی ابتدا ہی سے اُردو زبان کے شریک غالب ہیں۔

خدا نے کس شہر اندر ہمیں لائے ڈالا ہے ۔۔۔ نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالہ ہے

برہمن واسطے اشنان کے پھرتا ہے گیا میں ۔۔۔ نہ گنگا ہے نہ جمنا ہے نہ ندی ہے نہ نالا ہے

طبقۂ متقدمین

شعرائے دکن کے دو دَور جو دو دور سے آگے نہ چلے

محمد قلی قطب شاہ یہاں بھی ولی بہت پیچھے ہیں۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۲۰ھ ۱۶۱۰ء جس طرح تاج سلطنت سے تاجدار اور طرحدار بھاگ نگر ہیں۔ (جو اب حیدرآباد فرخندہ بنیاد ہے) اسی طرح اُردو شاعری سے بھی تاجدار ہیں کہ صاحب دیوان بھی ہیں۔ اور دیوان بھی محفوظ ہے۔ جو دیکھنے میں تو نہیں آیا۔ مگر بیاض میں ان کا بھی ایک شعر ہے۔

قطب شہ نہ دے مج دِوانے کو پند
دِوانے کو کچ پند دیا جائے نا

اِنہیں کے ملتے جلتے نام کے شاہ قلی خاں تاناشاہ کے زمانہ میں۔

شاہ قلی خاں ایک شاہی مرثیہ گو تھے یہ بھی صاحبِ کلام ہیں ان کا بھی ایک مزے کا شعر بیاض میں ہے۔

ملنا تمہن کا غیر سے کوئی جھوٹ کہے کوئی سچ کہے
کس کس کا منہ موند سکن کوئی کچھ کہے کوئی کُچھ کہے

آزاد بہ اختلاف نام فقیر اللہ یا محمد فاضل آزاد حیدرآبادی بھی شاید ولی سے مقدم ہیں کہ ولی نے ان کے ایک مصرع شعر پر گرہ بھی لگائی ہے ؎

آزاد سے سنا ہوں یہ مصرع سبب بنا
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

اصل شعر ذیل سطور ہے اور یہی ایک شعر صرف تذکروں میں مذکور ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ قال حال بھی ہے یعنے یہ کسی پر عاشق بھی تھے۔

آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

ولی ولی اللہ نام شمس الدین لقب۔ تخلص ولی وطن اورنگ آباد (بعض نے ان کا نام ولی محمد اور وطن احمد آباد) بھی لکھا ہے۔ ۱۰۶۹ھ ۱۶۶۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۹ھ میں

یہ نام نشان کر گئے کہ غلطی ہی سے سہی مگر سب نے ان کی اولیت کو مانا ۔ میر صاحب
نے بھی ان کو اپنا معشوق گردانا ہے

خوگر نہیں یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے　　معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا
قائم نے اپنا بھی امتیاز قائم رکھا ہے
قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ　　اک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

دیوان دُور دُور تک شہور ہے ۔ میں نے بھی دیکھا ہے مگر اب صرف دو چار شعر
باقی ہیں ۔

اِک دل نہیں آرزو سے خالی　　بر جا ہے محال ہے اگر خلا ہے
عشق میں صبر و رضا درکار ہے　　فکر غم میں آشنا درکار ہے
پھر میری خبر لینے وہ صیاد نہ آیا　　شاید کہ مرا حال اُسے یاد نہ آیا
اے ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق　　کوچۂ یار ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

خاکی

محمد قادری خاکی ایک شاعر گذرے ہیں ۔ ان کا دیوان بھی ہے اور دیوان
میں کچھ ریختی بھی ہے ۔ دیوان تو نہیں البتہ دیوان پر کسی کا تبصرہ کہیں دیکھا ہے
دو شعر بیاض میں ہیں زمانہ بھی بیاض میں محفوظ نہیں ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ولی سے
مقدم ہیں یا مؤخر ۔

مست ہو کے خیال میں رہنا　　گم اسی کے جمال میں رہنا
ٹھانی ہے اپنے من میں اب تو یہی سر سجن　　تجھ پیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا

مرزا داؤد

مرزا داؤد ۔ داؤد اورنگ آبادی متوفی ۱۱۶۸ھ ولی کے بعد ہیں ۔ اور انہیں
کے پیرو بھی ہیں کہ خود کہتے ہیں ؎

کہتے ہیں سب اہل سخن اس شعر کو سنکر　　تجھ طبع میں داؤد ولی کا اثر آیا
مرا احوال چشم یار سے پوچھ　　حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

نسخہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

سراج سید سراج الدین سراؔج اورنگ آبادی متوفی ۱۱۷۷ھ میر اولاد علی ذکاؔ کی تاریخ کا شعر ہے۔

کشید شعلۂ تاریخ سر زطبع ذکاؔ — سراؔج بزم ارم را نمود نورانی

ولی کے بعد ہیں کہ خود کہتے ہیں ؎

تجھ سا اے سراؔج بعد ولی — کوئی صاحب سخن نہیں دیکھا

صاحب حال تھے اور صاحب دیوان ہیں دو تین شعر بیاض میں انتخاب ہیں۔

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا — شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا — مگر اک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

وہ عجیب گھڑی تھی جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا — کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو دھری رہی

عاصی نور محمد عاصیؔ دکھنی اس سے زیادہ کچھ بیاض سے پتہ نہ چلا دو شعر ان کے بھی انتخاب ہیں۔

سمجھے ہیں ہم کہ اب کہیں تم نے بھی دل دیا — بیٹھے کہیں ہو بات کہیں اور نظر کہیں

آیا تھا تیرے منہ کے مقابل ہو آفتاب — ایسا گرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں

وہ دو شاعر جو غلطی سے دکن میں شمار کئے گئے

عاجز عارف الدین خاں عاجزؔ کہ اسی سے سنہ وفات ۱۱۷۸ھ نکلتا ہے جو ایک حسن اتفاق ہے۔ بیمار ہوئے تو کسی سے تاریخ کی فرمایش کی لیکن چونکہ تاریخ گوئی میں خود فرد تھے۔ اس لئے انھوں نے انہیں پر اس کو ڈھالا تو یہ مسکرائے اور دل ہی دل میں حساب کر کے کہا کہ کاش ایک سال اور جی جاتا تو نام و تخلص ہی تاریخ ہو جاتا۔ خدا کی قدرت کہ اچھے ہو گئے۔ اور پھر سال بھر کے بعد ناندیڑ گئے اور وہیں دنیا سے گئے۔ اور وہیں کی خاک بھی ہوئے شاید اسی وجہ سے ان کو دکن میں شمار کیا گیا۔ مگر ایسے تو اور بھی شمار ہو سکتے ہیں۔ ان کے ذکر میں ہے کہ دلی سے آکر سرکار آصفجاہی سے وابستہ ہوئے تو

توپھر یہ دلی کے ہوئے کہ دکن کے؟ فارسی اُردو کا ایک ایک دیوان ہے۔ اور ایک مثنوی بھی ہے
بیاض میں دو شعر انتخاب ہیں۔

بڑا پگڑ بڑا اشملہ بڑا کلہ بڑا دھاڑا بڑھایا ہے بڑی محنت سے زاہد نے وقار اپنا
دیکھ دامنگیر محشر میں ترے ہووینگے ہم خوں ہمارا اپنے دامن سے نہ اے قاتل چھڑا

عزلت میر عبد الولی عزلت متوفی ۱۱۹۵ھ ان کا وطن گل رعنا میں سلون ضلع رائے بریلی مذکور ہے۔ اور گلشن ہند میں ہے کہ لکھنو کا کوئی قصبہ ان کا وطن تھا۔ اور سورت میں اقامت تھی۔ دفن یہ بھی میر مومن کے دائرہ حیدر آباد میں ہوئے۔ مگر اس کی وجہ یہ کیا کوئی بھی دکن میں شمار نہیں ہوسکتا۔ مصوری میں کامل تھے بھاشا بھی کہتے تھے دو شعر ان کے بھی انتخاب ہیں۔

عبث توڑا مرا دل ناز سکھلانے کے کام آتا یہ آئینہ تھا اس خود بین اترانے کے کام آتا
جلایا مصحف دل تو نے کیوں برق تغافل سے جو سچ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

شعرائے دھلی جن کا سلسلہ آگے نہ چلا

آبرو نجم الدین نام شاہ مبارک مشہور آبرو تخلص۔ ایک آنکھ سے معذور تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں نے اپنے ایک شعر میں اس کا اشارہ بھی کیا ہے۔ اور انھوں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا ہے اور شعر حافظہ میں محفوظ بھی ہیں مگر زبان پر لانے کے قابل نہیں۔ مظہر جان جاناں کے حال میں مولف گل رعنا نے آب حیات پہ رد و قدح بھی کی ہے مگر تعجب ہے کہ اس تہذیب شعر پر نظر نہیں کی۔ یہ میر مکھن اپنے پیر زادہ سے ان کو بڑا اُنس تھا ان کا سجع کیا کہا ہے نگینہ جڑا ہے۔

عالم ہمہ دروغ ست و محمد مکھن

مولانا حسرت موہانی نے ان کے دیوان کا انتخاب شایع کیا ہے اور وہی میں نے

دیکھا ہے۔ چند شعر انتخاب ہیں۔

ٹک چلنا سجن کا بھولتا ابتک نہیں مجھکو — طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ہے

اب دین ہوا زمانہ سازی — آفاق تمام دھر یا ہے۔

افسوس ہے کہ مجھکو وہ یار بھول جاوے — وہ شوق وہ محبت وہ پیار بھول جاوے

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدہر گئے — وہ ہائے عاشقی کے زمانے گذر گئے

مضمون شیخ شرف الدین مضمون حاجمو علاقہ اکبر آباد وطن دلی سکونت خان آرزو سے اصلاح لی ہے اور سودا نے بھی ان کو سراہا ہے ؎

بنائیں اوٹھ گئیں یار و غزل کے خوب کہنے کی — گیا مضمون دنیا سے رہا سودا سو دیوانہ

ایک شعر صرف انتخاب ہے جو بیغیبری وقت کا لطیفہ بھی ہے۔ اور اس زمانہ کی ماماؤں کی سخن فہمی کا نمونہ بھی۔ تفصیل دیکھنا ہو تو آب حیات ملاحظہ فرمائیے۔

باقی شعر یہ ہے ؎

ہم نے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا — صبر ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ناجی محمد شاکر ناجی جو شاید خود کو کچھ دور بھی کھینچتے تھے۔ شاہ حاتم کہتے ہیں۔

سخن میں فخر اپنا ہے کہے رہتا نہیں ناجی — اسے سمجھا ئے حاتم کس طرح اشعار کہہ کہئے

ان کے بھی دو شعر انتخاب ہیں۔

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بہلا — چلی جاتی ہے فرمایش کبھی یہ لا کبھی وہ لا۔

ان بتوں کو ہم فقیروں سے بھلا کیا کام ہے — یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

احسن محمد احسن احسن یہ بھی انہیں سب کے ہم دور ہیں۔ اور ان کا بھی ایک شعر انتخاب ہے۔

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ — کہ حسن خوب رویاں عارضی ہے

یکرنگ غلام مصطفےٰ خاں یکرنگ کہ وضع میں بھی یکرنگ تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں

کا زمانہ بھی پایا ہے۔ اور ان کے ثناخوان بھی ہیں۔

مظہرؔ سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں
یکرنگ نے تلاش کیا ہے بہت وے

دو شعر اور انتخاب ہیں۔

ایک جا گہہ آگ پانی کیونکہ ہو
پارسائی اور جوانی کیونکہ ہو

بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمائیے
تم تو دل مانگو ہو یاں جان تلک حاضر ہے

چند فارسی گو اردو کے غیر مستقل شعرا

بیدل مرزا عبدالقادر بیدلؔ فارسی کے مشہور صاحب طرز شاعر توران وطن تھا بخارا میں ولادت اور دلی میں نشو نما ہوئی فارسی میں صاحب کلیات ہیں اردو میں بھی کچھ شعر یادگار ہیں۔ دو شعر انتخاب ہیں۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

جب دل کے آستاں پہ عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

امید قزلباش خاں امیدؔ متوفی ۱۱۶۹ھ یہ بھی فارسی کے مشہور شاعر ہیں۔ ہزاری منصبدار بھی تھے کہ کہتے ہیں۔

یہ میرا منصب ہزاری ہے۔
مثل بلبل کے ہوں صد نالاں

ابتدا میں تو ان کے اردو شعر کچھ نہ تھے۔ باہمن کی بیٹی والے شعر اب بھی مضحکہ ہیں مگر بعد کو کچھ کہنے لگے تھے یہ دو شعر نمونہ ہیں۔

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
در و دیوار سے اب صحبت ہے

الحفیظ الحفیظ کہتا ہوں
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں

فراق مرزا مرتضیٰ قلی خاں فراقؔ۔ فارسی کے یہ بھی اچھے شاعر ہیں اردو کا بھی ایک شعر انتخاب ہے۔

اسیروں کی قسم تجھ کو صبا سچ کہہ کہ گلشن میں
کوئی ان ہمنواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے

ندیم مرزا قلی خاں ندیم یہ بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ ایک شعر ان کا بھی انتخاب ہے۔

جدائی میں تیری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں
بجائے مو بدن سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

انجام امیر خاں عمدۃ الملک انجام یہ ۱۱۵۹ھ میں ایوان شاہی کے اندر کسی اپنے ملازم ہی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ فارسی کی طرح اردو کے بھی خوش گو تھے کہ شعر خود زبان حال ہے۔

ساتھ اپنے کے تھا انجام پاس تمکنت
شکر ہے تڑپے نہ زیر خنجر جلاد ہم

فقیر میر شمس الدین فقیر دہلوی ۱۱۷۰ھ میں حج سے واپس ہوتے ہوئے غریق رحمت ہوئے۔ فارسی گو تھے۔ اردو میں بھی کچھ کہتے تھے دو شعر انتخاب ہیں۔

زندگی موج آب ہے گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا
خال اسکی بیاض گردن کا
نقطۂ انتخاب ہے گویا

آرزو سراج الدین خاں آرزو اکبر آباد وطن دلی سکونت لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ مگر ہڈیاں دلی میں آ کر گڑیں آزاد بلگرامی کی تاریخ کا مصرعہ ہے۔

بگو آں جان معانی آرزو رفت
۱۱۶۹ھ

فارسی میں صاحب کلیات ہیں۔ اردو میں کچھ متفرق اشعار ہیں کہتے ہیں کہ اردو پر بھی ان کو یوں حق پہونچتا ہے کہ میر۔ سودا۔ اور مظہر وغیرہ سب انہی کے فیض یافتہ ہیں۔ دو چار شعر انتخاب ہیں۔

اس تندخو صنم سے جب سے لگا ہوں ملنے
ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو

میخانہ میں آج جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپولے پھوڑے

یہ ناز یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

ایک فردِ بے سلسلہ شاعر

فغاں ظریف الملک کوکا خاں اشرف علی خاں فغاں ۔ احمد شاہ کے کوکا تھے ۔ اور یہ خطاب بھی انہیں کا عطیہ تھا کہ بذلہ سنجی لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں طاق تھے ۔ دلی وطن تھا ۔ مگر آخر زمانہ عظیم آباد میں گذرا ۔ اور وہیں ۱۱۸۶ھ میں گذار ہوئے ۔ ندیم کے شاگرد تھے ۔ خود کہتے ہیں

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں
دو دن کے بعد دیکھو اُستاد ہو گیا

بیاض سے یہ پتہ نہ چلا کہ ندیم کون تھے مگر ان کی پیشین گوئی میں کلام نہیں کہ واقعی اُستاد ہوئے ۔ کلام ایسا ہے کہ ان کے کلام پر سودا بھی سر دھنتے ہیں ۔ آزاد آب حیات میں راوی ہیں کہ اُستاد ذوق کا لکھا ہوا دیوان اُن کی نظر سے گذرا تھا معلوم نہیں کہ طبع ہوا یا نہیں کہ متفرق کلام ہی نظر سے گذرا ۔ ان کے ہمعصر شاہ حاتم بھی ان کی زبان کے مقر ہیں ۔

خوب گو سب ہیں لیکن اے حاتم
خوب ہے خوب ہے فغاں کی زباں

افسوس کہ ان کا سلسلہ آگے نہ چلا ۔ اس لئے مجبوراً ان کو الگ ہی رکھنا پڑا ۔ عظیم آباد میں راجہ شتاب رائے کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے تھے مگر ان کی حاضر جوابی نے وابستہ نہ رہنے دیا ۔

جگنو میاں کی دُم جو چمکتی ہے رات کو
سب اس کو دیکھ دیکھ بجاتے ہیں تالیاں

یہ شعر ان کی حاضر گوئی اور بذلہ سنجی کا ایک نمونہ ہے جو راجہ صاحب کے مصاحب جگنو میاں کی شان میں اونہی کی فرمایش اور راجہ صاحب کے اصرار پر فی البدیہہ واقع ہوا ۔

باقی چند اور شعر ہیں کہ انتخاب ہیں۔

دل بستگی قفس میں یہاں تک ہوئی مجھے — گویا مرا چمن میں کہیں آشیاں نہ تھا
کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں — یاں تک گماں نہ تھا تیری صبر و قرار کا
خط دیکھو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
بوئی کباب سوختہ آتی ہے خاک سے — دامن سے کیا گرا کوئی لخت جگر فغاں
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — یوں بھی گذر گئی مری وُوں بھی گذر گئی
شکوہ کرے ہی تو جو مرے اشک سرخ کا — تیری کہ آستین میرے لوہو سے بھر گئی
ضعیف ہی دل بیمار اس قدر ینے سے — اٹک کے آہ نکلتی ہے میرے سینے سے

ایک اور دلی شاعر

فیض حضرت شمس الدین فیضؒ دہلوی ۱۲۸۰ھ میں وصال ہوا۔ اور مزار حیدر آباد میں بنا جو آج تک مرجع خلائق ہے سالانہ عرس بھی ہوتا ہے اور مشاعرہ بھی۔ یہ ان کے اصلی ولی ہونے کی برکت ہے جو آج تک فیض جاری اور سلسلہ شاعری دور حاضر تک قائم ہے۔ جو طبقہ متاخرین میں نظر افروز ہوگا۔ ان کی ایک غزل مشہور چلی آتی ہے۔ حضرت امجد دور حاضر کے ایک صاحب دل شاعر نے اس کی تضمین بھی کی ہے۔ اسی کے دو شعر نذر ہیں۔

کریں ہم کس کی پوجا اور چڑھائیں کس کو چندن ہم — صنم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم برہمن ہم
ہوا اے فیض معلوم ایک مدت میں ہمیں وہ بھی — جپا کرتے تھے جس کے نام کی دن رات سمرن ہم

اور ایک شعر بھی سننے میں آیا ہے۔ دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ ۵

ارے میں فیض کیا چکنے گھڑے ہو — صنم کی گالیاں کھاتے کھڑے ہو

سلسلۂ شاہ حاتم

شاہ حاتم ظہور الدین نام حاتم تخلص شاہ حاتم مشہور۔ سودا سے اوستاد کے اوستاد کہ خود بھی ان کو اس پر فخر تھا۔ اور بجا تھا۔ ظہور ان کا تاریخی نام ہے۔ کہ اس سے ۱۱۱۱ھ بر آمد ہوتا ہے۔ سنہ وفات میں اختلاف ہے جو ۱۱۹۶ھ ہے یا ۱۲۰۷ھ۔ ایک پہلا بڑا دوسرا جو اسی سے نکلا صاحبزادہ چھوٹا دیوان ہے۔ مولانا حسرت موہانی نے ایک انتخاب در انتخاب بھی شایع کیا ہے۔ وہی میں نے بھی دیکھا ہے چند شعر انتخاب ہیں۔

میر صاحب ان سے بہت خفا ہیں ان کو جاہل بھی کہتے ہیں۔ اور ان کے اکثر اشعار پر بھی حرف رکھتے ہیں لیکن ان کے ایک شعر کو جس طرح بگاڑا ہے وہ ان کی تہذیب پر بھی حرف ہے اِن کا شعر ہے۔

ہائے بیدرد سے لڑ کیوں تھا   آگے آیا مِرے کیا میرا

اس کے پہلے مصرع کو میر صاحب نے جس طرح لکھا ہے اس طرح تو میر صاحب ہی لکھ سکتے ہیں۔

میں تو بحذف نقط بھی نہ لکھتا مگر مولانا شروانی صاحب نے ان کی تہذیب کو بھی سراہا ہے اس لئے لکھے دیتا ہوں۔

مبتلا .... میں ہوا اب میں   آگے آیا میرے کیا میرا

باقی دو چار رہے سہے شعر یہ ہیں۔

کس جگہ لیجائیں تیرے ظلم کی فریاد ہم   تجھ سے ہی تیرے ستم کی چاہتے ہیں داد ہم

ہماری گفتگو سب سے جُدا ہے   ہمارے سخن ہیں بانکپن کے

تواذیت پیشہ دشمن ہی بغل میں دل نہیں   دُور ہو پہلو سے صحبت کے تِرے قابل نہیں

پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر — سوکھے درخت بھی کہیں ہوتے ہیں پھر ہرے

تاباں میر عبدالحی تاباں ۔ مرزا مظہر جان جاناں کے محبوب مریدوں میں ہیں ۔ مگر شاگرد شاہ حاتم کے ہیں ۔ میر محمد علی حشمت سے بھی اصلاح لی ہے اپنے زمانہ میں یوسف وقت تھے ۔ ان کی جوانمرگی کا بڑے بڑوں کے دل پر داغ رہا ۔ میر صاحب کا بھی دل نہ بچا ۔

داغ ہے تاباں علیہ الرحمۃ کا چھاتی پہ میر — ہو نجات اس کی بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

مولنا حسرت موہانی نے ان کے بھی دیوان کا انتخاب شایع کیا ہے اور دہی میں نے بھی دیکھا ہے چند شعر انتخاب ہیں ۔

نہیں کوئی دوست اپنا یار اپنا مہرباں اپنا — سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا بیاں اپنا

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے — تجھے بے مروت مروت کہاں ہے

انجان ہو تو اس سے کوئی درد دل کہے — جو جانتا ہو میں اسے آگاہ کیا کروں

عاشق سے گرم ملنا پھر بات بھی نہ کرنا — کیا بے مروتی ہے کیا بے وفائیاں ہیں

تمنا تری ٹھوکروں کی ہے لیکن — رکھوں پاؤں پر سر یہ جرأت کہاں ہے

بقا بقاء اللہ خاں بقا اکبر آبادی فارسی میں مرزا فاخر مکین اور اردو میں شاہ حاتم کے شاگرد ہیں ۔ میر و مرزا کے بھی منہ آئے ہیں ۔ آخر عمر میں بہ شوق تسخیر دیوانے ہو گئے تھے ۔ دیوان دیکھنے میں نہیں آیا ۔ دو تین شعر بیاض میں ہیں ۔

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے — دو آبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں — اس کا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

پاتے ہیں میکدہ میں بقا روز فیض ہم — خم سے سبو سبو سے قدح اور قدح سے ہم

سودا مرزا محمد رفیع سودا شاگرد و فخر حاتم دلی وطن زبان اردو کے رکن اعظم مدح و قدح کے بادشاہ لکھنؤ میں انتقال کیا ۔ اور آغا باقر کے امام باڑہ میں دفن ہوئے ان کے

شاگرد ماہر خلف فغاں کی کہی ہوئی تاریخ سر مرقد کندہ ہے آخر کا شعر یہ ہے۔

بولے منصف دور کر پائے عناد شاعران ہند کا سرور گیا

میر قمر الدین منت کی تاریخ کا مصرع ہے۔

گوہر معنی یتیم شد ہے ہے
۱۱۹۵ھ

ان کا کلیات گلہائے مضامین کا ایک گلزار ہے کچھ اگر خار بھی ہیں تو وہ بھی دکھتی رگوں کے لئے نشتر اصلاح ہیں۔ باقی ستر دو بہتر کیا سینکڑوں تیر نشتر ہیں۔ دیوان کا انتخاب تو بیاض رفتہ کے ساتھ گیا۔ باقی ساقی متفرق انتخاب ہدیہ ہے۔ ثاقب کانپوری نے ان کے کلیات کا انتخاب بھی شایع کیا ہے۔ نواب جعفر علیخاں اثر نے مقدمہ لکھا ہے مگر نظر سے نہیں گذرا۔

دکھاؤنگا تجھے زاہد اس آفت دین کو خلل دماغ میں ہے تیری پارسائی کا
سودا جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا
جوشش دریائے خون ہنگامۂ شور و فغاں دیدۂ تر سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کو سمجھانے کی طرح
کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں
ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں
انساں کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا دی تھی خدا نے آنکھ سو ناسور ہو گیا
پاس ناموس مجھے عشق کا ہے اے بلبل ورنہ یاں کون سے اندازِ فغاں ہی کہ نہیں
وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
برسات کا تو موسم کب کا نکل گیا پر مژگاں کی یہ گھٹائیں اب تک برستیاں ہیں

نگری آباد بسے ہیں گاؤں / تجھ بن اُجڑی پڑی ہے اپنی ٹھاؤں
جی تک تو دیکھے لوں کہ ہو کارگر کہیں / اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
ساقی ہے اک تبسم گل فرصت بہار / ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں
عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں / دو چار گھڑی رونا تو دو چار گھڑی باتیں
اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو / قسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے / اے اُلفت چمن ترا خانہ خراب ہو
کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا اے شیخ / تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو
اے لالہ گو فلک نے دیئے تجھ کو چار داغ / چھاتی مری سراہو کہ اک دل ہزار داغ
نسیم بھی ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے / ہماری خاک سے کچھ دیکھیو رہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم دشت خار میں مجنوں / کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے
جو طبیب اپنا ہے دل اس کا کسی پر زار ہے / مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
نہیں معلوم اس سینہ میں کیا جوں شمع جلتا ہے / دھواں نوکِ زباں سے بات کر نہیں نکلتا ہے
گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی / اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی
اُلفت میں کچھ اپنے بھی اثر چاہیے سودا / ہر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ہے
ساقِ سیمیں تری شب دیکھ کے گوری گوری / شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوڑی تھوڑی
رستم سے بھلا کہہ تو سر تیغ تلے دھر دے / پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے و ہر مردے
جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی / گالی کبھو نہ دی تھی سو اب بات ہو گئی

مجذوب مرزا غلام حیدر مجذوب سودا کے بیٹے یا متبنیٰ بود و باش لکھنؤ۔ کچھ شعر دیکھنے میں آئے۔ ایک شعر زبان پر ہے۔

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں

راقم بندرابن راقم دِلّی وطن پہلے میر کے پھر سودا کے شاگرد ہوئے اور اب انہیں کے شاگرد سمجھے جاتے ہیں۔ کہ میر صاحب زندگی ہی میں اون کو رو چکے نکاتِ الشعرا میں کچھ انتخاب نظر سے گذرا۔ اور دو تین شعر انتخاب در انتخاب ہوئے۔

ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں
پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب — یارب عجب طرح کا یہ آزار ہے مجھے
سنتے ہیں کہ ہوتی ہے جگ بیچ دوام صبح — ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

سلسلۂ مرزا مظہر جان جاناں

مظہر جان جاناں مرزا جان جاناں نام بادشاہ عالمگیر کا رکھا ہوا کہ ان کے والد کا نام مرزا جان تھا۔ مگر عوام میں "مرزا جان جاناں" کے نام سے مشہور ہیں۔

مظہر تخلص۔ دِلّی وطن ولادت ۱۱۱۱ھ اور وفات ۱۱۹۵ھ اپنے وقت کے برگزیدہ۔ فارسی دیوان اور انتخاب اشعار اساتذہ فارس "خریطہ جواہر" ان کی عمدہ یادگار ہے اردو میں ہر چند دیوان نہیں ہے۔ اور کچھ متفرق اشعار ہی ہیں۔ تاہم اردو شاعری کے یہ بھی ایک رکن ہیں۔ کہ جب تک حیات رہے سرچشمہ فیض و برکات رہے۔ خدا جانے کس نامعقول نے آپ کو شہید کر کے اپنی عاقبت خراب کی۔

میر قمرالدین منت نے — عاش حمید امات شہیداً
کیا اچھی تاریخ کہی کہ موزون بھی ہے اور حدیث بھی۔ چند شعر تبرک ہیں۔

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو — یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے
یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے — اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
میرا جی جلتا ہے اس بلبل بیکس کی غربت پہ — کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک

یقین انعام اللہ خاں یقینؔ یہ مرزا جان جاناں کے اُن شاگردوں میں تھے کہ ان کی کمسنی کی وجہ اکثر لوگ گمان کرتے تھے کہ وہی کہہ دیتے ہیں۔ یہ غریب کہتے ہیں کسی بدگمانی پر اپنے والد ہی کے ہاتھوں جوان مارے گئے میر صاحب اپنے نکات الشعرا میں ان کے بھی نام رکھتے ہیں۔ مگر مولٰنا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صدر یار جنگ مقدمہ نکات الشعراء میں ان کے انصاف کے لئے داد طلب ہیں کہ نام رکھنے پر بھی ان کی بزرگ زادگی و شرافت کے مُقر ہیں۔ ورنہ کمال شاعری کی طرح ان کی شرافت سے بھی انکار کر دیتے تو کوئی ان کا کیا کر لیتا۔ آبحیات پر بھی نہ آتے ہیں۔ مگر اپنے غلبۂ خیال سے بھی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ مؤلف گلِ رعنا لکھتے ہیں کہ یقین ۲۵ ہی سال میں جوانمرگ نہ ہو جاتے تو نہ میر ہوتے نہ مرزا۔ مگر میر صاحب ان کو ذائقہ شعر فہمی تک سے بھی ناآشنا بتاتے ہیں اِس پر مولٰنا شیروانی اون کے انصاف کی داد بھی چاہتے ہیں۔

میں نے ان کا دیوان تو نہیں دیکھا لیکن گلشن ہند میں ان کے کلام کا انتخاب کافی سے زیادہ ہے اور وہی میں نے دیکھا ہے اسی کا یہ انتخاب درانتخاب ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے ان کا دیوان شرح و بسط حال کے ساتھ شایع کیا ہے جو واقعی دیکھنے کے قابل ہوگا۔ مگر واہ دیکھا تو ششدر رہ گیا کہ یہ داد تحقیق اور یہ نتیجہ کہ باپ بری نہ بیٹے مجرم دنیا کا حال ہے۔ اور نہیں ہے تو ایک ظالم باپ کا کہ بادشاہ حکومت وقت کسی نے بھی ان سے کچھ تعرض کیا؟ یا سب نے ان کو اپنے فعل میں آزاد کا آزاد ہی رکھا۔ خیر یہ قصہ ناتمام رہا تو رہا مگر اُستاد کا قصہ تو تمام ہو گیا کہ یقینؔ کی شاعری سے مرعوب ہو کر غریب نے ریختہ بھی کہنا چھوڑ دیا۔ یہ رائے تو اب مجبوراً ہے ورنہ واقعہ ہے اور مِرزا صاحب نے قرآن و حدیث ہی جیسی کسی کتاب میں لکھا دیکھا ہے کیا ہوا جو وہ

اپنی سہل انگاری سے نوٹ نہ کر سکے۔ اور اب سینکڑوں کتابوں کے اُلٹنے پر بھی اوس کا پتہ نہ چلا ثبوت تو بہرحال اب بھی موجود ہے کہ یقینؔ کے دیوان میں وہی دو چار بے رنگ شعر ہیں۔ جو اُستاد نے اپنی طرف سے داخل کر دیئے ہیں یا اون کو بدرنگ کر دیا ہے بہ پاس اُستادی یقینؔ خود کچھ کہیں مگر مرزا صاحب تو وہی کہیں گے جو حق تذکرہ نگاری ہے کہ تذکرہ نگاروں کی عام سنت بھی یہی ہے۔

آشنا کوئی جہاں میں کبھی بیوفا نہو — ملتے ہی تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
یقینؔ کا شورِ جنوں کس کے یار نے پوچھا — کوئی قبیلۂ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے
دیوانہ ہوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا — مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے
کرتا ہے کوئی یار داس وقت میں تلہ بیرن — مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
نہ کر خجل مجھے مہماں میرا نہ ہوائے عشق — کہ میری آنکھ میں آنسو جگر میں آہ نہیں
گرا میں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا — مجھے پٹکا زمیں پر آسماں کے ہاتھ کیا آیا
خفیف مجھ سے اُلجھ کر عبث ہوا واعظ — کہ میں تو مست تھا اس کو بھی کیا شعور نہ تھا
گریباں چاک کرنے سے کسی کے کیا تجھے ناصح — ہمارے ہاتھ جانیں اور ہمارا پیرہن جانے
خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے — اب گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

بیان خواجہ احسن اللہ بیانؔ اکبر آبادی رہے دلی اور اکبر آبادمیں اور خاک ہوئے حیدر آباد کی۔ گلاب چند ہمدمؔ اِن کے شاگرد نے تاریخ کہی۔

"اُستاد از جہاں رفت"

۱۲۱۳ھ

دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے کچھ کلام جو دیکھنے میں آیا اس کے دیکھتے اِنکی اُستادی میں کِس کو کلام ہو سکتا ہے۔

کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو ۔ اک مختصر سی جا ہو اور میں ہوں اور تو ہو

مت آئیو لے وعدہ فراموش تو اب بھی ۔ جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے ۔ وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے

پیو شراب جو اُو کہ موسم گُل ہے ۔ ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے

بزم میں اس کے جو ہوتی ہے سرگوشی ۔ دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں مذکور نہو

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے ۔ یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

ہم سرگذشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خاک ۔ پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

آیا ہوں اس گلی سے ابھی دم نہیں لیا ۔ پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی اُدھر مجھے

فرشتوں کی عبادت کا مصلیٰ ہے مرا دامن ۔ اگر آلودگی دنیا یہ اس کو پاک رہنے دے

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ ۔ دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی

حزیں میر محمد باقر حزیں دلّی وطن ۔ اُستاد سے ارادت دلی یہ ہے کہ کہتے ہیں ؎

جس طرح جی چاہتا ہے ہو نہیں سکتی حزیں
حضرتِ اُستاد یعنے شاہ مظہر کی ثنا

غالباً دیوان بھی ہے اور مصحف اربابِ جنون جو اس کو کہتے ہیں تو اس کو بھی اُستاد ہی کا فیض کہتے ہیں ؎

اے حزیں شکر ہے کہ ہے مصحفِ اربابِ جنوں ۔ فیض سے ہے حضرت اُستاد کے دیوان میرا

دیوان نظر سے گذرتا تو کچھ انتخاب ہو سکتا ۔ اب دو شعر کہیں سے بیاض میں آگئے ہیں ۔

یہ کہکر باغ سے رخصت ہوئی بلبل کہ یا قسمت ۔ لکھا تھا یون کہ فصلِ گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا

راحت میں دل کے ہاتھوں نہ پاؤنگا ایک دم ۔ جبتک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے

حسرت ہیبت قلی خاں حسرت عظیم آبادی شاگرد مظہر ۔ ایک شعر بیاض میں ہے

باقی واللہ اعلم بالصواب۔

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق	اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

سلسلۂ میر سوز

سوز محمد میر سوز قراولپور ضلع شاہجہاں پور وطن لکھنو مدفن متوفی ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۰ء میر سودا۔ درد کے ہمعصر استاد نواب آصف الدولہ کہتے ہیں میر صاحب نے صرف اسی بناء پر ان کو پاؤ شاعر مانا۔

صاحب دیوان ہیں اور اُستاد وقت۔ دیوان دیکھا ہے مگر انتخاب اب محفوظ نہیں دو چار شعر ہیں۔ جو بمنزلہ انہونے کے ہیں۔ تاہم کلام ان کا مشہور عام ہے۔ خواجہ درد کی مفارقت سے متاسف ہیں ؎

تم تو چلے گئے پر یہ سوز ہے اکیلا	اے میرے درد صاحب تھے یادگار ہم تم

سارا دیوانِ زندگی دیکھا	ایک مصرع نہ انتخاب ہوا

رات کو نیند نہ دن کو چین	ایسے جینے سے اے خدا گذرا

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا	پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ نئی

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا	آہ یارب رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

آصف نواب آصف الدولہ آصف نواب اودھ ۱۷۷۴ء میں مسند نشین ہوئے اور ۱۷۹۷ء میں انتقال ہوا۔ سخاوت سے نام آج تک زندہ ہے صاحب دیوان ہیں۔ مگر دیوان نظر سے نہیں گذرا دو تین شعر داخل بیاض ہیں۔

تو اپنی شیوۂ جور و جفا سے مت گذرے	تیری بلا سے میرا دم رہے رہے نہ رہے

عشق ہاتھوں سے تیرے کیا کہئے	نام سے گذرے اور نشاں سے گئے

تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح	ایسے بیٹھے نہ پھر وہاں سے گئے

آشفتہ حکیم رضا قلی خاں آشفتہ اکبر آبادی شاگرد سوز ۱۲۱۵ھ تک کلکتہ میں بقید حیات تھے۔ دیوان قلمی سرانجام ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوا۔ دو شعر بیاض میں ہیں۔

مرگیا ایک صنم پر آشفتہ — موت ایسی خدا نصیب کرے
اپنے کے ہوتے بھلا تو غیر کو صدقے نہ کر — ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے تیرے قربان گئے

سلسلۂ خواجہ میر درد

درد خواجہ میر نام درد تخلص دلّی وطن خواجگی سے ممتاز رکن زبان اُردو ۱۱۹۹ھ میں دنیا سے سدھارے ان کے کسی مرید نے تاریخ کہی۔

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

روایت ہے اور روایت بھی آبحیات کی جو سب روایتیں ہی روایتیں ہیں کہ میر صاحب نے ان کو آدھا شاعر مانا ہے۔ حالانکہ اپنے نکات الشعراء میں انھوں نے بہت کچھ سراہا ہے۔ اور سودا نے تو پھر شعر و شاعری میں کس کا پاس ولحاظ کیا ہے۔ پھر بھی پاس ادب یہ ہے کہ کہتے ہیں ؎

سودا بدل کے قافیہ تو اس غزل کو کہہ — اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

کون ہے جو ان کے دیوان سے فیضیاب نہیں ہوا۔ مگر انتخاب اب کہاں محفوظ ہے۔ کچھ اشعار ہیں اور وہی نذر ہیں۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو در گذر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا — یعنے کبھو تو اپنے بھی دل تھا دماغ تھا
ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا کہ جو کچھ آرزو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ طاعت کے لیئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

نہ کہیں عیش تمھارا بھی منغّص ہوئے — دوستو دردؔ کو محفل میں نہ تم یاد کرو

کاش تا شمع نہ ہوتا گذر پروانہ — تم نے کیا قہر کیا بال و پر پروانہ

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے — اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر — فقط ایک دل ہے جو آگاہ ہے

خدا اس کو رکھے سلامت رہے — خبر گیر دل گاہ بے گاہ ہے

غنیمت ہے یہ دید وا دیدِ جاناں — جہاں مُند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے

عالم ہو قدیم خواہ حادث — جس دم نہیں ہم جہاں نہیں ہے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے — ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی

اثر

سید محمد اثرؔ خواجہ دردؔ کے برادر خُرد جو انہی سے فیضیاب ہوئے۔ خواب و خیال مثنوی ان کی مشہور ہے۔ انجمن ترقی اُردو نے مثنوی و دیوان ان کا شائع کیا ہے اور اس کا تبصرہ رسالہ اُردو میں نظر سے گذرا ہے اور یہ اُسی کا انتخاب در انتخاب ہے۔

تیرے آنے کا احتمال رہا — مرتے مرتے یہی خیال رہا

اثرؔ اب تو ملے ہے تو اُس سے — پر یہ ملنا مزا دکھائے گا۔

کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہ میں — ہیں سب وگرنہ یہ تیری باتیں نگاہ میں

خوب دنیا میں خوش رہا ہوگا۔ — جو کہ عاشق ترا ہوا ہوگا

عاشقی اور عشق کی باتیں — سب جہاں سے آخر کیساتھ گئیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے — پر آخر کی تو ہم کو آس نہیں
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن — رات کٹتی نظر نہیں آتی
نہ رہا انتظار بھی اے یاس — ہم امید وصال رکھتے تھے
بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی ناکامی — تری بھی طور اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہے
مانا آخر کہ وعدہ فردا غلط نہیں — لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی
کبھو دوستی اور کبھو دشمنی — تری کونسی بات پر جائیے
آسودگی کہاں جو دلِ زار ساتھ ہے — مرنے کے بعد بھی یہی آزار ساتھ ہے

ہدایت شاہ ہدایت اللہ ہدایت یا حکیم ہدایت اللہ دو طرح پر تذکروں میں مذکور ہیں۔ خواجہ درد کے شاگرد ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہیں بنارس کی تعریف میں ان کی ایک مثنوی بھی ہے۔ مگر مثنوی دیوان کچھ دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو شعر انتخاب ہیں۔

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو — لگتی ہے ٹھیس نکہت گل سے دماغ کو
آتی ہے آہ تجھ سے تو کچھ اور بوئے نسیم — رات اس چمن میں کون گل اندام رہ گیا

فراق حکیم ثناء اللہ خاں فراق۔ دلی وطن۔ شاگرد درد۔ صاحب دیوان ہیں۔ مگر دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ دو شعر انتخاب ہیں۔

دل تھامتا کہ چشم پر کرتا تری نگاہ — ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا
آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں — بھولے سے اس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

الم خواجہ صاحب میر الم۔ خلف خواجہ درد۔ دو شعر ان کے بھی بیاض میں ہیں۔

دھمکاتے ہیں بس مجھکو فقط آپ اکڑ کر — بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر
آجاتا ہے دکھ درد بھلانے کو الم یاں — کیا اس سے مزا تم ہو اٹھاتے بھلا لڑ کر

محزوں محمد ناصر جان محزوںؔ نبیرۂ خواجہ میر دردؔ دلی سے کہیں باہر گئے ہیں۔ اور وہاں سے مرزا غالب کو خط میں لکھتے ہیں۔

آہ محزوںؔ مجھے یاران وطن بھول گئے
نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا

اور دہی سر مشاعرہ مرزا فرحت اللہ بیگ کے عکسی مشاعرہ میں اس کے راوی ہیں۔

قائم قائم الدین قائمؔ وطن چاند پور ضلع بجنور مدفن رامپور متوفی ۱۲۱۰ھ ہجری شاہ ہدایت اور خواجہ درد کے علاوہ سوداؔ سے بھی گو اصلاح لی ہے۔ مگر شاگردان کو خواجہ دردؔ ہی کا مانا گیا ہے۔ دیوان کی نسبت آزادؔ کی رائے ہے کہ میرؔ و مرزاؔ کے دیوان سے نیچے نہیں رکھ سکتے۔ کلام جو دیکھنے میں آیا اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ چند شعر اس کا ثبوت ہیں۔

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
بے کہے بھی رہا نہیں جاتا

فلک جو دے تو خدائی بھی لے نہ اب قائمؔ
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہی کا

قائمؔ ضرور کیا ہے اُس جستجو سے صلح
مدت ہوئی کہ جان سے میں ہاتھ دھو چکا

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم چپ رہے
پر سنا ہوگا کہ تم کو اِک جہاں نے کیا کہا

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا آپ تجھ سے میں اور آپ من گیا

کچھ قمریوں کو یاد ہیں کچھ بلبلوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے میری داستاں کے ہیں

عشق تو قائمؔ نہ ہو آپ سے
اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے

کیا ساغر ہلاہل کیا جامِ آبِ خضر
آجائے بزمِ دوست میں جو کچھ سو پیجئے

مرجائے کسی سے پر الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

پہلے ہی اپنی کون تھی واں قدر و منزلت
پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی

بیدار میر محمدی بیدار متوفی ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء حکیم آغا جان عیش نے اپنے ایک شعر میں اپنا جو سلسلہ شاعری بتایا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کو خواجہ میر درد سے تلمذ تھا چنانچہ وہ شعر یہ ہے۔ ؎

محرم کا میں شاگرد وہ بیدار کا شاگرد ہے عیش سلسلہ میرا یوں درد وا تک

مولانا حسرت موہانی نے ان کے دیوان کا بھی انتخاب شایع کیا ہے اور نظر سے گذرا ہے۔ اور یہ اُسی کا انتخاب در انتخاب ہے۔

بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی — صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا
آنکھوں میں چھا رہا ہے از بسکہ نور تیرا — ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا
دعویٰ کبھی کیا تھا تری چشم مست سے — نرگس چمن میں شرم سے ہے سرنگوں ہنوز
نہ میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا — محوِ خیال یار رہے ہم جہاں رہے
ربط جو چاہے بیدار سو اس سے معلوم — مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے
ستم شعار و وفا دشمن آشنا بیزار — کہو تو ایسے سے کیوں کر کوئی نباہ کرے

سلسلۂ میر تقی میر

میر محمد تقی میر اکبر آباد وطن نشو و نما بود و باش دِلّی سنہ ۱۱۹۰ھ میں دِلّی سے لکھنؤ آئے اور سنہ ۱۲۲۵ھ میں وہیں دنیا سے سدھارے سو برس کی عمر پائی ناسخ نے تاریخ کہی۔

واویلا مُرد شہ شاعران

زبان اُردو کے یہ دوسرے رکن اعظم ہیں۔ (۶) دیوان ہیں۔ نکات الشعراء ایک تذکرہ شعرا ہے۔ حیات میر نام ایک خود نوشتہ سوانح عمری ہے انجمن ترقی اردو نے از سر نو اس کی اشاعت کی ہے۔ نکات الشعراء پر مولانا شروانی کا دیباچہ

بھی ہے۔ اور اس میں آب حیات پر لے دے بھی ہے مگر ہیرو پرستی کی جھلک اس میں بھی ہے۔ حق یہ ہے کہ نکات الشعراء تک میر صاحب میرؔ صاحب نہیں ہوئے تھے۔ کہ تذکرہ خود زبان حال ہے۔ مولنا عبدالحق صاحب کا نو طبع انتخاب میرؔ ان کے دواوین کا بہترین انتخاب ہے۔ آزادؔ نے ان کی نازک دماغی میں اتنا مبالغہ کیا کہ مولف گل رعنا نے اس کو خردماغی نام دیا۔ ان کی نازک دماغی کے چرچے اِن کے زمانے میں بھی تھے۔ کہ یہ خود بھی نالاں ہیں ؎

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ　　دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ　　ہے نام مجلسوں میں میرا میرؔ بدماغ
از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مستغنی المزاج خود دار آدمی تھے کہ خود ان کا کلام بھی اس کی تصدیق ہے کہتے ہیں۔ ؎

سر کسی سے فرو نہیں ہوتا　　حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے

اپنی طبیعت کا انداز آپ بتاتے ہیں ؎

تیری چال ٹیڑھی تیری بات روکھی　　تجھے میرؔ سمجھا ہے یاں کم کسو نے

مگر بعد میں سمجھنے والوں نے سمجھا بھی اور مانا بھی اور آج تک سب مانتے چلے ہے ہیں۔ ہم آپ نہیں صرف نقادانِ سخن ہی دیکھئے کہ کتنے ہیں جو معترف میرؔ ہیں ؎

اے مصحفیؔ تو اور کہاں شعر کا دعویٰ　　پھبتا ہے یہ انداز سخن میرؔ کے اوپر
غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بہ قول ناسخؔ　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں
نہ ہوا پر نہ ہوا میرؔ کا انداز نصیب　(ذوق)　گرچہ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا
نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہؔ　　کبھی دل میں ہوائے شیوۂ میرؔ پھرتی ہے
حالیؔ سخن میں شیفتہؔ سے مستفید ہے　　غالبؔ کا معتقد ہے مقلد ہے میرؔ کا
کہنے کو جلالؔ آپ بھی کہتے ہیں وہی طرز　　لیکن سخن میر تقی میرؔ کی کیا بات

یادگار اس وقت ہم بھی ہیں زمانہ میں ریاض — مانتے ہیں سب ہمیں ہم مانتے ہیں میر کو
گذرے بہت اُستاد مگر رنگ اثر میں — بےمثل ہے حسرت سخن میر ابھی تک

یہ سنکر اب کلام دیکھئے اور سمجھئے کہ کس لئے سب ان کو باتفاق مانتے ہیں

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی — شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
اب تو جاتے ہیں بت کدہ سے میر — پھر ملیں گے اگر خدا لایا
کہتے ہو یوں کہتے، یوں کہتے جو یار آتا — یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
یاروئے یار لایا اپنی تو یونہی گذری — کیا ذکر ہم صفیرو یاران شادماں کا
لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک اُٹھے — ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا
پڑھیں گے شعر رو رو لوگ بیٹھے — رہے گا دیر تک ماتم ہمارا
چشم خوں بستہ سے کل رات لہو ٹپکا — ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا
دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو — کشمکش میں بیقراری کے یہ پھوڑا اچھل گیا
الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا — دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
آنے میں اس کے حال ہوا جائے ہے تغیر — کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائیگا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ — نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائیگا
صیاد دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ — تجھکو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا
مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا — موم سمجھے تھے تیرے دل کو سو پتھر نکلا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر — تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر — مقابلہ تو دل ناتوان نے خوب کیا
دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا — جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا — مستند ہے میرا فرمایا ہوا

ہمیں عشق میں میر چپ لگ گئی ہے — نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت
گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے — اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند
تھی جب تلک جوانی رنج و تعب اٹھائے — اب کیا ہے میر جی میں ترک ستمگری کر
مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم — القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم
واماندوں پہ دیکھئے کہ کیا ہو — اپنا تو نباہ کر گئے ہم
مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں — کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں
بھرے رہتے ہوں ہر دم پھول ہی جس کے گریباں میں — وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میر دامن میں
جہاں سے دیکھئے اک شعر شور انگیز نکلے ہے — قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
نہ بھائی ہماری تو طاقت نہیں — تجھی سے اٹھیں میر بھی خواریاں
یہ جو چشم پرآب ہیں دونوں — ایک خانہ خراب ہیں دونوں
ایک سب آگ ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
اک جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے — دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں
جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں — بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
حد سے زیادہ جور و ستم خوشنما نہیں — ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو
ہوگا کسی دیوار کے سائے میں پڑا میر — کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو
آگے تھے ابتدائے عشق میں ہم — اب جو ہیں خاک انتہا یہ ہے
ذوقِ سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی — لکھ لیں گے میر جی کے کچھ شعر چیدہ چیدہ
جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آئے — اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آئے
شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں — عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے
نازکی اس کے لب کی کیا کہئے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
میر ان نیم باز آنکھوں میں — ساری مستی شراب کی سی ہے

تمنائے دل کیلئے جان دی — سلیقہ ہمارا بھی مشہور ہے

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — تیری آنکھوں کی نیم خوابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر — ہم تو فارغ ہوئے شتابی سے

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم — کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

سرمگیں آنکھیں شرم آلودہ خاک میں ہم کو ملائیں گی — کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائینگی

وفا لوگ آپس میں کرتے تھے آگے — یہ رسم کہن آہ تم نے مٹا دی

کعبے گئے کیا کوئی مقصد کو پہونچتا ہے — کیا سعی سے ہوتا ہے جب تک نہ خدا چاہے

میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے — نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیئے

موقوف غم میر کہ شب ہوچکی ہمدم — کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

میرے تغیر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانہ کے

پہونچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر — اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

ہیں زلف و خط و خال تو انکے بہت اچھے — پر ہم سے جو پوچھو تو خدا کام نہ ڈالے

پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے — نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستان — رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے

اتنی بھی بدمزاجی ہر لحظہ میر تم کو — الجھاؤ ہے زمین سے جھگڑا ہے آسماں سے

راسخ

شیخ غلام علیؒ راسخ وطن عظیم آباد پٹنہ متوفی ۱۲۳۸ھ گل رعنا میں ان کو میر کا شاگرد لکھا ہے اور اس میں ان کا مختصر ذکر بھی ہے۔ اس لئے یہی غالباً صحیح بھی ہے۔ ورنہ آب حیات میں بھی ایک راسخ عظیم آبادی کا ضمنی ذکر ہے کہ سودا کے پاس جب بارادہ شاگردی آئے اور ان کی فرمائش پر اپنا شعر سنایا تو انھوں نے جوش مسرت میں اٹھ کر ان کو گلے لگا لیا وہ شعر یہ ہے:۔

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے　　پلک پر اپنے آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

معلوم نہیں کہ وہ یہی راسخ ہیں یا کوئی اور ہیں ان کا بھی ایک شعر قریب قریب اسی مضمون کا انتخاب میں ہے۔

جوانی ہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک چمکے ہیں　　جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا

نوٹ

بعد کو ان کا ذکرو کلام خمخانہ جاوید میں دیکھا تو اس میں شعر مذکور بھی نکلا اور یہ حال کھلا کہ میرؔ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے بڑی ہی عقیدت کے ساتھ اپنا دیوان اصلاح کے لئے پیش کیا۔ میرؔ صاحب نے گلے تو نہیں لگایا البتہ بورئیے پر بٹھایا اور دیوان جا بجا سے دیکھا۔ تعریف کی اور پھر ان کے اصرار سے اسی وقت ان کے ایک شعر پر اصلاح کیا دی شعر کو ایک دیوان بنا دیا۔ اِن کا شعر تھا۔

مرتے دم اُنکا ذکر جب آیا زبان پر　　نیند آگئی ہمیں تب اسی داستان پر

اصلاح ملاحظہ ہو۔

تا خوابِ مرگ ذکر تھا اُن کا زبان پر　　نیند آگئی ہمیں تو اسی داستان پر

باقی ان کے مطبوعہ کلیات کا خلاصہ کا خلاصہ خمخانہ جاوید میں تھا مگر ہماری بیاض میں دو ہی شعر اضافہ ہو سکے۔

برسوں رہا ہے صدمہ کشِ اشک و آہ دل　　یہ نسخہ ہے کچھ آب زدہ کچھ جلا ہوا

جُز داغ ہے کیا دلِ حسرت زیں میں　　لالہ ہی اُگے ہے اس زمین میں

تھا جی میں کہ دشواریٔ ہجر اُس سے کہیں گے　　پر جب ملے کچھ رنج و محن یاد نہ آیا

بگڑی جب سب سے تب کچھ اُن سے　　اسلوب بنا موافقت کا

مجنون

مجنونؔ شاگرد میرؔ کہ اسی طرح کہیں لکھا دیکھا ہے اور بیاض میں کیا رکھا ہے۔

بیٹھا تھا مجھکو دیکھ بہانے سے اٹھ گیا حسن سلوک آہ زمانہ سے اٹھ گیا

دِلّی اور نواح دِلّی کے چند بے سلسلہ شعرا

نثار محمد امان نثار میر و میرزا کے ہمعصران کے دیوان کا بھی انتخاب مولنا حسرت موہانی نے شایع کیا ہے اور وہی نظر سے گذرا ہے۔ کچھ شعر انتخاب ہیں۔

جانے دے مال و جان دل و دین گیا تو جائے اپنی جو ایک آن رہی یاں تو سب رہا
روبرو ہوتے ہی اس کے عقل ہو جاتی ہے گم کچھ کا کچھ بکنے لگوں ہوں بات کر آتی نہیں
اس آئینہ طلعت کی اب مجھ سے یہ صورت ہے ظاہر میں صفائی ہے باطن میں کدورت ہے
قسم کھا کے آیا نہ پھر رات کو بھلا یاد رکھنا تو اس بات کو

کلیم محمد حسین کلیم میر تقی میر کے قرابت دار تھے۔ انتخاب کلام کچھ نظر سے گذرا ہے دو شعر انتخاب ہیں۔

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو یا تم ہی سب ہو ہم میں یا رب کے سب ہیں ہم
غرور حسن ممکن کیا کسی کی داد کو پہونچے غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہونچے

امانی خواجہ یار میر امانی متوفی ۱۱۸۷ھ مرثیہ خوان تھے اور ہنگام مرثیہ خوانی میں مرشد آباد میں وصال ہوا۔ دیوان تو نہیں البتہ کچھ کلام کہیں دیکھا ہے دو شعر بیاض میں ہیں۔

سینہ میں جد ہر رو ہو تیرا بھونکدی آہ اس دل سے خبردار کہ یہ گھر ہے کسی کا
کس کے یہ خار مژگان دل میں کھٹک رہے ہیں جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں

ضیاء میر ضیاء الدین ضیا میر و میرزا کے ہمعصر۔ آخر زمانہ عظیم آباد میں بسر ہوا ایک شعر بیاض میں ہے۔

برس اے ابر جتنا چاہے تو اب تیری باری ہے   کبھی دل تھا تو میں بھی رو رو کے اک دریا بہاتا تھا

سجاد میر سجاد۔ سجاد۔ یہ وہی ہیں۔ جن کو اس رو میں سنداً پیش کیا جاتا ہے کہ میر صاحب حافظ و سعدی کے شعر پر بھی گردن ہلانا گناہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ ان کے شعر کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اس کو سو سو جگہ لکھنے سے سیر نہیں ہوتے۔ شعر یہ ہے۔

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے   جو یہ کشتی تِری تو بس ڈوبی

ان کا ایک اور شعر ہے میر صاحب کی اس پر بطور خود اصلاح بھی ہے۔ اصلاحی و بے اصلاحی دونوں شعر مد یہ ہیں۔

کس طرح کوہ کن پہ گذریگی   ہجر میں یہ پہاڑ سی راتین

شعر کی یہ سادگی دیکھئے اور تلامذۂ اصلاح ملاحظہ کیجئے۔

ہجر شیرین کیونکہ کاٹیگا   کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

باقی ساقی دو تین شعر اور انتخاب ہیں۔

شتابی پلا لے کہ جاتا ہے ابر   جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

ماہ رو بن یہ شمع محفل میں   جیسی روشن ہے سب یہ روشن ہے

رات اس زلف کا وہ افسانہ   قصہ کوتاہ بڑی کہانی ہے۔

ولی مرزا محمد ولی۔ ولی ایک شعر بیاض میں ہے باقی واللہ اعلم بالصواب۔

تھی آشنا نہ تیغ سے اس کی کمر ہنوز

ہم تب سے ہاتھ پر لئے پھرتے ہیں سر ہنوز

حسن خواجہ حسن حسن دِلّی کے تھے مگر قیام لکھنؤ میں تھا۔ بخشی نام ایک طوائف پر مٹے ہوئے تھے۔ مقطع میں بالالتزام اس کا نام لاتے ہیں ؎

اگر جاں کنی میں وہ جاں بخش آوے   تو ہو نزع میں جان بخشی حسن کی

باقی ایک اور شعر انتخاب ہے۔

جو بندہ خانے میں آئیگا فقیر تم کو دعا کریگا
کسی کے دل کو جو خوش کروگے خدا تمہارا بھلا کریگا

قدرت شاہ قدرت اللہ قدرت متوفی ۱۲۰۵ھ مرشد آباد میں انتقال ہوا ۔ دیوان تو نہیں البتہ کلام گلشن ہند میں کافی نظر افروز ہوا ۔ ایک قطعہ ان کا بہت مشہور ہے ۔

جس کا شعر سر قطعہ یہ ہے ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملک روس ہے اور سر زمین طوس ہے

باقی دو چار شعر اور انتخاب ہیں ۔

شائستۂ دنیا نہ سزا وار ہوں دیں کا
اے وائے میں قدرت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

حسرت اے صبح چمن ہم سے چمن چھوٹے ہے
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوٹے ہے

گئے وہ دن کہ بہتے تھے تڑپے نالے ان آنکھوں سے
سر مژگان اک اشک آب آتا ہے مشکل سے

خوشا ایام اوقات محبت
کھڑے رونا کھڑے سر کو پٹکنا

مائل شاہ محمدی مائل میر حسن اور شیفتہ ان کو قدرت کا شاگرد کہتے ہیں اور آزاد و قائم کا ۔ دیوان نظر سے نہیں گذرا ۔ دو شعر بیاض میں ہیں ۔

حال کہنے کی نہ دی گریہ نے فرصت رات کو
آج پھر کہیو اسے مائل وہ کیا افسانہ تھا

کہتا نہ تھا کہ باز آ ہر دم اس ہنسی سے
آخر گیا نہ ظالم اک بیگناہ جی سے

بسمل سید جبار علی بسمل متوطن جبار کھڑکی ۱۱۹۶ھ میں بقید حیات تھے ۔ عظیم آباد اور بنارس میں گذر بسر کی ہے ۔ جبار کھڑکی خدا جانے کہاں ہے ایک شعر بیاض میں ہے ۔

پیارے یہ وضع چشم مروت سے دور ہے
دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چرائیے

لطف مرزا لطف علی لطفؔ مؤلف تذکرہ گلشنِ ہند جس کو مولانا عبدالحق صاحب کے مقدمہ کے ساتھ عبداللہ خاں مرحوم نے شایع کیا جو طغیانی رودِ موسیٰ کی بھی ایک یادگار رہے۔ اور اس میں خود ان کا بھی بہت سا کلام ہے مگر بیاض میں ایک شعری صرف انتخاب ہے۔

شرماتا ہے دل لیتے ہوئے نامِ محبت ۔۔۔ از بس نہ ہوا ہم سے سرانجام محبت

آفتاب شاہ عالم بادشاہ آفتاب ابن عالمگیر ثانی متوفی ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء ان کا ایک قطعہ مشہور رہے۔ آخر شعر زبان پر ہے۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے ۔۔۔ عاقبت کی خبر خدا جانے

مگر عاقبت تو عاقبت دنیا ہی میں غلام قادر خاں روہیلہ نے غریب کی آنکھیں نکال لیں۔ اس حال عبرت کو اپنی ایک فارسی غزل میں خود انھوں نے بیان کیا ہے اور لطفؔ نے اردو میں اس کو نظم کیا ہے۔ ایک شعر داخل بیاض ہے۔

ہم تو بندے اس کے ہوں وہ یار ہوا غیار کا ۔۔۔ کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا

مشتاق شاہ ولی اللہ مشتاقؔ سرہندی متوفی ۱۱۶۱ھ ایک فقیر منش بزرگ۔

خیال دل کو ہے اُس گل سے آشنائی کا\
نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں رسائی کا

منت میر قمر الدین منتؔ وطن سونی پت علاقہ پانی پت متوفی ۱۲۰۸ھ۔ اکثر سفر حضر میں رہے۔ آصفجاہ ثانی کے زمانہ میں حیدرآباد بھی آئے۔ دس ہزار نقد اور دو سو ماہوار منصب سے سرفراز ہوئے۔ کلکتہ جاکر فورٹ ولیم کالج کے رکن ہو گئے۔ اور خطاب ملک الشعراء سے ممتاز ہوئے۔ اور وہیں کی خاک ہوئے۔ گلستان کے طرز پر شکرستان ایک کتاب بھی لکھی۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ چنانچہ اکثر تاریخیں اس بیاض میں بھی ہیں۔ کلام کچھ نظر سے گذرا مگر شعر ایک ہی انتخاب ہے۔

قدم رکھ گیا کون سینہ پہ اپنے ۔۔۔ گُل داغ میں آج مہندی کی بُو ہے

نظیر ولی محمد نظیر اکبر آبادی متوفی ۱۲۴۶ھ مشہور و معروف نہ محتاج تعارف۔ نہ اس بحث کے شایان۔ ایک شعر بیاض میں خدا جانے کہاں سے آگیا۔ تاج گنج کی تعریف چیز ہوی کہ اُسی میں دفن بھی ہوئے۔

آغوش تصور میں جب ہم نے اسے مسکا ۔۔۔ لب ہائے نزاکت سے اِک شور تھا بس بس کا

امین خواجہ امین الدین امینؔ عظیم آبادی کلام کچھ کہیں دیکھا ہے اور اشعار انتخاب ہدیہ ہیں باقی اللہ بس باقی ہوس۔

دل باندھیے تو یار کے کاکل سے باندھیے ۔۔۔ بلبل کو باندھیے تو رگِ گُل سے باندھیے

جتنے تھے محفل میں سب سے تھا تپاک اور اختلاط ۔۔۔ ایک ہم کمبخت گویا واں گنہگار دل میں تھے

میں گذرا یار کے ملنے سے جاؤ جس کا جی چاہے ۔۔۔ غرض اب شوق سے عاشق کہاؤ جس کا جی چاہے

جوشش شیخ روشن علی جوششؔ عظیم آبادی دو شعر انتخاب ہیں اور بس۔

دیدار کی تیرے نہ گئی آرزو ہنوز
ہم مر گئے پر آنکھوں میں پھرتا ہے تو ہنوز

محفوظ رکھا عشق نے ایذائے اجل سے ۔۔۔ کنجشک ہیں ہر چنگل شاہیں میں پلے ہم

بیتاب محمد اسمٰعیل بیتابؔ دِلّی وطن۔ شاگرد دیگر نکتؔ میر کا نکات الشعراء ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ گھوڑے پر سے گر کے ختم ہو گئے۔ کچھ نہیں تو خیر ایک شعر ہی اِن کا یادگار ہے۔

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اِسکو کہتے ہیں ۔۔۔ پھر اُٹھنا بعد یا غوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

سلسلہ رائے سروپ سنگھ دیوانہ

دیوانہ رائے سروپ سنگھ دیوانہ متوفی ۱۲۰۴ھ فارسی کے دو دیوان ہیں تعجب کیا جو اردو کا

دیوان بھی ہو ان کا سلسلۂ شاعری جرأت تک ہے۔ اس لئے باقی سلسلہ طبقۂ متوسطین میں
اس کے بعد ملاحظہ فرمائیے۔ ایک شعر انتخاب ہے۔

دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے ۔۔۔ رستم کا کیا جگر ہے جو زہرا پگھل نہ جائے

حیران میر حیدر علی حیرانؔ شاہجہاں آبادی شاگرد سروپ سنگھ دیوانہ۔
مشہور تو ہیں مگر بیاض میں ایک ہی شعر ہے دیوان و کلام کی کچھ خبر
نہیں ؛

دکھ اس سے کون کہے تاب التماس کہاں ۔۔۔ کسے ہے ہوش بجا دل کدھر حواس کہاں

افسوس میر شیر علی افسوسؔ متوفی ۱۸۰۶ئہ یا ۱۸۰۹ئہ نارنول میں ولادت ہوئی
اور دلّی میں نشو و نما۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے یہ بھی ایک رکن ہیں۔
آرائش محفل باغ اردو وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ سوزؔ و حیرانؔ دونوں سے اصلاح لی ہے
دیوان تو نہیں کلام کہیں دیکھا ہے کچھ شعر داخل بیاض ہیں۔

خط کا جواب ایکطرف یہ نہیں امید ۔۔۔ جیتا پھر آکے مجھ سے میرا نامہ بر ملے
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوسؔ ۔۔۔ حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہونچا
اُس کے اوٹھتے ہی جی پہ آن بنی ۔۔۔ دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا

طبقۂ متوسطین

سلسلہ رائے سروپ سنگھ دیوانہ

حسرت مرزا جعفر علی حسرتؔ۔ شاگرد رائے سروپ سنگھ دیوانہ اور استاد جرأتؔ
متوفی ۱۲۱۱ھ دلّی وطن مدفن لکھنؤ زیادہ عمر کا زمانہ لکھنؤ میں گذرا۔
عطاری پیشہ تھے۔ سوداؔ نے ان کا بھی خاکہ اڑایا ہے۔

بھدا نہ کا آندھی سے اڑا اڈھیر ہوا پر ۔۔۔ ہر مرغ اسے کھا کے ہوا سیر ہوا پر

صاحب دیوان ہیں غالباً دیوان کا انتخاب بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ دو چار شعر انتخاب ہیں۔

ایک سے ایک زمانہ میں ہے اس سے خوبتر کوئی خوش آتا نہیں میری نظر کو کیا ہوا
خدا حافظ ہے کیوں محفل میں تیرا نام آیا تھا تڑپنے سے مرے دل کو ابھی آرام آیا تھا
کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے ترے آگے ہے سب آسان مرے نزدیک سب مشکل
تمھیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

محبت نواب نسبت خاں محبت شاگرد حسرت سودا کے ممدوح اور قدردان۔ ایک شعر بیاض میں ہے۔

جس کو تیری آنکھوں سے سروکار رہیگا بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

قدرت قدرت شاگرد حسرت نام ونشان لامعلوم ایک شعر داخل بیاض ہے

ہنگامہ یہ ہیز ورع اب بسر آیا
اے بادہ کشو مژدہ کہ پھر ابر تر آیا

جرأت یحییٰ امان نام قلندر بخش معروف جرأت تخلص دِلی وطن اکبرآبادی مشہور انشا کے معصر و یار طریقت لکھنؤ میں ۱۲۲۲ھ ۱۸۱۰ء میں فوت ہوئے۔
یہ اس سلسلہ کے پیرو ہیں آبحیات کی روایت ہے کہ شوق دید بیگمات میں اندھے بنے پھر واقعی اندھے ہوگئے کہ جیسی نیت ویسی برکت دیوان کس نے نہیں دیکھا معاملات سے بھرا ہوا ہے۔ میر صاحب نے ان کی شاعری پر چوپا چاٹی کی ایسی کہی کہ نہ دھری جائے نہ اُٹھائی جائے۔ دیوان کا انتخاب تو گیا گذرا ہوا چند شعر مدیہ ہیں۔

اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
اور تو کیا شغلے ہیں ہجر میں تیرے مگر دل کی بیتابی سے سو سو بار اُٹھنا بیٹھنا
اُس بن جہاں کچھ نظر آتا ہے اور ہی گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

ہمیں دیکھے سے وہ جیتا تھا اور ہم اس پہ مرتے تھے
یہی راتیں تھیں اور باتیں تھیں وہ بھی کیا دن گزرتے تھے

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے سو رہو گر نیند آئی ہے

ہمارے سر پہ چھائی ہیں بلائیں شام ہجراں کی
وہ اپنے شغل میں ہیں ادھر کھولے اُدھر باندھے

چین اس دل کو نہ یک آن تیری بن میں آیا
دن گیا رات ہوئی رات گئی دن آیا

عزیزو وصل میں بھی ہم جو رو رو کر نہ سوتے تھے
سو اندیشہ تھا روز ہجر کا اس دن کو روتے تھے

دو یارانِ طریقت شاعر

انشاء سید انشاء اللہ خاں انشاؔ دِلّی وطن آخر زمانہ لکھنؤ میں گذرا اور وہیں بحالت دیوانگی سنہ ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا۔ بسنت سنگھ نشاطؔ نے تاریخ کہی ؎

سالِ تاریخ اُو زجانِ اجل
عرفیِ وقت بود انشاؔ گفت

عُرفیِ وقت کیا اردو کے خسرو تھے کئی زبانیں جانتے تھے کلیات گوناگون ہے اور کئی تصانیف بھی ہیں ریختی کے مُوجد تو رنگین ہیں مگر یہ بھی ان کے شریک غالب ہیں شیفتہ وغیرہ اکثر لوگوں نے ان کی شاعری پر حرف رکھا ہے مگر آج کل جو لوگ وسعت زبان کے خاطر شعر و شاعری میں قیود کے حامی نہیں ہیں۔ وہ اِن کے حق میں ہیں اِن کی دریائی لطافت اردو کی پہلی تو انجمن ترقی اردو نے شایع کی ہے کیٹھل وغیرہ اکثر ان کی نظمیں بھی نِصاب میں داخل کی گئی ہیں۔ کچھ انتخاب کلام پیشکش ہے۔

لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

نزاکت اس گلِ رعنا کی دیکھئے انشاؔ
نسیم صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

برق چشمک زن ہے اور ابر ہے چھایا ہوا
جام مے دے تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

دھنکوں اپنی ہی نہ اڑیں سوچ چھپائے دل ہی کی آڑ میں
نہ وہ بستی میں نہ اجاڑ میں نہ وہ جھاڑ میں نہ پہاڑ میں

بغیر اس کے کرم کے نہیں بن آتی بات
ہزار گرچہ پڑھا کیجئے دعائے قنوت

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھنے ایک چونچ
بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

کیا ہنسی آتی ہے مجھکو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر

کبھی عمر بھر پھر نہ تلوے جلیں گے
قدم آپ رکھئے میری چشم تر پر

ٹک شیخ سے یہ رو کے تبسم کو تو دیکھو
معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہنستا ہے تو اگرم

کل وہ بولے مجھ سے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑا تو ہے مقطع میرا تیر اسل نہیں

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہو کسے انشاؔ
غنیمت ہے کہ ہم صحبت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

نوٹ۔ جس عالم میں یہ غزل پڑھی ہے وہ آبحیات میں دیدی ہے ہر چند مؤلف گل رعنا نے اس کی تردید بھی کی ہے۔ مگر وہ بھی قطعی نہیں ہے۔

جی چاہتا ہے شیخ کی پگڑی اُتاریئے
اور تان کر چٹاخ سے ایک دھول ماریئے

گر یار مئے پلائے تو کیونکر نہ پیجئے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

رنگین سعادت یار خاں رنگین دِلّی وطن متوفی ۱۲۵۱ھ شاہ حاتم کے شاگرد ہیں مگر رنگ کلام بھی جُدا ہے۔ اور زمانہ بھی اس لئے اِن کو اُن کے سلسلہ سے جُدا رکھا۔ ریختی کے بھی یہی موجد کہے جاتے ہیں۔ حالانکہ اِن سے پہلے بعض شعرائے دکن کے یہاں بھی ریختی دیکھنے میں آئی ہے۔ مگر یہ کہ انھوں نے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ چار عنصر رنگین۔ ریختہ ۔ بیختہ دو عاشقانہ دیوان ہیں۔ تیسرا انگیختہ سارا کا سارا ریختی ہے۔ اور چوتھا آمیختہ ہزلیات ہے۔ افسوس کہ ان گلدستون کا بھی انتخاب نہیں صرف چند شعر ہدیہ ہیں۔ اور باوجود رنگ اور ہے پھر بھی دو آخر کے شعر رنگ حاتم کے بھی یادگار ہیں۔

قسم ہے ایک عالم کو رُلا دیتا ہے اے رنگین
وہ اس کی جھڑکیاں کھا کر ترا مجبور ہو جانا

نہ چھیڑ و ہمیں دل دُکھائے ہوئے ہیں۔ جُدائی کے صدمہ اُٹھائے ہوئے ہیں

کل شام کو رنگین سے کہیں آنکھ لڑی تھی سر کے نہ وہ رخنۂ دیوار سے ابتک

وہ نہ آئے تو تو ہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

تشنہ کاموں کو بھی کرنا ایک دو قطروں سے یاد جبکہ تو لبریز ساقی ساغر صہبا کرے

اُس کی جو بزم سے آتا ہے یہ کہتا ہوں میں کیوں جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں ہتا ہے؟

لکھنؤ کی شاعری کا آغاز اور شعرائے لکھنؤ کے

دور دوسرے

سلسلۂ حسن

حسن میر غلام حسن۔ حسن خلف میر ضاحک۔ دِلّی وطن فیض آباد و لکھنو سکونت گہ لکھنؤ میں ہی سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ ناسخ نے تاریخ کہی ؎

شاعرِ شیریں بیاں تاریخ یافت

دو مثنویاں اور ایک دیوان یادگار ہے۔ ان میں مثنوی سحر البیان مشہور روزگار ہے میر ضیا، خواجہ دردؔ اور سوداؔ سے اصلاح لی۔ مگر اب یہ خود اُستاد اور صاحب سلسلہ ہیں کہ میر ضاحک کا تو نام ہی نام ہے۔ کلام کا کہیں وجود نہیں۔ ایک یہ شعر آبحیات میں ہے ؎

کیا دیجیے اصلاح خدائی کو وگرنہ کافی تھا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

مگر ان کا سلسلہ دورِ حاضرہ تک قائم دائم ہے اور یادرفتہ کی عمدہ یادگار ہے کہ زبان منجھتی گئی ہے مگر رنگ بہت کم بدلا ہے۔ دیوان ہر چند نظر افروز نہیں ہوا مگر کلام کہیں نہ کہیں سے کچھ انتخاب میں آہی گیا۔

میں اپنے یونہی بہلا ہوں للہ کیجیو تکلیف خیال کیجیو مت میری دلنوازی کا

وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا
کھڑا اُس پہ میں جان وارا کیا

کیا جانے اس کے جی پر کیا کچھ خیال گذرا
کچھ آپ ہی آپ اپنے دل پر ملال گذرا

ایسی ہی آہ باتیں اُس بیوفا نے چھیڑیں
روتے ہی روتے جس میں روزِ وصال گذرا

اُس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے اپنا
جیسے کوئی بھولا ہوا پھرتا ہے کچھ اپنا

کل عہد کچھ کیا تھا دیا قول آج کچھ
پھر کہیو تو کہ تیری بدلتی نہیں بال

سماں تھا کل عجب ہونے سے تیرے شوخ محفل میں
کہ سو سو آرزوئیں مضطرب تھیں تیرے دل میں

وصل ہوتا ہے جن کو دنیا میں
یارو ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں؟

نسخۂ دل کو سرسری مت دیکھ
سینکڑوں علم اس کتاب میں ہیں

جو کوئی آوے ہے نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

کس سے ہم بات کریں اور ہنسیں ہم کس سے
مر گیا دل ہی اپنا وہ خوشی تھی جس سے

دنیا ہے سنبھل کے دل لگانا
یاں لوگ عجب عجب ملیں گے

یہ کس کو خبر ہے اب کے بچھڑے
کیا جانئے اُس سے کب ملینگے

کیا ہنسیے اب کوئی اور کیا رو سکئے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

رات غیروں کا بیان آہ و زاری کر گئے
آپ اچھی آ کے میری غمگساری کر گئے

کوئی نہیں کہ یار کی لادے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

اِتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کون ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے

جب قفس میں تھے تو تھی یاد چمن کی ہم کو
اب چمن میں ہیں تو پھر یادِ قفس آتی ہے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے
یونہی گذر گئے افسوس دن جوانی کے

حسن دیتا ہے کیوں تو جی بتوں پر
ملا دینگے تجھے یہ کیا خدا سے

نغمۂ عشق سے ہیں سبحہ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے

دل کے بیٹھا نہ خوشی سے تو کبھی ایک بھی رات
آئے دن تیری یہ مجھ سے لڑائی نہ گئی

خلیق میر مستحسن خلیق۔ خلف میر حسن۔ چندے فیض آباد قیام رہا پھر ہمیشہ کے لئے لکھنو وطن ہو گیا۔ اور آل حسن دہلوی سے لکھنوی ہو گئے۔ ہر چند مصحفی سے بھی صلاح لی ہے مگر فیض سب حسن ہی کا ہے دیوان بھی تھا مگر مرثیوں کے ہوتے اس کی احتیاج نہ رہی ان کے دو تین شعر مشہور چلے آتے ہیں۔ وہی نذر ہیں۔ باقی مراثی کا یہ بحث نہیں۔ تاہم اس قدر یاد رکھئے کہ لکھنو کی شاعری کے یہ بھی ایک پیش رو ہیں۔

مجرائی طبع کند ہے لطفِ بیان گیا — دندان گئے کہ جوہر تیغ زباں گیا
گذری بہار عمر خلیق اب کہیں گے سب — باغ جہاں سے بلبلِ ہندوستاں گیا
رشک آئینہ ہے اس رشک قمر کا پہلو — صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

انیس میر ببر علی انیس متوفی ۱۸۹۲ء سر آمد روزگار خاندانی مرثیہ گو کہ خود فرماتے ہیں۔

عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں — پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

دیوان و غزل سے ان کو کیا سروکار مرثیوں کی جلدیں کی جلدیں ہیں ان میں سلام بھی ہیں۔ یہ اشعار انہیں سلاموں سے انتخاب ہیں جو آپ اپنا جواب ہیں۔

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا — جو آتش پہ ٹھیرے وہ پارا نہیں
کسی نے تیری طرح سے اے انیس — عروسِ سخن کو سنوارا نہیں
حشر میں ہوگا حسابِ زندگی — بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر — مگر ہم نے پلّہ گراں کر دیا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیس — عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا
دم تحریر گلریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر — صریر کلک ہے یا باغ میں بلبل چہکتا ہے
فقیروں کی کیا موت کیا زندگی — جگہ جس جگہ مل گئی مر رہے
نہ پھیلاؤ ہاتھ ہرگز انیس — فقیری میں بھی دل تونگر رہے

کریم جو تجھے دنیا ہے بے طلب دیدے — فقیر ہوں یہ نہیں عادتِ سوال مجھے
کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچاکے چلے
دل زندگی سے تنگ ہے جینے سے سیر ہے — پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

گہر مسلسل

سدا ہے فکرِ ترقی بلند بینوں کو — ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو
یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ضعف پیری نے — چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
بھلا تردد بے جا سے اس میں کیا حاصل — اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو
مزا یہ طرفہ ہے مضمون دستیاب نہیں — مقابلہ پہ چڑھائے ہیں آستینوں کو
غلط یہ لفظ یہ بندش بری یہ مضموں سست — ہنر عجیب ملا ہے یہ نکتہ چینوں کو
خیال خاطرِ احباب چاہئے ہر دم — انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

تعشق — سید مرزا تعشق خلف مرزا انس بیشتر مرثیہ گو اور کمتر غزل گو ہیں اور مشہور ہیں کچھ غزلیات جو نظر سے گذریں یہ ان کا حاصل ہے۔

دل پُر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے — پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا
خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی — ہم ایک قطرۂ خوں تھے زبانِ خنجر پر
نجد سے جانبِ لیلیٰ جو ہوا آتی ہے — دلِ مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
بُجھ رہے داغِ دل تربت میں جانے کیلئے — روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
قفس تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ مرتے کیونکر — ناز پروردۂ آغوشِ گلستاں ہم تھے۔

رشید — سید محمد مصطفیٰ مرزا نام پیارے صاحب عرف رشید تخلص میر انیس کے نواسہ ابھی حال ہی میں گذرے ہیں۔ کسی نے ان کی سوانح بھی لکھی ہے

ابتدا میں غزلیں بھی کہیں مگر جلد ہی خاندانی روش پر آ گئے کئی سال سال بہ سال نواب مہرام الدولہ مرحوم کے یہاں پڑھنے کے لئے حیدر آباد بھی آتے رہے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے اور پڑھتے سنا ہے یادگار رفتہ کے ساتھ کمال کی بھی زندہ تصویر تھے۔ عمر کے آخر مراحل طے کر رہے تھے جو طے ہو گئے۔ کچھ شعر اِدھر اُدھر سے چنے چنائے نذر ہیں۔ مضمون پیری کی رباعیاں خوب خوب کہی ہیں۔

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے
مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

آج معلوم ہوئے دل کے خیالات مجھے
تم سے حال اپنا کہا کرنے نہ دی بات مجھے

یاد ایام کہ تھا دل کے تڑپنے میں مزا
لطف دیتے تھے ستم آپ کے دن رات مجھے

زلیخا حال کی اپنے خبر دیتی تھی یوسف کو
کہ جب کی آہ گھر میں برق چمکی آ کے زنداں پر

یہ منزلت بھی غنیمت ہے اہل دنیا کی
ملا کے خاک میں ذکر کمال ہوتا ہے

دل جگر لینے پھر آئے صبح کو کہتے ہوئے
رہ گئے بستر پہ موتی دو ہمارے رات کو

مجنوں نے راہ عشق میں چومے سر قدم
الفت میں اپنی بات تو پیدا کرے کوئی

شاعروں کے لئے توہین کا باعث ہو رشید
تم نہ بیٹھا کرو مجمع میں سخندانوں کے

دل پر کیا گذری خدا جانے جگر پر کیا بنی
چند بار آئی لبوں پر روح گھبرائی ہوئی

عارف علی محمد عارفؔ میر نفیسؔ کے بھانجے حیدر آباد میں بھی جب تک حیات ہی پڑھنے آتے رہے میں نے بھی سنا ہے۔ خوب پڑھتے تھے۔ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اصل میں تو مرثیہ گو تھے۔ مگر شاید کبھی کچھ غزلیں بھی کہی ہیں۔ جبھی تو بیاض میں دو شعر محفوظ ہیں

وصال ہم کا ساماں بہم ہے اے دل
گلوں کا فرش ہو کانٹوں سمیت بستر پر

وہ جلد آئیں گے یا دیر میں خدا جانے
میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پر

سلسلہ مصحفی اور اس کے جدا جدا سلسلے

مصحفی خدا مصحفی کی روح کو چمن رکھے کہ شاعری کو چمن کر گئے۔ اور لکھنؤ کو اور لکھنؤ والوں کو بلبل ہزار داستان بنا گئے۔ سلسلہ حسن پر ان کا حق ہے۔ باقی اور کئی سلسلے بھی ہیں جو کم و بیش دورِ حاضر تک قائم ہیں اور ترتیب وار الگ الگ مذکور ہیں۔

غلام ہمدانی نام مصحفی تخلص امروہا ضلع مرادآباد وطن دلی و لکھنؤ قیام ۱۲۴۰ھ میں لکھنؤ ہی مدفن ہوا۔ تذکرۂ شعرا فارسی اور آٹھ دیوان اردو کے یادگار ہیں۔ جو شاعری کے تمام اصناف سخن سے مملو ہیں۔ اور انتخاب میر کی طرح انتخاب کے سزاوار ہیں خدا کسی کو توفیق دے نظر سے کئی دیوان گذرے مگر انتخاب بھی محفوظ نہیں چند شعر ہدیہ ہیں۔ ان کا رنگ کلام گوناگون ہے اس لئے ان کے کسی میں کچھ رنگ بدلا بھی ہے تو کسی سلسلہ میں اب بھی نمایاں ہے البتہ زبان صاف ہوتی گئی ہے۔

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

یاں لعل فسوں ساز نے باتوں میں لگایا
دے پیچ اُدھر زلف اڑا لے گئی دل کو

ہرگز نہ مرادِ دل معشوق بر آئے
یارب نہ شب وصل کے پیچھے سحر آئے

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہے گویا چراغ مفلس کا

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

حسرت پہ اس مسافر بیکس کے روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

میں وہ نہیں جو ں کہ اس بت سے دل اپنا پھر جائے
پھروں جو اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

خونیں کفن شہید الفت دولہا سا بنا ہوا کھڑا ہے

سلسلہ مصحفی (۱) دور آتشی

آتش خواجہ حیدر علی آتش ناسخ کے مدمقابل کہ خود ناسخ مدعی ہیں ؎

ایک جاہل کہہ رہا ہے میرے دیواں کا جواب
بو مسلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب

یہ جواب دیتے ہیں۔

کیوں نہ دے ہر مومن اُس ملحد کے دیواں کا جواب
جس نے دیوان اپنا ٹھیرایا ہے قرآں کا جواب

سنہ ۱۲۶۳ھ میں رحلت کی رشک نے تاریخ کہی ؎

خواجہ حیدر علی اے وا مُردند

دو دیوان ہیں اور یہ غالباً ایک دیوان کا مختصر سا انتخاب ہے۔

باراں کی طرح لطف کرم عام کئے جا
آیا ہے جو دنیا میں تو کچھ نام کئے جا

کئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

شاہ راہ ہستی موہوم میں وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھا دیں دوست دشمن زیر پا

جب سے شیطان کا احوال سنا ہے میں نے
پائے پر بت پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

چھڑا کر اپنے دامن تو اے قاتل نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبہ ہے کیچڑ کا

زوال حسن ہے عاشق کنارہ کرتی جاتی ہیں
بہار باغ ہوتی ہے خزاں موسم ہے پت جھڑ کا

سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا

نہ بوریا بھی میسر ہوا بچھانے کو
ہمیشہ خواب ہی دیکھا کئے چھپر کھٹ کا

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ کر چلے گئے — میں جا ہی ڈھونڈھتا تیری محفل میں رہ گیا

چال ہے مجھ نیم جاں کی مرغ بسمل کی تڑپ — ہر قدم پر ہے گماں یاں رہ گیا واں رہ گیا

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس — یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا الٹا

دوستوں سے ہم نے وہ صدمے اٹھائے جان پر — دل سے دشمن کی عداوت کا گلا جاتا رہا

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے — یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

مرے صنم کا کسی کو مکاں نہیں معلوم — خدا کا نام سنا ہے نشاں نہیں معلوم

نہ تجھے دماغ نگاہ ہے نہ کسی کو تاب جمال ہے — انہیں کس طرح سے دکھاؤں میں جو کہتے ہیں کہ خدا نہیں

کیفیت اسے ملتی ہے جو جس کے مقدر میں — مے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں

دیکھ لوں پھاڑ کے آئینہ میں لے دست جنوں — رہنے دو زیب جو دے چاک گریباں مجھکو

جو روئے حال پہ اپنے وہ کیا کسی کو ہنسے — وہ دل دکھائے کسی کا جو درد مند نہ ہو

زباں وہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے — وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو

نکلتی منہ سے قاصد کے نہیں بات — مگر لایا ہے پیغام زبانی

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے — ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں — روئیے کس کے لئے کس کس کا ماتم کیجئے

تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گل کر دیا — صبح کو کوتے اٹھا کر شمع تربت لے گئے

ناگوارا قش ہے اپنی ہمت مردانہ کو — باندھتا مضمون غیر آتی ہوئی پاپوش ہے

سر شمع ساں کٹائیے پر دم نہ ماریئے — منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریئے

پاپوش ہم نے ماری ہے دستار و تاج پر — سودائے زلف یار میں رہتے ہیں سر کھلے

پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے — ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی | قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے
گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے | موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے
نامرد اور مرد میں اتنا ہی فرق ہے | وہ نان کے لئے مرے یہ نام کے لئے
زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا | بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

صبا وزیر علی صبا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ۱۲۷۵ھ میں گھوڑے سے گرے اور قضا کر گئے کسی نے تاریخ کہی۔

صبا در گلشن فردوس جا کرد

مگر کسی سے یہ بھی سنا کہ کسی مشاعرہ سے واپس ہوتے ہوئے یہ ماجرا گذرا اور غزل مشاعرہ کا شعر حسب حال ہوا۔

طرارہ بھرتے ہی پہونچا عدم میں | سمند عمر کیا چالاک نکلا

استاد کی ان پر خاص نظر تھی تو یہ بھی ادب شناس استاد تھے۔ دیکھئے کس ادب سے عرض پیرا ہیں۔

اے صبا چل کے کرو خدمت آتش میں عرض | معرکہ آپ کا یہ طفل دبستاں جیتا

ایک غزلوں کا دیوان ہے۔ اور صاف بول چال ہے۔ استاد جلیل بالقابہم اپنے رسالہ تذکیر و تانیث میں رقمطراز ہیں کہ کلام میں ننگر بھی ہے انتخاب ملاحظہ ہو۔

لکھنے کی کیا خبر تھی یہ کون جانتا تھا | لیلیٰ کے ساتھ پڑھ کر مجنوں خراب ہوگا
مرے ہم آرزو ان کی بر آئی | ہمارا حوصلہ کیا خاک نکلا
دھیان تھا ہم کو وہ بھیجنگے سفر سے تحفے | چار انگل کا بھی پرزہ کبھی لکھا نہ گیا
نادان ہیں جو کہتے ہیں امید کسی کی | جز ذات خدا کوئی کسی کا نہیں ہوتا
پڑے ہیں عشق کے کھٹراگ میں ہم ایسے | کسے خیال ہے دھر پت ترانہ تروٹ کا
ساتھ چھوڑیں گے نہ سایہ کی طرح | ہم بھی آئیں گے جدھر جائے گا

آدم سے باغ خلد چھٹا ہم سے کوئے یار
وہ ابتدائے رنج تھی یہ انتہائے رنج

اے صبا اللہ اکبر کاٹ تیغ یار کا
غیر کو غش آگیا لاشہ ہمارا دیکھکر

ہم وہ عاشق ہیں کہ طفلی میں نہ نیند آتی تھی
دایہ جب تک نہ بیاں کرتی تھی افسانۂ عشق

نہیں ہیں ایکطرح سب طرف سے روشن دل
اندھیرا رہتا ہے پائے چراغ کے نزدیک

ہر بگولے سے آنا لیلی کی آتی ہے صدا
لائی ہے قسمت مجھے کس دشت وحشتناک میں

اس قدر گھبرا کے اے قاتل نہ مجھکو ذبح کر
خون کے دھبے نہ لگ جائیں کہیں پوشاک میں

پہلو میں نگار اور ہاتھ میں حسام
اس وقت تو پادشاہ کہیا ہیں

قیامت ہے کسی کو پیار کرنا اس زمانے میں
قضا کا سامنا رکھا ہوا ہے دل لگانے میں

نہ یوسف ہے نہ لیلی ہے نہ عذرا ہے نہ شیریں ہے
نہیں تقدیر ہم پیدا ہوئے ہیں کس زمانے میں

شباب کا سی کہاں تک جھانک پیری میں
یہ آنکھیں ہیں وہی لیکن وہ دیکھا بھال نہیں

مارڈالا اشتیاق یار نے
اس قدر بھی آرزو اچھی نہیں

ڈھونڈھ اس کو لیکن اے دل راہ سے
بے طریقے جستجو اچھی نہیں

تقدیر شکل ہجر کی تکتی ہے وصل میں
رہ رہ کے بائیں آنکھ پھڑکتی ہے وصل میں

آئینہ دیکھکر نہ بہت کیجئے غرور
اس حسن عارضی کا نہیں اعتبار کچھ

ہم دیں دعائیں تجھکو تو دے گالیاں ہمیں
اپنی زبان دیکھ ہماری زبان دیکھ

آگاہ میری حالت سے دل سے نہیں ہیں آپ
کچھ رنج دشمنوں کو ہوا ہو تو جانئے

بے جا ہے ناز دولت حسن شباب پر
صاحب اگر کسی کا بھلا ہو تو جانئے

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھیں
ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

ہائے اب کیا کہہ کے سمجھائیں دل بیتاب کو
اُن سے ہم کہتے رہے کہہ جاؤ کچھ جاتے ہوئے

ہے سخت بار منت ابنائے روزگار
احسان اے صبا نہ کسی کا اٹھائے سے

میری بغل میں رہ کے مجھی کو کیا ذلیل
نفرت سی ہوگئی دل خانہ خراب سے

نشاں سدا نہیں رہتا ہے نام رہتا ہے
وہ کام کر کہ زمانہ میں واہ واہ رہے

کہیں کہیں گل صورت ہزار باقی ہے
ہنوز باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے

کیا کیا ان آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اے صبا
کیا کیا دکھاتی ہے ابھی تقدیر دیکھئے

ہم کیا ہیں اے صبا جو نہ ہوں ہم پہ افترا
محفوظ انبیا نہ رہے اتہام سے

بہر دعائے وصل نمازیں پڑھا کئے
اللہ سے مجھکے بت مغرور کے لئے

مے خانۂ عالم میں غنیمت ہے مرا دم
اتنا بھی کوئی رند مئے آشام نہیں ہے

منہ تو تہانے سے ترے دم مرا گھبراتا ہے
چپ نہ ہو جا مرے باتوں کے بنانے والے

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانے غریب اگلے زمانے والے

رند نواب سید محمد خاں رند متوفی ۱۸۵۷ء استاد کی کچھ مالی خدمت بھی کرتے تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آتشی سے ناسخی بھی ہوتے ہوتے رہ گئے۔ دو دیوان ہیں اور یہ انتخاب ہے گل و بلبل کے مضمون خوب ہیں۔

تو گرفتاری میں چند سے یاد گلشن کی ہی
اب قفس سے چھٹ کے گھر یاد آئیگا صیاد کا

عمر بھر نہ زباں سے کبھی اقرار کیا
جب کسی بات کا ناچیز نے انکار کیا

پھینک دو لگا میں اسے چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا

دونوں زلفیں یار کی ملتی ہیں ناؤں سے مرے
وجد کرتا ہے صدائے نَے پہ جوڑا سانپ کا

قفس کو شام سے لٹکا کے فرش خواب کے پاس
سنا کیا مری تا صبح داستاں صیاد

پھر وہی کنج قفس ہے وہی صیاد کا گھر
چار دن اور ہوا باغ کی کھالے بلبل

لطف گلگشت چمن کنج قفس میں بھولے
اب تو نقشہ بھی گلستاں کا مجھے یاد نہیں

ثابت ہوا نہ ہونے سے چہرے پہ خال کے
تل دھرنے کی ہجوم لطافت سے جا نہ تھی

کس درجہ تنگ ہوں ترے ہاتھوں سے اے جنوں
لاؤں کہاں سے روز گریباں نئے نئے

کیا ملا عرض مدعا کر کے
بات بھی کھوئی التجا کر کے

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے | اور چرکا دیا جلّاد نے جاتے جاتے
لگ جائیگا کہیں کسی عاشق کا کوسنا | مرجاؤگے جوان اگر بد دعا لگی
خداوند ارض و سما ایک ہے | قسم ہے خدا کی خدا ایک ہے
تا آں سخن ذکر ہے یار کا | کہوں سو طرح مدعا ایک ہے
کسی کا کوئی مرجائے ہمارے گھر میں ماتم ہے | غرض بارہ مہینے تیس دن ہم کو محرم ہے
بیکسی مرے لئے پیدا ہوئی | میں بنا ہوں بیکسی کے واسطے

خلیل میر دوست علی خلیل متوفی ۱۸۶۰ء قصبۂ بدولی ضلع مظفر نگر وطن گلزار خلیل مختصر سا دیوان ہے۔ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اِن کا ایک افیونی نامہ بھی واجد علیشاہ کا فرمایشی نظر سے گذرا لاابالی مزاج تھے۔ بیشتر کلام اسی وجہ سے ضایع ہوگیا۔ دو شعر انتخاب ہیں۔

یہ بھی معلوم وصل میں نہوا | کب ہوئی صبح رات کب گذری
جیتے جی ہو جیے واجد شاہد | کچھ قیامت میں نہ کام آئیگا

عیش فدا علی عیش شاگردِ خلیل۔ طلسم حیرت۔ فغان درویش۔ مثنوی مہر درخشاں و گنج شہیدان ان کی یادگار ہیں۔ کلام کچھ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایک شعر صرف بیاض میں ہے۔

گلوں کے گال چومے اس قدر فرطِ محبت سے | کہ سرخی آگئی ہلکی سی منقارِ عنادِل پر

نسیم پنڈت دیاشنکر نسیم متوفی ۱۸۶۰ء ان کی مثنوی گلزارِ نسیم مشہور ہے مختصر سا دیوان بھی ہے۔ اور دیکھا ہے مگر انتخاب محفوظ نہیں ایک شعر انتخاب ہے۔

لائے اس بت کو التجا کرکے
کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے

کیف شیخ احمد کیف لکھنوی آتش کے بعد صبا سے بھی اصلاح لی ہے۔ ۱۲۹۲ھ میں انتقال کیا۔ اور خواجہ عزیز الدین کا مصرعہ تاریخ ہے۔

فصل احمد بود دہر کیف

انتخاب کلام کہیں دیکھنے میں آیا ہے۔ اپنے کلام و زبان کی نسبت رطب اللسان ہیں۔

محاورہ کا مزا ہو جنہیں بہت اے کیف | مرا کلام سنیں وہ مری زباں دیکھیں

باقی دو چار شعر اور انتخاب ہیں۔

جو چاہے وہ مسجد میں پڑھے آکے نمازیں | کچھ قید نہیں عام ہے دربار خدا کا
کوئی دیکھے ان بتوں کے گیسوئے عنبر فشاں | غازیوں کے دوش پر جیسے نشان مصطفےٰ
شاعر ہیں ہم ہمیں نہیں درکار فاتحہ | پڑھ دینا چند شعر ہمارے مزار پر
اپنی غرض ہے گردش لیل و نہار سے | راتیں ہوں وصل یار کی دن ہوں شباب کے
کیا کمی ہے خدا پرستوں کی | اچھی بندہ نواز ہیں ہم لوگ
جمگھٹا ہے لب جو باغ میں میخواروں کا | آج فردوس میں میلہ ہے گنہ گاروں کا
یارب سبیل رکھ کر پیر مغاں پکارے | للہ پیتے جاؤ پیا سو تو اب ہو گا

اکرام اکرام حسین اکرام آتش کے علاوہ مرزا عباس بیگ نادر سے بھی اصلاح لی ہے۔ اطراف لکھنو کے رہنے والے تھے دیوان و کلام تو نظر سے نہیں گذرا دو شعر ان کے زبانوں پر ہیں۔

پینا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے | قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے

یہ میں نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا
کہ میں قاتل کے پر ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

سلسلۂ مصحفی نمبر (۲)

شہیدی کرامت علی شہیدی بریلی وطن لکھنؤ نشو نما۔ کچھ دن سرکاری ملازمت کی پھر چھوڑ دی۔ ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں بعد حج مدینہ منورہ میں روضۂ مبارک کے سامنے روح نے مفارقت کی۔ اور زہے نصیب کہ یوں تمنا پوری ہوئی ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیدکا

دیوان نظر سے گذرا ہے مگر انتخاب محفوظ نہیں چند شعر نذر ہیں۔

مشام بلبل میں رشک گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے
ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے

شہیدی اتنی گمان ہستی نشہ میں سب بھول بیٹھے ہستی
ہوئی ہے اس مئی سے تم کو مستی جو تاگلو بھی نہیں گئی ہے

عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

دل کے جانے کا شہیدی واقعہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ اگر ہم عمر بھر رویا کئے

ہر وضع کے انسان سے ملاقات ہے اُن کو
سب خلق مدارات کے قابل ہیں مگر ہم؟

سلسلۂ مصحفی نمبر (۳)

وحید غلام حسین وحید وطن کڑا مانک پور ضلع الٰہ آباد۔ اپنے وقت کے اُستاد تھے اکبر نے بھی ان سے اصلاح لی ہے۔ اور اس جوار کے اکثر شعراء ان سے مستفید ہوئے ہیں۔ گھر میں آگ لگی۔ اور یہ اپنے دیوان کی خاطر آگ میں گھس گئے۔ اور وہیں رہ گئے بعد میں لوگوں نے دیکھا کہ کرسی پر بیٹھے ہیں دیوان ہاتھ میں ہے اور دم نکل چکا ہے۔ یہ گلِ رعنائی روایت ہے۔ جو اگر صحیح ہے تو امکان ہے کہ دیوان بچ گیا ہو۔ دیوان جب

ہاتھ میں رہا۔ اور یہ کرسی پر بیٹھے رہے تو یقیناً دھوئیں سے گھٹ کے دم نکل گیا۔ اور یہ نہ جلے اور نہ دیوان۔

نوٹ۔ بعد کو تحقیقات سے بھی یہ قیاس صحیح نکلا کہ ایک کیا دو دیوان تھے۔ اور دونوں جلنے سے محفوظ رہے۔ جو آپ کے داماد کے بعد اب آپ کے نواسہ کے پاس ہیں۔ مخدومی سید ذکر اللہ صاحب حسرتؔ نے کرٹرے مانکپور سے ان کے کچھ حالات کے ساتھ دو تین غزلیں بھی بھیجی ہیں۔ حالات تقریباً وہی ہیں۔ جو ذکر ہیں آچکے ہیں۔ باقی غزلیات مذکورہ سے چند شعر اور اضافۂ انتخاب بیاض ہوئے۔

قبر میں کیا کیا فرشتوں کا تھا ارمانِ سوال
کچھ نہ پوچھا مجھ سے تیرا نام بتلانے کے بعد

لائیگی کس طرح سے بھلا بوئے پیرہن
اُس کی گلی میں جا کے صبا اور ہو گئی

سب طرح کی دے مصیبت کردگار
الفت اک انسان کو انسان کی نہ دے

آپ تو اوروں سے بھی کر لیتے ہیں مطلب کی بات
ہم کہا چاہیں تو اپنا مدعا کس سے کہیں

یہ قسمت نے اس سے بھی محروم رکھا
جو میں آپ کو اک نظر دیکھتا تھا

وحیدؔ اُن کے دل میں بھی جب تک محبت
میں اپنے بھی دل میں اثر دیکھتا تھا

کچھ کہہ کے اس نے پھر مجھے دیوانہ کر دیا
اتنی سی بات تھی اسے افسانہ کر دیا

کل شب کو بے نقاب جو محفل میں آگئے
اللہ رے نور شمع کو پروانہ کر دیا

کیا کام تھا بتوں کے تصور سے اے وحیدؔ
دل تھا خدا کا گھر اسے بت خانہ کر دیا

حضورِ بت نہ نکلی بات منہ سے
زباں کہنے کو تھی گویا دہن میں

دیکھتا ہوں اشک میں سرخی وحیدؔ
عشق میں کیا خون ہو جاتا ہے دل

معطر ہے اسی کوچہ کی صورت اپنا صحرا بھی
کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

افسر سید عزیز الدین حیدر الہ آبادی۔ وحید کے نامور تلامذہ میں ہیں۔ اور کلام کی خاص طرز و ادا ہے افسوس کہ کلام مختصر ہی سا کچھ نظر سے گذرا اور دیوان وغیرہ کا کچھ پتہ نہ چلا اور اب شاید حیات نہیں ہیں۔ اور یہ چند شعر ہی حیات ہیں

اُدھر کیا دیکھتا جاتا ہے منہ پھیرے ہوئے ہم سے — اِدھر آنکھیں ملا او بیمروت دیکھنے والے

ہیں آپکی کس بات کو سچ سمجھوں کسے جھوٹ — الفت کو جو پوچھا تو کہا ہے بھی نہیں بھی

جیسے کہ تم آئینے میں ہو اور نہیں ہو — ایسے ہی ہر اک شئے میں خدا ہے بھی نہیں بھی

سلسلہ مصحفی نمبر (۴)

اسیر تدبیر الدولہ مدبر الملک مظفر علی اسیر امیٹھی ضلع لکھنو وطن متوفی ۱۲۹۹ھ واجد علیشاہ کے دامن دولت سے والبستہ ہوئے۔ اور بعد انتزاع سلطنت اودھ دربار رامپور سے متعلق رہے۔ اور وہیں انتقال ہوا۔ نواب یوسف علی خاں ناظم نواب رامپور کو ان سے اور غالب دونوں سے تلمذ تھا۔ چار دیوان کئی مثنویاں اور کئی چھوٹی چھوٹی اور تصانیف ہیں۔ دو ایک دیوان نظر سے گذرے ہیں۔ مگر انتخاب ایک کا بھی محفوظ نہیں چند شعر پیشکش ہیں۔

خداوند افلاک کو کیا یہی دو کام آتے ہیں — گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجراں کا

نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی — آج کیا آپنے جاتی ہوئی دنیا دیکھی

باقی ابھی ہے ترک تمنا کی آرزو — کیونکر کہوں کہ کوئی تمنا نہیں مجھے

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کسکی — ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

شاعران حال کیا مضمون نو پائیں اسیر
ڈھونڈھتے ہیں پر تخلص ہی نیا ملتا نہیں

شوق احمد علی شوق قدوائی وطن جگور ضلع بارہ بنکی گلزار نسیم کی طرز اور بحر میں ترانۂ شوق ایک مثنوی ہے۔ عالمِ خیال وغیرہ دو ایک مثنویاں بطرزِ نو بھی ہیں۔ جنکی کچھ دن رسائل میں خاصی شہرت رہی فیضانِ شوق دیوان چھپ گیا ہے۔ اور اُسی کا تبصرہ نظر سے گذرا۔ اور چند شعر انتخاب ہوئے۔

اِس سے تو بہیں کاش وہ گھری میں بلالیں ۔۔۔ کہلاتے ہیں یوں بھی پس دیوار انہیں کے
آنکھ اُس نے اِس ادا سے کھائی کہ میں نے شوق ۔۔۔ چپکے سے اپنا مئے کا بھرا جام رکھدیا
دامن کو ذرا بچائے رہنا ۔۔۔ دنیا نہیں گرد ہے سفر کی
ان بلاؤں نے کہاں سے مرا گھر دیکھ لیا ۔۔۔ کہ فلک سے کوئی آتی ہے زمیں سے کوئی

سلسلۂ ناسخ

ناسخ شیخ امام بخش نام ناسخ تخلص لاہور میں پیدا ہوئے کچھ دن فیض آباد میں رہے آخر لکھنو وطن ہو گیا۔ کسی وزیر زادہ کی مخالفت کی وجہ دو ایک مرتبہ الہ آباد آکے گئے اور وہاں کسی دائرہ میں قیام رہا اور کہا۔

ہیر پھر کے دائرے ہی میں کھتا ہوں قدم ۔۔۔ آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں

ترببنی کا مضمون بھی وہیں تراشا۔

ایک ترببنی ہے دو آنکھیں مری ۔۔۔ اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

کسی کے متبنیٰ تھے آتش کا شعر ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہیں ۔۔۔ ہمارے گنجفہ میں بازیٔ غلام نہیں

تھا تو کسی اور پر مگر متبنیٰ ہونے کی وجہ ان پر ہی چھا گیا۔ اور ان کے کسی شاگرد نے خوب دفع دخل کیا ؎

جو خاص بندے ہیں وہ بندۂ عوام نہیں   ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں
سیاہ فام تھے کہ خود کہتے ہیں ؎
میں گو کہ حسن سے ظاہر میں مثلِ ماہ نہیں   ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہیں

فقیر محمد گویا ان کے شاگرد نے اسی کو ایک اور رنگ میں چمکایا۔
ہے یقیں گل ہو جو دیکھے گیسوئے دلبر چراغ   آگے کالے کے بھلا روشن رہے کیونکر چراغ

مگر آتش تو پھر آتش ہی تھے کہ چراغ جلا ہی کے چھوڑا ؎
فروغ حسن سے کب زور زلف چلتا ہے   یہ وہ چراغ ہے کالے کے آگے جلتا ہے

غرض دونوں باکمال لکھنؤ کی شاعری کے چراغ روشن کر گئے یہ ۱۲۵۴ھ میں دنیا سے اٹھے۔ میر علی اوسط رشک ان کے شاگرد نے تاریخ کہی۔
دلا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے

کہ وہ بھی اپنے استاد کی طرح تاریخ گوئی میں فرد تھے۔ لکھنؤ کی شاعری کی ابتدا انہیں سے ہوئی کہ مصحفی اور حسن پھر بھی لکھنؤ کے نہ تھے۔ اور دلی اور لکھنؤ کی شاعری کا امتیاز قائم ہوا۔ زبان اردو کی اصلاح کی اور معنا بھی ناسخ ہوئے۔ دو تین دیوان ہیں دو ایک میں نے دیکھے ہیں۔ مگر انتخاب تو گیا گذرا ہوا صرف چند شعر رہ گئے۔

بات جن نازک مزاجوں سے نہ اٹھنی تھی کبھی   بوجھ ان سے سینکڑوں من خاک کا کیونکر اٹھا
سینکڑوں آہیں کروں پر دل کیا آواز کا   تیر جو دیوے صدا ہے نقص تیر انداز کا
دور روزاک وضع پہ رنگِ جہاں نہیں   وہ کونسا چمن ہے کہ جس کو خزاں نہیں
منعم کے شکر میں بھی ہلا ئیں کبھی کبھی   تنہا برائے لذت دنیا زباں نہیں
سیہ بختی میں کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہے   کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے
جنوں پسند ہے مجھکو ہوا ببولوں کی   عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
پھر بہار آئی چمن میں زخم دل آلے ہوئے   پھر مرے داغ جگر آتش کے پرکالے ہوئے

عمر بھر وحشت میں گر صحرا نوردی کی تو کیا　　سیر کے قابل جو تھا دل کا بیاباں رہ گیا

تمام عمر یونہی ہو گئی بسر اپنی　　شب فراق کٹی روز انتظار آیا

وزیر محمد وزیر وزیر لکھنوی پہلے آتش پھر ناسخ کے شاگرد ہوئے۔ اور نازِ ناسخ ہوئے۔ اون کو بھی یہ بہت عزیز تھے۔ ان کے بیاہ کی تاریخ کہی

شد نوشاہ وزیر من امروز

۱۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔ مہدی علی خاں قبول نے تاریخ کہی۔

وزیر بادشاہ شاعراں نامی بود

ان کے بعد انتقال ۱۲۷۱ھ میں مطبع مصطفائی نے ان کا دیوان چھاپا جو نظر سے گذرا۔ مگر انتخاب محفوظ نہیں چند شعر نذر ہیں۔

جب خفا ہوتا ہے تو یوں دل کو سمجھاتا ہوں میں　　آج ہے نامہرباں کل مہرباں ہو جائیگا

کہئے یارانِ عدم کیا گذری　　کچھ لب گور سے فرمائیے گا

سر مرا کاٹ کے پچتائیے گا　　جھوٹی پھر کس کی قسم کھائیے گا

اس بت کافر کو بیتابی میں کیا کیا کچھ کہا　　دین و ایماں راحتِ دل جانِ جاں آرامِ روح

کوئی بھی دیر و حرم میں نہ داد کو پہونچا　　دعائیں مانگیں بہت کی یہاں وہاں فریاد

اسی خاطر تو قتلِ عاشقاں سے منع کرتے تھے　　اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

زمیں پہ دوڑ کے اتنا بھی آدمی نہ چلے　　یہ شوخیاں نہیں زیبا ہیں دوشِ مادر پر

گو مرا اشک سے لبریز ہے سارا دامن　　آج کل دامن دولت ہے ہمارا دامن

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو　　کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

کہتے ہو مجھے خواب میں معراج ہوئی ہے　　جبریل کا تکیہ میں کوئی پر تو نہیں ہے

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے　　فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے

برق فتح الدولہ بخشی الملک محمد رضا برقؔ واجد علیشاہ کے تمام عمر رفیق رہے۔ اور ۱۲۷۳ھ میں کلکتہ ہی میں جان دی اور اپنا کہا پورا کر گئے۔

برقؔ جو کہتے تھے آخر وہی کر کر اُٹھے
جان دی آپ کے دروازہ پر مر کر اُٹھے

دیوان چھپ گیا ہے مگر دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو شعر داخل بیاض ہیں۔

اتنا تو جذب عشق نے بارے اثر کیا
اُس کو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

بحر امداد علی بحرؔ لکھنوی متوفی سنہ ۱۳۰۱ھ آخر میں دربار رامپور سے یہ بھی متعلق ہو گئے تھے۔ ریاض البحر نام دیوان ہے۔ اور نظر سے گذرا ہے۔ چند شعر انتخاب ہیں۔

ایفائے وعدہ آپ سے اے یار ہو چکا
اس کا تو امتحان کئی بار ہو چکا

نتیجہ کیا بتائیں بحرؔ اپنی یادہ گوئی کا
بنا کر جھوٹ سچ باتیں دل اپنا شاد کرتے ہیں

اگر عشق رکھتا ہے تو عقل کھو دے
یہ دونوں رہیں گے تو لڑتے رہیں گے

جو اچھا بُرا پہنا تن پر ہوا وہ گہنا
اچھوں کو بھی کیا کہنا رُو دار نہیں چھپتے

کیا چھین لیگا ہم سے جو پھیر جائیگا فلک
دولت فقیر کی کفنی ہے لنگوٹ ہے

بیچارہ میں غریب بڑے آدمی حضور
کاہے کو آئیگا بھلا میرے گھر کبھی

کٹی برسات پھر اس سال بھی فریاد و شیون میں
خبر ہم کو نہیں بادل کدھر آئے کدھر برسے

کہا کسی نے نہ آنا ہمارے دفن کے وقت
کہ اپنے خاک نہ ڈالو یہ ہیں نہائے ہوئے

سحر امان علی سحرؔ لکھنوی متوفی سنہ ۱۲۸۵ھ استاد صاحب دیوان ہیں۔ اور دیوان بھی دیکھا ہے۔ مگر انتخاب محفوظ نہیں ہے۔

دنیا میں نام مرد بہ از مرد ہے سحرؔ
یوں مٹے گور کا بھی نہ باقی نشاں رہے

مہر حاتم علی مہر ان کے نام مرزا غالب کا ایک مزیدار خط دیدنی ہے انہیں اِن کے استاد ناسخ کو اپنا یار صادق الوعد لکھتے اور اک فنی کہتے ہیں۔ باقی یہ بھی صاحب دیوان ہیں۔ اور دیوان نظر سے گذرا ہے۔ مگر انتخاب کہاں دو شعر ہیں اور بس۔

یہ شانِ بے نیازی ہے کہ وارفتہ کیا مجھکو	طبیعت بے غرض پائی دلِ بے مدعا پایا
کدہر کا چاند ہوا مہر کے جو گھر آئے	تم آج بھول پڑے کس طرف کدہر آئے

رشک والاجاہ میر علی اوسط رشک۔ فیض آباد وطن نشو و نما لکھنؤ۔ دو دیوان ۱۲۶۳ھ میں خود چھپوائے۔ تیسرا دیوان کہتے ہیں کہ ضایع ہو گیا۔ نفس اللغۃ نام ایک لغت بھی لکھا ہے۔ اس کا ایک حصہ نشتر کاکوری نے شایع کیا ہے زبان کے اصلی مصلح یہی ہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی فرد ہیں ۱۲۸۴ھ میں خاکِ کربلا ہوئے دیوان دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو تین شعر داخل بیاض ہیں۔

اب کے جاڑے میں اور نالہ و آہ	اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
ہوا کیا وصف چیتے نے اگر پائی کمر پتلی	تمہارے ہونٹ پتلے انگلیاں پتلی کمر پتلی
قابو میں ہے مزاج بہت بدمزاج تک	میری اکڑ خدا نے نبھائی ہے آج تک

منیر اسمٰعیل حسین منیر وطن شکوہ آباد ضلع مین پوری متوفی ۱۸۸۱ء ۱۲۹۸ھ ناسخ کے علاوہ رشک سے بھی اصلاح لی۔ دوبار رام پور میں اس طرح رسائی ہوئی کہ دربار کی طرحی غزل پر غزل کہی مقطع تھا۔

میرے ہنر کا کوئی نہیں قدر دان منیر	شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

ناظم نواب رامپور ایک تو خود شاعر دوسرے قدر دان غزل کہی اور مقطع میں فرمایا

ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں قدرداں	شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

مگر یہ اپنی بیوی کی علالت کی وجہ نواب موصوف کے زمانہ میں نہ جاسکے عذر کیا تھا

غزل پیش کی منقطع تھا۔

دربار میں منیرؔ غزل خوانیاں کرے　　طوطی حضور ہو لیں یہ بولتا ہوا

بعد کو نواب کلب علیخاں خلد آشیاں کے وقت گئے اور سرفراز ہوئے۔ ان کے قصیدہ میں دربار رام پور کے شعرا وغیرہ کی تفصیل قابل یادگار ہے۔

بحر منشی اسیرؔ اور امیرؔ　　ہمسر انوری و مختاری

طبع پاک عروجؔ و داغؔ سے ہے　　منفعل ابر کی گہر باری

ہے جلالؔ و حیاؔ و شاغلؔ سے　　محفل نظم جلوہ گر ساری

مثنوی میں حیاؔ و خواجہ بشیرؔ　　رونق شاعری و نثاری

بدرؔ شاداںؔ عمیؔ غنیؔ ہردم　　رہتے ہیں مدح خوان سرکاری

فارسی گو نثارؔ شیرازی　　تر زبانی میں ابر آزاری

فن تاریخ میں رساؔ منصورؔ　　جانؔ صاحب کی ریختی پیاری

سب سے بڑھکر منیرؔ کو حاصل　　بے کمالی و ہرزہ گفتاری

دیوان نظر سے گذرا ہے کچھ انتخاب ہدیہ ہے۔

مہمان ایک شب رہا صبح چل دیا　　خوشبوئے دلہن کی ہمارا شباب تھا

حرم و دیر میں ہے جلوۂ پر فن ان کا　　دو گھروں کا ہے چراغ اک رخ روشن انکا

کیا جانئے کیا لطف ہے چلمن کے ادھر آج　　جاتی ہے تو پھر کر نہیں آتی ہے نظر آج

درد دل دور سے ہم اُن کو سنائیں کیونکر　　بھیجدیں ڈاک میں آہوں کی صدائیں کیونکر

نیکوں کا ساتھ دے رہی ہے　　دنیا ہوا در مفلسی ہو۔

ترقی دو گے تم کب تک قد بالا کی شہرت کو　　نکلوا دو گے شاید دونوں عالم سے قیامت کو

نازبردرد وہ میں آفت میں گرفتار منیرؔ　　تارے گنتے ہیں سر شام کے سونے والے

میں چاہتا ہوں اور کسی کو خدا کی شان　　چپ ہے بس ہے آپ کے کہنے کی بات ہے

بیگانگی کا پان بھی لینا نہیں قبول
دستِ ادا سے زہر بھی کھانا قبول ہے

غیروں کے پاؤں پڑکے نہ آئیں گے تیری گھر
یوں ایڑیاں رگڑ کے بھی مرنا قبول ہے

آپ کے صدقے ہیں جھگڑا دل و جاں کا چک جائے
موت کے بھیس میں آجائے چلتے پھرتے

مارا تو ہاتھ آپ نے دشمن کے ہاتھ پر
کیسی لگی یہ چوٹ مرے دل سے پوچھئے

تقدیر کی کجی ہو کہ ٹیڑھا ہو آسمان
یہ سب عنایت آپکی ترچھی نظر کی ہے

نیساں سید علی عباد نیساںؔ الہ آبادی شاگردِ منیر متوفی سنہ ۱۳۱۸ء صاحب کلیات ہیں تصیدے غزلیں مرثئے سلام بھی کچھ کہا ہے مگر کلام مشتہر نہیں ہوا۔ منیر ان سے دلی محبت رکھتے۔ اور خط میں ان کو لکھتے ہیں۔

یوں ہے دلِ غم دیدہ کو نیساںؔ کی محبت
جیسے صدفِ تن کو دُرِ جاں کی محبت

اُن کو بھی اِن کے ساتھ ارادت ہے کہتے ہیں۔

فیضِ منیرؔ پاک طبیعت اگر نہ ہو
نیساںؔ غزل مری کبھی نظمِ گہر نہو

دیوان دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو چار شعر بیاض میں ہیں اور وہی پیش ہیں۔

یہ کس کے جانے سے جاتی رہی بہار چمن
نہ گل ہیں باغ میں باقی نہ گل میں بُو باقی

دولت ملی حریص کو تو پھولتا چلا
بڑھنے لگا ورم مرضِ حُبِّ جاہ سے

اس قدر سینچا چمن کو باغباں نے خونِ بلبل سے
کہ آخر رنگ ہو کر پھوٹ نکلا عارضِ گل سے

قلق خواجہ ارشد علیخاں آفتاب الدولہ قلقؔ خواہرزادے وشاگرد خواجہ وزیر متوفی سنہ ۱۲۹۸ء ان کی مثنوی طلسم الفت مشہور ہے۔ دیوان بھی ہے۔ مگر دیکھنے میں نہیں آیا۔ ان کی ایک غزل کے یہ شعر زبانوں پر ہیں۔

دور سے دیکھ لو جاتا ہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

وہ ظلم کرتے ہم پر تو لوگ کہتے ہیں
خدا بروں سے نہ ڈالے معاملہ دل کا

خدا ہی خیر کرے رنگ آج بیڈھب ہے
ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

تری نوید میں ہر داستان کو سنتے ہیں
تری امید میں ہر رہگذر کو دیکھتے ہیں

خوشا وہ لوگ جو دیر و حرم میں جا بیٹھے
نہ ایک ہم کہ کھڑے تیرے در کو دیکھتے ہیں

بسلسلہ ناسخ بعد نیساں

قدر میر غلام حسین قدر بلگرامی متوفی سنہ ۱۸۸۴ء کئی استادوں سے فیضیاب ہوئے اور اس کو کس حسن سے ادا کیا۔

سیکھے سحر و برق سے بندش کے بند
پھر غالب و بحر نے بتائے پیوند

مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا اے قدر
بدنام کنندۂ نکو نامے چند

حالانکہ برعکس اُن کے نام کو روشن کرنیوالے تھے۔ یہ فخر سلسلہ ناسخ ہیں۔ قصیدے بڑے پایہ کے ہیں۔ آخر عمر میں حیدرآباد بھی آ گئے۔ اور چار سو ماہوار پر زمرہ شعرا میں داخل ہوئے۔ مگر عمر نے وفا نہ کی۔ بیمار ہو کر وطن گئے۔ اور وہیں کی خاک ہوئے۔ کلیات چھپ گیا ہے اور نظر سے گذرا ہے۔ انتخاب پیشکش ہے۔

دل پہ کیا صدمہ ہے کہنے میں نہیں ہیں ہاتھ پاؤں
رنج فرقت نے ابھی سے مجھکو بوڑھا کر دیا

ایک عالم ہے مرا لاکھ رہے گردش دہر
میں بھی کیا آب ہوا ہوں کہ بدل جاؤنگا

نہیں جنت نہ سہی خیر جہنم ہی سہی
اتنا تھوڑا ہے مجھے تو کسی قابل سمجھا

اک دن خیال آیا تھا رفتار کا تری
دو تین چار روز میرا سر پھرا کیا

اے قدر ایسا آدمی اپنی پسند ہے
جو دل میں آیا کہہ دیا جو کچھ کہا کیا

قدر ان مردہ پسندوں نے مجھے تڑپا دیا
غم یہی ہے میری شہرت جا بجا تھی میں نہ تھا

مجھکو لحد میں رکھ کے ہیں یوں دوست منتشر
جیسے لٹا پٹا ہو کوئی کارواں خراب

آنکھ سے دل تک جلوخانہ ہے اوسکے حسن کا
یہ گلی دلچسپ ہے کیسی بسانِ کوئے دوست

قدر جنت میں جو پہنچا ہنس کے رضواں نے کہا
آئیے اے شاعر رنگیں بیانِ کوئے دوست

ہمارا نام بھی داخل ہے کب سے دفتر میں
کوئی نکالے تو مجنوں کے وقت کا کاغذ

قیامت میں حنا ان پاؤں یا نہ پاؤں خیر اے واعظ
پر اب تو کم کشتی میں چھوڑتا ہوں تیرے ایماں پر

زلف کو دیکھ کے وہ دل پہ گذر جاتی ہے
ابر کو دیکھ کے ہوتا ہے جو حالِ طاؤس

حال و عدوں کا تیرے موزوں کیا تھا اس قدر
اہل مطبع نے مرا دیوان سب چھاپا غلط

وصل ہو جائے تو سمجھوں سچ ہے اے وعدہ خلاف
ورنہ یہ سو سخن غلط ہاں ہاں غلط اچھا غلط

پھر بہار آئی ہوئے جمع پھر اسباب نشاط
چمن و بادہ و دف ساقی و ارباب نشاط

دن چڑھا خوابگہ وصل سے اُٹھئے اے قدر
صبح سے بیٹھے ہیں انعام کو ارباب نشاط

کہیں تالی بھی ایک ہاتھ سے بجی ہے
مجھے تم بھی چاہو جو میں تم کو چاہوں

غضب یاد گیسو میں ہے آہ و زاری
میں ہندوستاں بھر کی آفت ہوا ہوں

دہن کو ہیچ سنا تھا کمر بھی ہیچ ہوئی
بڑے بڑے نقص ابھی آپ میں نکلتے ہیں

کوئی حکمت نہیں چلتی خدا کے کارخانے میں
دھری رہتی ہے تدبیر جب تقدیر پھرتی ہے

ڈھلا ہے نیل آنکھوں کا پھری ہیں پتلیاں میری
مگر آنکھوں کے آگے آپ کی تصویر پھرتی ہے

وہ مجھے دیکھ کے ہنس دیتے ہیں
آنکھ چھپتی ہی نہیں یاری کی

ابھی تھا وصل کا اقرار اور ابھی انکار
چلو ہٹو انھیں باتوں سے قدر جلتے ہیں

تم اُسی سمت کو جاؤ تو خدا کو پاؤ
جس طرف لوگ بتائیں کہ ادھر کچھ بھی نہیں

امیری سی فقیری ہو نہیں آثار جاتے ہیں
جہاں پھوڑا نکلتا ہے نہیں مٹتا نشاں برسوں

کفر و دیں دل سے ہے تو جانئے ظاہر پہ نہ جا
اس سے کیا ہوتا ہے سیدھا ہو کہ اُلٹا پردہ

حق کہو تلخ جھوٹ بولو گناہ
بس خموشی سخن سے بہتر ہے

تو میرے بوسہ لینے پہ اتنا خفا ہوا
بوسہ بھی کوئی چیز ہے تو لاکھ بار لے

پھر عشق یہ جوانی کیا روگ لگ گیا ہے
ہم بھی کبھی کہیں گے ہم بھی کبھی جواں تھے

لکھنؤ و نواحِ لکھنؤ کے بے سلسلہ شعرا

امانت آغا حسن امانت متوفی ۱۲۷۵ھ مشہور شاعر ہیں واسوخت اور اندرسبھا ان کی مشہور یادگار ہیں۔ دیوان بھی ہے اور کبھی دیکھا بھی ہے۔ ایک شعر یاد ہے۔

بُت کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں
جی چاہتا ہے صانع قدرت پہ ہوں نثار

اختر واجد علیشاہ اختر شاہ اودھ متوفی ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۷ء اور حالات سے بحث نہیں باقی شاعری میں بھی استاد قادرالکلام تھے۔ کچھ کلام اور دو ایک مثنویاں ان کی نظر سے گذریں مگر دو شعر ہی اب زیب بیاض ہیں۔

برائے سیر مجھ سا رند میخانہ میں گر آئے
ہنسے ساقی گرے ساغر لنڈھے شیشہ بہے دریا

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

سن رکھو اسے دل کا لگانا نہیں اچھا
دنیا یہ بُری ہے یہ زمانہ نہیں اچھا

افضل افضل علی خاں افضلؔ لکھنوی باقی حال لامعلوم۔

ہے وصفِ روئے یار نہ لو نام ماہ کا
کیا ذکر اس مقام پہ اُس روسیاہ کا

معروف نام و نشان تو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ ان کی ایک غزل مشہور چلی آتی ہے۔ اور اس کے یہ تین شعر یہ ہیں۔

آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

وہ ہوا خواہ چمن ہوں کہ چمن میں معروفؔ
پہلے میں جاتا ہوں در بادِ صبا میرے بعد

سحر دیبی پرشاد سحر صاحب دیوان ہیں۔ اور دیوان نظر سے گذرا ہے مگر بیاض میں صرف دو شعر محفوظ ہیں۔

رقیب سفلہ سے ہم گفتگو نہیں کرتے ہماری وضع ہے کتّے سے تُو نہیں کرتے
تھا ایک تو غم مجھ کو یہاں ایک ہاں کا یہ اور غم عشق نکل آیا کہاں کا

صبا گوبند لعل صبا لکھنؤ وطن بود و باش رام پور ناخن نگاری اور مصوری میں کامل تھے۔ ایک شعر داخل بیاض ہے۔

ذکر خال و خط بھی روئے صاف جاناں میں نہیں زاغ طوطی کی حکایت اس گلستاں میں نہیں

اختر حاجی محمد صادق خاں اختر جامع کمالات ایک مشہور شخص گذرے ہیں کلام نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر ان کا مشہور چلا آتا ہے۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی رُکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی

اور وہ مشہور قطعہ بھی انہیں کا ہے جس کی ٹیپ ہے۔

اور امتحاں بغیر تو یہ آپ کا غلام قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

صبح صادق نورالانشاء محامد حیدریہ تذکرہ شعراء آفتاب عالمتاب اور دیوان فارسی و اُردو ان کی یادگاریں ہیں۔

سخی میر پرورش علی سخی کڑا مانک پور ضلع الہ آباد وطن صاحب دیوان ہیں۔ اور دیوان نظر سے گذرا ہے مگر انتخاب تو گیا گذرا ہوا۔ ایک شعر صرف داخل بیاض ہے۔ ان کا ایک قطعہ مشہور ہے کہ تخلص ہی قطعہ کی جان ہے۔

بولے ہے ہے یہ سخی کا ہی مزار جان دے دی لاکھ سمجھاتے رہے

باقی داخل بیاض شعر یہ ہے۔

یہ شب فرقت میں کیا سوجھی مجھے
سب ستارے آسماں کے گن گیا

چند شعرائے بنگالہ

نسّاخ عبدالغفور خاں نسّاخ شاگرد رشید النبی وحشت رامپوری متوطن کلکتہ متوفی سنہ ۱۳۰۶ھ صاحب کلیات و تصانیف ہیں۔ انیس و دبیر سے معرکہ آرا رہے سلسلہ شاعری ان کا دور حاضر تک جاری ہے۔ کچھ یہاں مذکور ہے اور کچھ طبقہ متاخرین میں نظر افروز ہوگا۔ کچھ کلام دیکھا ہے۔ مگر بیاض میں صرف ایک ہی شعر ہے۔

بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے　　دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے

النسخ عصمت اللہ النسخ متوطن ہگلی مقیم کلکتہ شاگرد نساخ ان کا بھی ایک شعر داخل بیاض ہے۔

ایک دن یہ ہے کہ پابند سلاسل پاؤں ہیں　　ایک شب وہ تھی کہ تھی زلف معنبر ہاتھ میں

شمس عبدالحمید شمس متوطن کلکتہ شاگرد نسّاخ والنسخ ایک شعر داخل بیاض ہے

ترک خیال یار کا دل کو خیال ہے
اچھا خیال ہے مگر امر محال ہے

شعرائے دہلی کے جدا جدا سلسلے

سلسلہ مومن

مومن حکیم مومن خاں مومن متوفی سنہ ۱۲۶۶ھ کوٹھے سے گرے عم دست و بازو شکست خود تاریخ کہی پانچ دن پانچ مہینے اور پانچسال کا حکم لگا یا چنانچہ پانچ مہینے کے بعد انتقال کیا۔ کہ نجوم میں بھی دخل تھا۔ خود کہتے ہیں ؎

اِن نصیبوں پر کیا اختر شناس آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا

اوائل میں شاہ نصیر سے اصلاح لی۔ مگر جلد ہی چھوڑ بھی دی۔ اور پھر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ کلیات انواع در انواع ہے کہانیاں اور معمے بھی ہیں ایک معمہ خوب ہے۔

بنے کیونکر کہ ہے سب کار اُلٹا ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا (مہتاب رائے)

دماغدار بھی تھے۔ اور نازک خیال بھی عموماً مقطعوں میں تخلص کی رعایت کرتے ہیں۔ کلیات کئی بار نظر سے گذرا تھوڑا انتخاب بیاض میں رہ گیا۔ وہی نذر ہے

اس کوچہ کی ہوا تھی یا میری ہی آہ تھی کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا کہ ہر ہر بات پر ناصح تمہارا نام لیتا تھا

وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

یہ عذر امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں اے ہم نشیں نزاکتِ آواز دیکھنا

بد کام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن حالِ سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آپ کی کون سی بڑھی عزت میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

ٹھانی تھی دل میں اب نہ کسی سے ملیں گے ہم پر کیا کریں کہ ہو گئے لاچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا اپنا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہونگے
پھرے تغیرِ رنگ کو مست دیکھ کہیں تجھکو تری نظر نہ ہو جائے
مومن سوئے شرق اس بت کا فر کا تو گھر ہے ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدہر ہے
اب بھی نہیں جاتی ہے تیری آجانیکی امید گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانبِ در ہے
تاب کم ظرف کو کہاں تم نے دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی
تسلّی دمِ واپسیں ہو چکی ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
کیونکر یہ کہیں منتِ اعدا نہ کرینگے کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کرینگے

شیفتہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ متوفی ۱۲۸۶ھ مومن کے بعد غالب سے بھی مشورۂ سخن کیا ہے مگر اصل میں مومن ہی کے شاگرد ہیں۔ اور خود اُستاد ہیں۔ ان کی سخن فہمی کا ہر کوئی مُقر ہے۔ غالب کہتے ہیں۔

غالب بہ فن گفتگو نازد بایں ارزش کہ او ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

فارسی بھی کہتے تھے اور اُردو بھی۔ فارسی میں حسرتی تخلص تھا۔ اور اُردو میں شیفتہ دیوان فارسی بھی ہے۔ اور اُردو بھی۔ گلشن بے خار تذکرہ شعرا بھی ان کا مشہور ہے اپنے اُردو دیوان کی نسبت کہتے ہیں ؎

یہ بات تو غلط ہے کہ دیوانِ شیفتہ ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال
لیکن مبالغہ تو ہے البتہ اس میں کم ہاں ذکر قد و خال اگر ہے تو خال خال

دیوان نظر سے گذرا ہے مگر انتخاب محفوظ نہیں چند شعر نذر ہیں۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے
وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے
یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتہ لگے | کھویا ہے ہم نے آپ کو عہد شباب میں
اے تاب برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی | کچھ رہ گئے ہیں خار و خس آشیاں ہنوز
طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ | دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ | رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے

تسکین میر حسن تسکین میرن صاحب مشہور متوفی ۱۲۲۵ھ دلی وطن تھا رامپور میں قیام رہا۔ اور وہیں انتقال ہوا۔ ابتدا میں شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی۔ مگر مستقل شاگرد مومن ہی کے ہیں۔ دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ کچھ شعر انتخاب ہیں۔

اے چشم سرمگیں تیری گردش نے کیا کیا | راحت پذیر تھے ستم آسماں سے ہم
نہ اٹھا گیا دل کے ہاتھوں سے تسکین | کہا اس نے جو سر بسنا بیٹھے بیٹھے
یاں انتظار ہی میں کٹی میری ساری رات | واں وعدہ کیا کیا تھا اُسے یاد ہی نہیں
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔ | کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی۔
یہ کہہ کے شب ہجر میں کرتا ہوں تسلی | جو رنج و مصیبت ہے سو انساں کیلئے ہے

نسیم اصغر علی خاں نسیم متوفی ۱۲۷۹ھ دلی وطن تھا لکھنؤ میں قیام رہا۔ اور وہیں انتقال ہوا۔ مطبع نول کشور کی فرمایش پر الف لیلیٰ نظم کرنا چاہی تھی مگر عمر نے رفاقت نہ کی۔ آشفتہ مزاج تھے۔ کلام بھی خود جمع نہ کر سکے۔ بعد میں شاگردوں نے دیوان کا سرانجام کیا۔ لکھنؤ میں ان کے اچھے اچھے شاگرد ہوئے۔ ان کا ذکر طبقہ متاخرین میں نظر سے گذریگا۔ دیوان سے لطف اٹھایا ہے۔ مگر افسوس کہ انتخاب بیاض رفتہ کیسا گیا۔ چند شعر مد یہ ہیں۔

خیال گذرے کہاں کہاں کا ارادہ دنکا ہو کہیں کا ٭ نہ کچھ ٹھکانا ہے گماں کا نہ کچھ ٹھکانا ہے یقیں کا
حیا بڑھنے نہیں دیتی ارادہ نوجوانی کا | اشارہ ہو کے رہجاتا ہے ہم پر مہربانی کا
جب دیکھئے قرار نہیں ایک حال پر | تیرا سا اب تو حال ہوا روزگار کا

افشائے محبت کا جو تھا خوف تو ہر اشک — آنکھوں ہی میں پنہاں تھا کوئی دامن میں چھپا تھا

گلے میں یہ حجت کے انکا بھی کچھ قصہ نکل آیا — ہوئی تھی صلح کس مشکل سے پھر جھگڑا نکل آیا

لیل و نہار گیسو و رخسار یار ہیں — جی چاہتا ہے بیٹھ رہیں اک جہاں بنا

خوشا قسمت قفس میں ہم قفس پر سینکڑوں پنجے — نظر بھی اب تو جا سکتی نہیں دیوار گلشن تک

برستا ہے جو ابر تر تمنائیں اٹھ ٹپکتی ہیں — ڈبو دے آ مئے میں آج ساقی مجھ کو گردن تک

برق نے اک طرز بیتابی مرا سیکھا تو کیا — سینکڑوں باتیں ہیں ایسی خاطرِ ناشاد میں

جواب دیکھئے کب لے کے نامہ بر آئے — دھڑک رہا ہے مرا دل کہ کیا خبر آئے

محبت ہو کسی کی یا عداوت — مزہ دے جائیگی جو دل سے ہوگی۔

سفر ہے دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے — نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

آہی میر عبدالرحمٰن آہی خلف میر حسین تسکین مومن کے شاگرد بھی تھے برادر زادہ بھی اور متبنیٰ بھی اپنے والد کی طرح رامپور سے ان کا بھی تعلق تھا۔ دیوان کیا سرانجام ہوا ہوگا کہ جوانی ہی میں گذر گئے۔ ایک شعر بیاض میں یادگار ہے۔

سب کو خبر ہوئی مرے حالِ تباہ کی — اُٹھ جائیگی جہان سے اب رسم چاہ کی

اکبر نواب محمد اکبر خاں اکبر شیفتہ کے چھوٹے بھائی تھے کچھ کلام نظر سے گذرا۔ مگر بیاض میں ایک ہی شعر نکلا۔

سوچئے حضرتِ ناصح کوئی تدبیر وصال — حیف چارہ نہ کرے آپ سا دانا دل کا

برق قاضی نجم الدین برق متوفی سنہ ۱۸۹۹ء سکندر آباد نواح دھلی وطن مومن و تسکین دونوں سے استفادہ کیا ہے مراد آباد میں وکیل تھے اور وہیں کی خاک ہوئے۔ کلام جمع نہ ہو سکا متفرق کلام جو نظر سے گذرا اُس کا یہ باقیات صالحات ہے۔

اے برق تیز دستیِ وحشت کو دیکھنا — دامن کو سیتے سیتے گریباں نکل گیا

کیا لگی پھرتی ہے اُس پائے نگاریں کی ہوا
جس جگہ اس نے قدم رکھا گلستاں ہو گیا

حرم و دیر کے جھگڑے ترے چھینے سی پڑے
ورنہ تو پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

تو تو جس خاک کو چاہے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

وہ بغل میں رہا تو بھی نہ پایا آرام
دل سے کھٹکا نہ شبِ وصل سحر کا نکلا

سلسلۂ غالب

غالب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب متوفی ۱۲۶۹ھ مجروح
اِن کے شاگردِ رشید کی کہی ہوئی تضمین و تاریخ وفات ع
ہاتف نے کہا گنجِ معانی ہے تہہ خاک

خوب ہے باقی یادگار غالب کے بعد اب کسی شرح کی احتیاج ہی کیا ہے۔

فارسی پر ناز اور اُردو سے اِن کو عار تھی ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اُردو کہ بے رنگِ من است

لیکن یہی بے رنگ مجموعہ اردو نہ ہوتا تو غالب غالب نہ ہوتے کہ فارسی میں ان کے سے اور بھی ہیں مگر اُردو میں ان کا سا ایک بھی نہیں۔ ابتدا میں قیامت تھی۔

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

مگر بعد میں کہا سنا جو سنا تو کہا ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنورانِ کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

بارے فرمائش کا سرانجام کیا اور دیوان کا دیوان سخن فہم احباب کے حوالہ کر دیا کہ خار چھٹ گئے اور گل رہ گئے۔ اور کچھ خار بھی گئے تو خیر رہ گئے۔ کہ نہ رہتے تو شرحین کی شرحین کیونکر لکھی جاتیں مگر اس کا کیا علاج کہ یار لوگوں نے کچھ سالہ پھر کہیں سے

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

یوسف اس کو کہوں کچھ نہ کہے خیر ہوئی
گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا؟

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگِ گراں اور

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھکو زباں اور

تاب لاتے ہی بنے گی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن — خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج — مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائیِ خیال کہاں
مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں — رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے — بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالبؔ — تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند — گستاخیِ فرشتہ ہمارے جناب میں
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ — پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو — یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں — بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
حسن اور اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم — اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں — روئیے زار زار کیا کیجیے ہائے ہائے کیوں
میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی — سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

عشق و مزدوریِ عشرتکدۂ خسرو کیا خوب — ہم کو تسلیم نکو نامیِ فرہاد نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں

ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
جب میکدہ چھٹا تو اب کیا جگہ کی قید — مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست — لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد
مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

وعدہ آنیکا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھسے نہ ٹھیرا جائے ہے مجھ سے

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیِ گفتار
رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا میرے آگے

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شبِ ہجراں کی تمنا میرے آگے

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب اِدھر بھی
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو ملجاؤ
قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

دے داد اے فلک دلِ حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
یک گو نہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

ہے ہے خدانخواستہ وہ اور دشمنی
اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگینگے نکیرین
ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی بو آئے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دئیے ہوتے

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جسقدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصوّر
دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعیٔ بے حاصل میں ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ حقیقت نیوش ہے

مجروح مہدی حسن مجروح متوفی سنہ ۱۹۰۲ء پانی پت وطن۔ دلّی سکونت۔ غالب کے عزیز ترین شاگرد کہ اردوئے معلّیٰ وغیرہ میں ان کے نام کے چند در چند خط محبت نمط ہیں۔ دیوان مظہر معانی مطبوعہ سنہ ۱۳۱۶ھ نظر سے گذرا ہے اور یہ اُس کا انتخاب ہے۔

محفل طرازیاں وہ کہاں اب تو کام ہے ۔۔۔ گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

کچھ عرض تمنا میں شکوہ نہ ستم کا تھا ۔۔۔ میں نے تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

ایذائیں یہ پائی ہیں مقدور اگر ہوتا ۔۔۔ میں رسم تعشق کو دُنیا سے مٹا جاتا

رہا مر کر بھی زیر پائے معشوق ۔۔۔ ہمیں بھائی یہ پروانے کی عادت

سبب قتل محبت ہے اگر اے ظالم ۔۔۔ تو میرا جرم کسی کو نہ بتانا ہرگز

تھا اُس کا دیکھنا ہی سراسر خلاف عقل ۔۔۔ کمبخت جا پڑی ہے ہماری نظر کہاں

چاہتا ہوں کوئی معشوقہ عاشق نواز ۔۔۔ اس کا طالب ہوں کہ جو عالم امکاں میں نہیں

اِس چار دن کے حُسن پہ یہ کم نگاہیاں ۔۔۔ افسوس کچھ مآل پر اسکو نظر نہیں

دل میں اِک شے جو کھٹکتی ہے بہت مدت سے ۔۔۔ وہ ترے تیر جگر دوز کا پیکاں تو نہیں

سنا حال دلِ مجروح شب کو ۔۔۔ کوئی حسرت سی حسرت تھی بیاں میں

مہر کیا چیز ہے وفا کیسی ۔۔۔ یہ تو باتیں ہی اب رہیں نہ کہیں

تو اُس سے ڈراتا ہے کہ جو خیرِ محض ہے ۔۔۔ واعظ ترے فقروں میں کیا آتا ہوں بھلا میں

ہمیں شکوہ ہے اک بیدادگر کا ۔۔۔ اب اِس میں آپ ہوں یا آسماں ہو

خفا ہو کے جب بے بلائے گیا ۔۔۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے

درِ میخانہ ہے اک مبدءِ فیض ۔۔۔ نکل آتے ہیں کچھ کمال یہیں سے

کچھ تو ہو تلخیِ غم کی تدبیر ۔۔۔ لب شیریں کی حکایت ہی سہی

اللہ رے میرے شوق کی مشکل پسندیاں ۔۔۔ کس آفت جہاں کو کیا انتخاب ہے

سالکؔ مرزا قربان علی بیگ سالکؔ متوفی ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء ہرچند نشوونما دلّی میں ہوئی مگر پیدا حیدرآباد میں ہوئے۔ اور حیدرآباد ہی کی خاک بھی ہوئے۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ سرکارِ عالی کے سبھی بندگانِ بیچارگان کو یہاں کی خاک ہونا ہے دیوان سے اِستفادہ کیا ہے۔ مگر اب محفوظ ہی کیا ہے۔ چند شعر ہی بس استفادہ ہیں۔

تنگ دستی اگر نہ ہو سالکؔ
تندرستی ہزار نعمت ہے

راز کھلتے گئے زمانہ پر
جس قدر اُس نے خودنمائی کی

رہ گئیں دل میں حسرتیں سالکؔ
آگئی عمر پارسائی کی

اعتبارِ نگہ ناز ہے کیا کیا اُن کو
قتل کو آتے ہیں اور ہاتھ میں شمشیر نہیں

یوں عمر گذری تری فرقت میں کہ ہر دم
جینے کا گماں تھا مجھے مرنے کا یقیں تھا

اب تک بھی میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہوئے
سالکؔ کا حال رات کو ایسا سنا کہ بس

تم بھی وہی کہو تو کہے اِک جہاں بجا
میں بھی وہی کہوں تو کہے اِک جہاں غلط

تم آگئے تو ہوش کہاں میزبان ہو کون
آج اپنے گھر میں آپ ہیں کچھ بہاں سے ہم

پھرتے ہیں دادخواہ ترے حشر میں خراب
تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں

صیاد اور بندِ قفس سے کرے رہا
جھوٹی خبر کسی کی اُڑائی ہوئی سی ہے

عارفؔ نواب زین العابدین خاں عارفؔ خواہرزادۂ غالبؔ جو جوانی میں داغ دے گئے غالبؔ نالاں ہیں ؎

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارفؔ
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

دیوان بھی ہوگا مگر نظر سے نہیں گذرا۔ دو شعر داخل بیاض ہیں۔

اُٹھتا قدم جو آگے کو اے نامہ بر نہیں
پیچھے تو چھوڑ آئے کہیں اُس کا گھر نہیں

بے التفاتیوں کا تری شکوہ کیا کریں
اپنے ہی جبکہ نالہ دل میں اثر نہیں

حزیں میر بہادر علی حزیںؔ شاگرد عارفؔ طبقۂ متاخرین میں عارف کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کے شاگرد کا یہیں ذکر کر دیا اور ذکر بھی کیا صرف دو شعر داخلِ بیاض ہیں۔

کہ بھرے خم سے مئے شیشہ میں اکثر ہیں ساغر میں ۔۔۔ سبو سے منہ لگائینگے اب اتنا صبر ہے کسکو

اللہ رے وسعتیں تری اے تنگنائے دل ۔۔۔ دنیا کی حسرتیں ترے گوشے میں آ گئیں

ناظم نواب یوسف علیخاں ناظمؔ نواب رامپور متوفی ۱۸۶۵ع ہر چند اسیرؔ سے بھی ان کو تلمذ ہے مگر بیشتر غالبؔ ہی کی شاگردی سے نامور ہیں۔ دیوان تو مطالعہ میں نہیں آیا کچھ کلام دیکھا ہے ایک غزل اور ان کے کچھ کلام کو کسی نے اسطرح غالب سے نسبت دی ہے جس طرح ظفرؔ کے کلام کو آزاد نے ذوقؔ سے۔ حالانکہ یہہ عموماً ہوتا ہے کہ اکثر شاگرد استاد کا رنگ اڑانیکی سعی کرتے ہیں۔ اور ان کی ایک آدھ غزل اور اکثر اشعار میں استاد کا کچھ رنگ آ بھی جاتا ہے مگر اس کی وجہ ان کے کلام کو استاد کا کلام کہنا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے۔ ان کو غالب کی اصلاح کا ادعا بھی ہے خود فرماتے ہیں۔

دور سے جس نے سکھایا مجھے ایسا کہنا ۔۔۔ کیوں نہ غالبؔ کے ہوں اشراق کے قائل ناظمؔ

چشم پُرخون کو کبھی ساغرِ صہبا کہنا ۔۔۔ جگرِ خستہ کو کہنا گُلِ خنداں گاہے

گر آپ سنینگے تو میں سو بار کہوں گا ۔۔۔ غصہ میں کہا ہو کہ ہم کچھ نہ کہیں گے

آوازۂ قبولِ دعائے سحر غلط ۔۔۔ تاثیرِ آہ و زاریِ شب ہائے تار جھوٹ

ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط ۔۔۔ ہاں سینہ سے نمایشِ داغ درون دروغ

شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار و در غلط ۔۔۔ سوزِ جگر سے ہونٹ پہ تبخالہ افترا

نظام سید نظام شاہ نظامؔ رامپوری متوفی ۱۲۸۹ھ نواب موصوف کے شاگرد تھے۔ اور نواب صاحب موصوف ہی نے ان کے بعد ان کا دیوان

بھی چھپوایا۔ دیوان تو نہیں البتہ کچھ کلام نظر سے گزرا ہے۔ علی بخش بیمارؔ اپنے پیر سے بھی اصلاح لی ہے۔ چند شعر مدیہ ہیں ؎

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اُٹھا کے ہاتھ　　دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ

دیتا کسی کا ساغر مئے یاد ہے نظامؔ　　منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ

انداز اپنے دیکھتے ہیں آئینے میں وہ　　اور یہ بھی دیکھتے ہیں کوئی دیکھتا نہ ہو

عبث یہ ہر دم کا چونکنا ہے عبث یہ اُٹھ اُٹھ کے دیکھنا ہے

بھلا وہ ایسے ہوئے تھے کس دن دہی تو وعدہ وفا کرینگے

تم سے کچھ کہنے کو تھا بھول گیا　　ہائے کیا بات تھی کیا بھول گیا

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بت ہمیں نظامؔ　　ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

بیمارؔ شیخ علی بخش بیمارؔ متوفی ۱۲۷۱ھ وطن اِن کا بانس بریلی ہے اور زیادہ زمانہ اِن کا رامپور میں گذرا ہے۔ نظامؔ کی طرح رامپور میں اور بھی ان کے شاگرد ہیں۔ غالباً پیری مریدی کا بھی سلسلہ رکھتے تھے جبھی تو نظامؔ ان کے پیر کہے جاتے ہیں۔ نواب محمد سعید خاں مرحوم والئ رامپور کی فرمایش سے بوستان خیال اردو میں نظم کی تھی اور اردو کے کئی دیوان بھی مرتب کئے تھے جو کیا عجب کہ کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہوں یہ مصحفی کے بھی شاگرد ہیں۔ اور احمد خاں غفلتؔ کے بھی جو معلوم نہیں کہ کون بزرگ تھے۔ بہر تقدیر بیاض میں جو دو چار شعر ہیں پیش کش ہیں۔ اور استاد شاگرد کی استادی کے ذکر میں نظامؔ ہی کے تحت اِن کو لے لیا کہ اب اور کہیں موقع نہ تھا۔

مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز　　بیمارؔ کو شعور کسی بات کا نہیں

جنت میں حیاتِ ابدی کیا خاک ملیگی　　دنیا میں تو مانگے نہ ملی موت خدا سے

اب اور آرزو نہ رہی اے خدا مجھے

کیا دردِ دل دیا کہ سبھی کچھ دیا مجھے

راقم خواجہ قمرالدین دہلوی مترجم بوستانِ خیال۔ تعارف سے یوں بھی بے نیاز تھے اور اب تو مرزا فرحت اللہ بیگ نے اِن کی پوری لائف ہی۔ مرتب کردی ہے تاہم اس میں شاید شعر و شاعری کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ نغمۂ اُردو نام ان کا دیوان مطبوعہ بھی موجود ہے۔ جو دیکھنے میں تو نہیں آیا۔ تاہم کلام کچھ نظر سے گذرا ہے۔ یہ مرزا غالب کے شاگرد تو شاید نہیں ہیں لیکن جب اُن سے سُرور کا مضمون لیا تو مضمونِ شعر بھی لیا ہی ہوگا۔ اور شاگرد نہیں تو خیر ان کے رشتہ میں بھتیجے تو ہیں۔ اس لئے غالب ہی کے سلسلہ میں ہم نے ان کا ذکر مناسب سمجھا۔ یہ خود بھی ان کے لئے متاسف ہیں۔

ہائے راقم نہ رہے حضرتِ غالب پر ... قدر فرزند کی ہوتی ہے پدر کے ہوتے

باقی دو چار شعر داخلِ انتخاب ہیں۔

لوگ ایسا نہ ہو سمجھیں کچھ اور ... دیکھکر مجھ کو نہ شرمائیں آپ

کیوں ہمکو کوئی پوچھے تعلق نہیں جسے ... اچھے ہیں یا بُرے ہیں کسی کی بلا سے ہم

جفا کر لو ستا لو دیکھنا محشر کے آنے میں ... کہ دامن ہاتھ میں کس کے ہے کس کا منہ گریباں میں

جوشِ مستی میں چلے آئے کہاں تم راقم ... یہ تو مسجد ہے چلو خانۂ خمّار نہیں

تیر سینے میں نہیں ہے اس کلیجہ میں نہیں ... پھر خلش کیسی ہے یہ دل میں کھٹکتا کیا ہے

سلسلۂ شاہ نصیر

نصیر نصیر الدین نام نصیر تخلص شاہ نصیر مشہور۔ دلّی وطن حیدرآباد مدفن متوفی ۱۲۵۴ھ ذوق نے ع چراغِ گُل، تاریخ کہہ کے حق شاگردی ادا کیا۔ شاہ محمدی مائل شاگردِ قائم کے شاگرد تھے۔ اور قائم کو درد و سودا دونوں سے تلمذ تھا میر تسکین نے ان کا دیوان جو مرتب کیا اس کو تو نواب صاحب رامپور نے خرید لیا جو غالباً ہنوز قلمی ہے مگر حیدرآباد میں اِن کے کسی شاگرد نے ان کی غزلوں کا دیوان چھپوایا ہے دیکھنے میں نہیں آیا

کچھ شعر داخل بیاض ہیں۔

چُرائی چادرِ مہتاب شب میکش نے جیحون پر | کٹورا صبح دوڑ لانے لگا خورشید گردوں پر
خیالِ زلفِ دوتا میں نصیر پیٹا کر | گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر
اُودی وسمہ کی نہیں تیری رضائی پر | ہے یہ وہ رات ہے تاروں بھری چھائی پر
یہ گرد و باد نہیں عشق کے بیاباں میں | مزار قیس پہ خیمہ نیا چڑھاتا ہے
دیکھ لیتی جو اُٹھا کر نہ ترے ٹوٹتے ہاتھ | لیلیٰ اتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

حیا

صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیاؔ شاگرد نصیر شاہزادگان دہلی سے ہیں ایک شعر داخل بیاض ہے۔

دشمنِ صد چاک دامن اور سودا عشق کا | یہ بھی کیا میں ہو گیا میرا گریباں ہو گیا

ذوق

خاقانی ہند ملک الشعرا شیخ ابراہیم ذوقؔ متوفی ۱۲۷۱ھ پہلے ان کے شاگردِ رشید حافظ غلام رسول (نابینا) ویرانؔ نے ان کا دیوان مرتب کیا۔ بعد میں آزادؔ نے مقدمہ اور سوانح کے ساتھ مرتب و مشتہر کیا۔ جو آج تک یادگار ہے غزلیات بھی خوب ہیں مگر قصائد غزلیات پر بھاری ہیں۔ کچھ انتخاب پیش کش ہے باقی یہ خود صاحب سلسلہ ہیں۔ ان کا کچھ سلسلہ یہاں مذکور ہے۔ اور کچھ طبقہ متاخرین میں نظر افروز ہوگا۔

کہے ہے خنجرِ قاتل سے یوں گلو میرا | کمی جو مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا
یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈ کر | دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا
زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں | کیا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہہ گیا
کسی بیکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا | جو آپ ہی مر رہا ہو اُس کو گر مارا تو کیا مارا
سینہ میں بوالہوس کے بھی تھا آبلہ مگر | نشتر کا نام سنتے ہی مُنہ زرد ہو گیا
نہ پکڑیں دامنِ الیاس گردابِ بلا میں ہم | کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے جینا ہے سہارے کا
آدمیت اور شئے ہے علم ہے کچھ اور شئے | کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے وہ ہے جو تکلف نہیں کرتا

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

ریشِ سفید شیخ میں ہے ظلمتِ فریب
اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح

کہا پتنگ نے یہ دارِ شمع پر چڑھ کر
عجب مزا ہے جو مرئے کسی کے سر چڑھ کر

مجھ سا مشتاقِ جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغِ رُخِ زیبا لے کر

بلبل ہوں صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر
پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر

خورشید وار دیکھتے ہیں سب کو ایک آنکھ
روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک و بد سے ہیں

وقتِ پیری شباب کی باتیں ؎
ایسی ہیں جیسی خواب کی باتیں

رکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مرد کا منہ
شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

کرتے جواں کو وہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

دیکھنا دمِ نزع دلارام کو ؎
عید ہوئی ذوق و لے شام کو

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

لبیک و اذان ناقوس و جرس یا خندۂ قلقل نالے
دل کھینچنے میں ہاں کوئی ہو پر ایک نوائے دلکش ہو

مشکل ہے ذوق دامِ علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ

اے ذوق دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
اُن کا بندہ ہوں جو بندے ہیں محبت والے

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے | زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے
ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے | کہ پیاسے ہیں مے آشام مہینہ بھر کے

اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے | کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے | مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے | اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

خط بڑھا کاکل بڑھی زلفیں بڑھیں گیسو بڑھے | حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

بعد رنجش کے گلے ملتے ہوئے رکتا ہے جی | اب مناسب ہے یہی کچھ میں بڑھوں کچھ تو بڑھے

اک صدمہ دردِ سر سے مری جان پر تو ہے | لیکن بلا سے یار کے زانو پہ سر تو ہے

دیکھ بھی لینا ہمیں راہ میں اور کیوں صاحب | ہم سے منہ پھیر کے جانا یہ بھلا یاد رہے

ابر رحمت ہے تجھے اس دم لگا دی تو جھڑی | کہتے ہیں وہ جائیں گے دیکھیں تو کیونکر جائیں گے

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے | ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے | اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

حساب اصلا نہ پوچھے مجھ سے میرے دل کے زخموں کا | حساب دوستاں در دل اگر وہ دلربا سمجھے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے | تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی | چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

کوئی کمر کو تری ہو اگر کمر تو کہے | کہ آدمی جو کہے بات سوچ کر تو کہے

آزاد — محمد حسین آزاد متوفی سنہ ۱۹۱۰ء مشاہیر وقت۔ دربار اکبری۔ نیرنگ خیال انکی مشہور تصانیف ہیں مگر آب حیات ان کی مقبول عام و زندۂ جاوید تصنیف ہے کہ آج بھی اس سے کوئی بے نیاز نہیں۔ نیچرل شاعری کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔ دیوان غزلیات تو دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو چار غزلیں دیکھی ہیں۔ اور دو تین شعر انتخاب ہیں۔ آخر میں دیوانے ہو گئے تھے۔ اور عالم دیوانگی میں ہی انتقال کیا۔

تقاضہ ہے گریباں کا کہ مجھکو چاک کر ڈالو — تمنا ہے یہ دامن کی اُڑا دو دھجیاں میری
دن ہجر و وصلِ یار کے ڈھلتے چلے گئے — دنیا کے رنگ تھے کہ بدلتے چلے گئے
پوچھتا حالت ہے کیا میرے دلِ ناشاد کی — آہ کی ہمت نہیں طاقت نہیں فریاد کی

ظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار دلّی کے بادشاہ تھے تخت بھی تھا اور تاج بھی۔ اب رنگون میں مٹی کی کچی قبر ہے جو کچھ دن قبل تک کس مپرسی میں فاتحہ تک سے محروم رہی کہ جس احاطہ میں قبر تھی وہ بعد کو کسی انگریز کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ اور اُس نے اِس کو محصور و گذر بند کر رکھا تھا۔ مگر اب قبر احاطہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اور انگریزی میں نام و سنہ وفات ۱۸۶۲ء کا کتبہ لگا دیا گیا ہے جو فاعتبروا یا اولی الابصار کی تفسیر ہے۔ رہی سلطنت کے بعد غریب کی شاعری تو اس کو بھی آزادئ نصیب دشمناں کر دیا۔ مگر اس سے ان کی سخن شناسی پر بھی حرف آ گیا۔ کہ ایک تو ظفر اور ذوق کا رنگ کلام ایک سمجھا گیا ہے۔ دوسرے ذوق۔ نصیر۔ بیقرار۔ اور غالب سبھی اصلاح سخن میں شریک ہیں۔ مگر ان کا آپ اپنا رنگ الگ ہے کہ کسی سے نہیں ملتا۔ یہ بجائے خود استاد ہیں۔ ایک چھوڑ چار دیوان ان کی اُستادی کا ثبوت ہیں۔ افسوس کہ انتخاب ایک دیوان کا بھی محفوظ نہیں۔ صرف چند شعر ہی ہیں تو بھی ہمارے دعوے کے نا قابلِ انکار ثبوت ہیں۔

ہم اپنے کنج غم میں نالہ و فریاد کرتے ہیں — ہمیں کیا گر چمن میں چہچہا ہے عندلیبوں کا
ظفر احوال عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے — کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر تک تھے
مرے دل میں تھا کہ کہونگا میں جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے — وہ جب آ گیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا
دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا — ہم نے یہی پایا کہ بُرا نام نہ پایا
رہا تھا کیا وہ مجھ سے چھین کر لیتے تو کیا لیتے — دل و دیں لے چکے تھے اب اگر لیتے تو کیا لیتے
دلِ دے کے اُن کو ایسی اذیت ہوئی ہمیں — اب دل کبھی نہ دینگے نصیحت ہوئی ہمیں

برسوں گذر رہے کہ ہوئی خاک ہماری برباد — اب تو اِس کوچہ میں اے بادِ سحر خاک نہیں
جنوں میں کیا مرے پیوند پیرہن میں لگے — کہ ایک تار بھی چھوڑا ہو تو کفن میں لگے
اُسی کو دوست سمجھتے ہیں وہ جو کچھ نہ کہے — کرے جو ان سے سوال و جواب دشمن ہے

دِلّی اور نواح کے چند بے سلسلہ شُعرا

احسان صمصام الدولہ شہامت جنگ عبدالرحمن خاں نام احسان تخلص متوفی ۱۲۶۸ھ حافظ جیو مشہور استادِ شاہ دھلی و نیز اکثر شاہزادگان دھلی ان کے شاگرد ہیں ذوق سے پہلے قلعہ معلیٰ میں انہیں کی استادی کا ڈنکا تھا۔ شہزادہ مرزا معزالدین گورگانی ان کے شاگرد نے ان کا دیوان مرتب کیا۔ اور اب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے تذکرہ کیسا ان کا کلام شایع کیا ہے وہی میں نے دیکھا ہے۔ یہ اُسی کا انتخاب ہے

رکھا ہے عشق کے دریا میں اب قلم میں نے — معاف کیجو یارو کہا سنا میرا
نظر آتی ہے تری مانگ میں یوں سلک گہر — ابر میں جیسے کہ بگلے کی قطار آئے نظر
جنت میں مجھکو اُس کی گلی سے ہیں لیے چلے — کیا جانئے کہ مجھ سے ہوا آہ کیا گناہ
دشت میں مجنوں کو چھوڑا کوہ کن کو کوہ میں — نائب اپنے ہم چلے یاں چھوڑ کر واں چھوڑ کر
چین تجھ کو بھی نہو میرے ستانے والے — تو بھی ٹھنڈا نہ رہے دل کے جلانے والے
آؤں گا میں بھی کعبہ کو تم جاؤ شیخ جی — فرصت ہوئی اگر مجھے دل کے طواف سے

معزالدین شہزادہ مرزا معزالدین گورگانی ابن شاہ عالم ثانی تخلص نامعلوم شاگرد احسان ان کا بھی دیوان ہے۔ مگر ہنوز قلمی ہے۔ اور اس کا ایک ایک نسخہ کتب خانہ مولف خمخانہ جاوید نیز پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے تین شعر زینتِ بیاض ہیں ؎

جگر میں درد ہے آنکھوں سے اشک آتے ہیں — تڑپ کے چھوٹ گیا شاید آبلہ دل کا

میں نے کہا کہ دل میں مرے درد آج ہے ہاتھ سینہ پہ میرے رکھ کے کہا کیا باعث

اس قدر او بے مروّت مجھ سے استغنا تجھے جان دینی تھی مجھے دل نہ دینا تھا تجھے

آزردہ — مفتی صدر الدین خاں آزردہ متوفی ۱۲۸۵ھ ۱۸۶۸ع جامع علم و کمال مشاہیر روزگار سے ہیں۔ اُردو میں دیوان ہے یا نہیں اس کی تو خبر نہیں۔ البتہ دو چار شعر زیب بیاض ہیں۔ اور وہی تحفہ ہیں۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں یک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کامل اس فرقۂ زہاد میں اٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

گلھڑا وہ غضب زلف سیاہ فام یہ کافر کیا خاک جئے کوئی شب ایسی سحر ایسی

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے اس کو آرام اُس کو خواب نہیں

کٹتی کسی طرح سے نہیں یہ شب فراق شاید کہ گردش آج تجھے آسماں نہیں

دل نے ملا دیں خاک میں سب وضعداریاں جوں جوں رُکے وہ ملنے سے ہم بیشتر بڑھے

شہرت — مرزا حاجی بیگ شہرت شاگرد آزردہ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے مرتبہ مشاعرہ میں یہ بھی شریک ہیں۔ اور ان کی غزل مشاعرہ کا ایک شعر انتخاب ہے۔

پہلے دعوائے خدائی اُس بت کافر کو تھا کچھ درستی پر جو آج آیا تو انساں ہو گیا

معروف — نواب الٰہی بخش خاں معروف متوفی ۱۲۴۲ھ نواب لوہارو کے چھوٹے بھائی اور مرزا غالب کے خسر قصیر تتش۔ دیوان بھی ہے۔ اور سبیح زمرد ایک سلسلہ اشعار ہے کہ ایک سو ایک مطالع ہیں۔ اور کوئی سبزی کے مضمون سے خالی نہیں ایک شعر آبحیات میں ہے سہ

آج یہاں کل وہاں گذرے یونہی جاتے ہیں کہتے ہیں سب سبز رنگ اس سے ہری جگت ہیں

اور یہ بھی مذکور ہے کہ بھنورے خاں آشفتہ سے ہری جگت کا لفظ مول لیا

اور اُس کو اپنے طور پر سمجایا۔ شاہ نصیر اور ذوقؔ دونوں سے اصلاح لی ہے۔ مگر آرزو نے ظفر کی طرح ان کے کلام کو بھی ذوقؔ کا نام دے دیا۔ نصر اللہ خاں صاحب صدر محاسب سرکار عالی نے اِن کے ذکر کے ساتھ ان کا دیوان شایع کیا ہے جو نظر سے نہیں گذرا دو تین شعر زیب بیاض ہیں۔

تم اب تو دیکھتے ہو ہمیں کچھ غریب سا ٹک منہ لگا کے یار تو پھر ہم کو دیکھئے
روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم واں سے ولے مڑ کے تکتے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے
درد سر میں ہے کسے صندل لگانے کا دماغ اس کا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے

ممنونؔ فخر الشعرا نظام الدین ممنونؔ متوفی ۱۲۶۶ھ خلف میر قمر الدین منّتؔ وطن سونی پت علاقہ پانی پت دِلّی سکونت فخر الشعرا خطاب اکبر شاہ ثانی کا عطیہ ہے۔ اُستاد وقت ہیں۔ اور اردو کا ایک ضخیم دیوان ہے۔ اور خود اِن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قلمی دیوان بھی ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ مگر افسوس کہ استفادہ نہ کر سکا۔ کچھ کلام ہی نظر سے گذرا اور چند شعر ہی انتخاب ہو سکے۔

اِس مرگ پہ سو جان مری صدقے کہ دم نزع گھبرا کے تو کہے بس اب دیکھئے کیا ہو
رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت صلح کیجے بس لڑائی ہو چکی
اے بادہ آ جنبش اتنی بھی نہ تھی لازم یک ایک پارۂ دل تو نے اڑا کے چھوڑا
دل ہیں کیا کیا ہوسِ عرضِ تمنا تھی ولے تیری چتون کا وہ ڈھب مانع تقریر رہا
کس بے ادبی میں عرض ہوس ہنگامیں تھی آنکھ اس نے بزم میں نہ اٹھائی تمام شب
نہ جانا تھا کہ اس محفل میں دل رہ جائیگا ہم یہ سمجھے تھے چلے آئینگے دم بھر دیکھکر
بھری آتی ہے چھاتی یاد میں یارانِ رفتہ کی یہ دل ور اس قدر صدمے بھلا کس کس کا غم کیجے
اس ذوق سے کہتے ہیں حدیث لب ہیں گویا تیرے ہونٹوں ہی سے لیتے ہیں مزا ہم
دل گرمیاں وہ ہم سے کہاں اب کہ آجکل ہنگامۂ محبتِ اغیار گرم ہے۔

تفاوت قامت یار و قیامت میں ہے کیا مومن
وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

عیش حکیم آغا جان عیش متوطن دلی متوفی ۷۱۲۹۷ھ سلسلہ شاعری اپنا خود بتاتے ہیں۔

مجرم کا میں شاگرد وہ بیدار کا شاگرد
ہے عیش مرا سلسلہ یوں درد و اثر تک

مرزا غالب کے کلام پر ان کا اعتراضی قطعہ مشہور ہے۔

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
زبان میر سمجھے اور کلام میرزا سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

شعر ذیل میں بھی اسی خیال کا پرتو ہے ؎

پسند کرلیں جو اہل اس کو سمجھ میں آئے عوام کے بھی
غرض ہو سب کی پسند خاطر یہ ہے خوبی کلام کی بھی

ہدہد الشعراء۔ طائر الاراکین۔ کشمیر الملک منقار جنگ بہادر۔ انہی کی تخلیق ہیں کہ وہ بھی انہی کے شہ پر چہکنے لگے تھے۔ شعر کہا ہے کہ غالب کا خاکہ اڑا دیا ہے ؎

مرکز محور گردون بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح شبہ مضراب نہیں

آج کل اکثر مقلدین غالب کا بھی یہی رنگ ہے۔ حکیم صاحب نے اپنے ہم عصروں پر اکثر ایسی ہی چوٹیں کی ہیں۔ مومن خاں کے نجوم کی طرف غالباً اشارہ ہے۔

وہ بیوقوف ہیں جو لکیروں کو ہاتھ کی
کہتے ہیں ہے نوشتۂ تقدیر ہاتھ میں

دیوان بھی ہے مگر میں نے مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کا شایع کردہ ان کے حال و کلام کا تذکرہ ہی دیکھا ہے۔ اور اسی کا یہ انتخاب ہے۔

جام گل بادۂ عشرت سے لبریز ہے آج
چہچہا کرتی ہے بلبل کو نشہ تیز ہے آج
ہاتھ کو ہیلے تو اپنے کھینچ لے
پھر جدھر جی چاہے تو لیجئے پھیر کر
شب خواب میں معاملہ اس مہ جبیں سے تھا
وہ پٹ گیا جو اپنے نہ وہم و گماں میں تھا
ہے زلف سے مکھڑے پہ ظلمات کا عالم
گر چھوڑ دیں ہو شام اٹھا دیں تو سحر ہو

کیا جس کو ترک اُس سے پھر کام کیا
کہ چھوڑے ہوئے گاؤں کا نام کیا

اے عندلیب عویٰ بیہودہ پر ترے
اِک آدھ گل کا منہ نہ بسل ہیں چمن میں ہم

سب عشق میں کہتے ترے کیا کیا نہیں ہمکو
کہتے ہیں کہیں اسکی بھی پروا نہیں ہمکو

چشمِ فلگوں ہیں کہ ایڈے ہیں ستانے دو
یا بھرے ہیں ئے گل رنگ کے پیمانے دو

گردش ہے اس کی چشم مست کو ستی پلکیں ہیں
نرگس کا پھول تیر رہا ہے شراب میں

ایک ہی تیر میں شاید ہوا کام عاشق
کیونکہ آواز نہیں آئی پھر اک آنے کے بعد

جو رات شمع کو پروانہ جل بجھا چھو کر
تو شمع بولی چلا تھا مجھے موا چھو کر

اِک زلف کا بل ہو تو کہوں سینکڑوں بل ہیں
پیشانی سے ابرو تلک ابرو سے کمر تاک

مجھ سے بولے کل نشہ میں خوب بنکارے ہیں آپ
یہ نہ سمجھے اور ہی وہ بیحیا تھی میں تو تھا

طبقۂ متاخرین

(سلسلہ مصحفی و اسیر)

دور امیر مینائی

امیر امیر الشعراء امیر احمد امیر مینائی فخر اسیر مولد و منشاء لکھنؤ متوفی سنہ ۱۹۰۰ء شاہ مینا رح کے خاندان سے ہیں۔ اسی سے مینائی کہے جاتے ہیں۔

شاہ مینا رح کی درگاہ آج بھی لکھنؤ میں مرجع خلائق ہے۔ نوچندی کو اچھا مجمع ہوتا ہے۔ بزم سماع بھی گرم ہوتی ہے۔ آپ خود بھی صاحب نسبت تھے۔ اور علم و فضل کے ساتھ کمالِ شاعری سے واقعی امیر الشعرا۔ رامپور میں مفتی ریاست تھے۔ اور نواب خلد آشیاں کے استاد بھی اسی وجہ عمر عزیز کا بڑا حصہ وہیں گذرا۔ آخر وقت خاک حیدر آباد دلائی۔ حال گویا پہلے ہی آئینہ تھا۔

کیسی گھڑی تھی گھر سے جو نکلا تھا میں غریب
پھر دیکھنا نصیب نہ مجکو وطن ہوا

آتے ہی ایسے بیمار ہوئے کہ آخر یوسف صاحبؒ شریف صاحبؒ کی درگاہ آپ کی بھی آرامگاہ ہوئی۔ مزار پر آپ ہی کا یہ شعر کندہ ہے۔

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں ۔۔۔ پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

ہمراہ آئے ہوئے خلف الرشید لطیف احمد اختر مینائی و شاگرد رشید اُستاد جلیل سکرٹری امیر اللغات حیدر آباد ہی میں رہے۔ اور کچھ دن کے بعد برسر عروج ہوئے۔ مگر افسوس کہ مرحوم کی غرض تشریف آوری اب تک پوری نہ ہوئی۔ امیر اللغات کی دو جلدیں حرف الف میں مطبوعہ ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ جلدوں کی دنیائے ادب کو آرزو ہے۔ جو کیا عجب کہ دور عثمانی میں پوری ہو کہ زنگ مینائی پر حضور نظام خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی بھی نظر ہے۔

انتخاب یادگار تذکرۂ شعرائی رامپور۔ میلاد مبارک۔ مثنوی صبح ازل وشام ابد وغیرہ متعدد تالیفات کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان ہے اور مراۃ الغیب وصنم خانہ دو عاشقانہ دیوان ہیں۔ اور یہ انہیں دونوں کا ملا جلا انتخاب ہے۔

جس غنچۂ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا ۔۔۔ جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

شب وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو ۔۔۔ کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

گلے میں ہاتھ تھے شب اس پری کے واہیں تھیں ۔۔۔ سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں ۔۔۔ خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں

وصل بت ہوتا نہیں یا خدا ملتا نہیں ۔۔۔ ڈھونڈھنے پر آدمی آئے تو کیا ملتا نہیں

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سُو بدلتے ہیں ۔۔۔ جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

سر مزار غریباں ہیں جا بجا پتھر ۔۔۔ لگے نہ پاؤں کو ٹھوکر ذرا سنبھل کے چلو

پھسلے تو مجھے کہا نکالو ۔۔۔ پھر بولے غریب ہے بلالو

مدت میں شام وصل ہوئی ہے مجھے نصیب ۔۔۔ دو چار سو برس تو الہٰی سحر نہ ہو

مقام وجد ہے اے دل کہ بزم یار میں آئے ۔۔۔ بڑے دربار میں پہونچے بڑی سرکار میں آئے

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنا کی امیر — پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

انگوریں تو مے تھی پانی میں چار بوندیاں — جس دن سے کھنچ گئی ہے تلوار سو گئی ہے

تیغ ننگی بدن میں خون نہیں ؛ — کیا نچوڑے گی کیا نہائیگی

اوٹھ کے جا بیٹھا جو اُن کے پاس میں — بولے کچھ مل بیٹھنے سے مل گیا

حُسن کھلتا ہے حسینوں کا جہے جتنی نگاہ — جس قدر دیکھو اُبھرتا ہے بدن تصویر کا

رات اپنی ہے ٹھیرئیے تو ذرا — آئیے بیٹھئے گھر جائیے گا

آپ کہتے ہیں کہ جاتا ہوں — پھر اکیلے بھی تو گھبرائیگا

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ — اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں۔ دیکھتے تو ہیں — میں خوش ہوں دل میں ہوں تو کسی کی نگاہ میں

شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعر امیر — سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں

نگاہِ شوق ایسی پردہ در ہے کچھ نہیں کھلتا — کہ چلمن کے اِدھر یا وہ اُدھر چلمن کے بیٹھے ہیں

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں — وہ شکل نہ سامنے سے سرکی

خدا کی شان جو شوخی سے آشنا ہی نہ تھیں — ترس رہی ہیں وہی آنکھیں اب حیا کیلئے

نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل — تری ہمت کی کوتاہی تری ہمت کی پستی ہے

عادت تو امیر اچھی ہے فریاد و دعا کی — پر شیوۂ تسلیم و رضا اور ہی کچھ ہے

طنابیں کھینچ دے یارب زمینِ کوئے جاناں کی — کہ میں ہوں ناتواں اور دن ہے آخر دور منزل ہے

فسانہ رہ گیا حُسن و محبت کا زمانے میں — نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے نہ ناقہ ہے نہ محمل ہے

اچھی صورت کو تری دیکھ کے دل لوٹ گیا — ہائے اندھے کو نہ سوجھا کہ ہے سیرت کیسی

دیکھ پایا ہے انہیں حضرت ناصح نے کہیں — اب میں سمجھا جو غرض ہے مرے سمجھانے سے

گل گیا آخر تہِ تربت کفن — ایک جوڑا حشر تک کیونکر چلے

اختر | اختر یار جنگ لطیف احمد اختر مینائی محکمہ امور مذہبی سرکار عالی میں

معتمدی تک ترقی کی اور حال ہی میں وظیفہ حسن خدمت پر خدمت سے سبکدوش ہوئے جواب بھی حیدرآباد ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ دیوان سرانجام ہو چکا ہے جو ہنوز قلمی ہے۔ افسوس کہ شعر وہی چار زینت بیاض ہیں۔

بتاؤ حسن کا کیا کیا شب وصال نہ تھا ۔۔۔ سحر ہوئی تو وہ جوبن نہ تھا جمال نہ تھا
یہ کیا کہتے ہو ہم سا دلربا مشکل سے ملتا ہے ۔۔۔ خدا ملتا ہے بندے کو جو بندہ دل سے ملتا ہے
غیر سے آنکھیں ملاتے ہیں یہ فرماتے ہوئے ۔۔۔ چاہیئے انسان مل جل کر زمانے میں رہے

آرزو ممتاز احمد آرزو مینائی۔ یہ امیر مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ کچھ متفرق کلام دیکھنے میں آیا۔ اور ایک شعر انتخاب ہوا۔

ذرا سا دل ہے وہ کیا مجھ کو آزمائینگے ۔۔۔ کلیجہ چاہیئے عاشق کے امتحاں کے لئے

نواب خلد آشیاں نواب کلب علیخاں نواب والئی ریاست رامپور متوفی ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۷ء والیان ریاست میں ایسے باکمال ستودہ صفات اور قدر دان کم گذرے ہیں۔ آپ کا دربار دربار اکبری کی آخری یادگار تھی۔ دیوان بھی مطبوعہ ہے۔ مگر افسوس کہ نظر افروز نہیں ہوا۔ اس لئے صرف دو ہی چار شعر زیب بیاض ہیں۔

بچا ہوا تھا جو کچھ چال سے تری فتنہ ۔۔۔ بدل کے رنگ وہی گردش زمانہ ہوا
گالیاں روز تھیں پر ہم نے سنا ہے نواب ۔۔۔ اور کچھ شب کو ہوا آپ کا اعزار دینا
بھلا کیا خاک سوئے چین سے وہ کنج مرقد میں ۔۔۔ رہا ہو جس کے سر کا تکیہ دوش نازنیں برسوں
ہوئے ہونگے کسی سے وصل کے اقرار بھی شاید ۔۔۔ رہی ہم سے تو اُس بے رحم کا ذکری نہیں برسوں
اُس وقت مجھے بھول نہ جانا فلک پیر ۔۔۔ جب تجھ سے کسی کی کوئی امید بر آئے

صفدر صاحبزادہ محمد صفدر علی خاں خلف نواب محمد سعید خاں والئی رامپور متوفی ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۳ء صاحب دیوان ہیں۔ مگر دیوان نظر سے نہیں گذرا ایک شعر صرف زینتِ بیاض ہے۔

جہاں رکھی گلے پر تیغ دم لینے نہیں دیتا
تڑپنے کا مزہ کھوتی ہے جلدی میرے قاتل کی

گستاخ کرامت اللہ خان گستاخ رامپوری۔ داروغہ جیل تھے۔ اور اسی تقریب سے کچھ دن علیگڈھ میں بھی رہے اور وہیں مولٰنا حسرت موہانی سے اِن کی ملاقات ہوئی۔ اور انہیں نے اِن کے بعدِ وفات اِن کا مختصر سا دیوان بھی شایع کیا۔ اور اُردوئے معلیٰ میں اِن کے کلام پر تبصرہ بھی کیا۔ اور وہی تبصرہ میں نے دیکھا۔ اور اسی سے یہ چند شعر انتخاب ہوئے۔

کس قدر شرمائے کیسے بگڑے مجھ کمبخت پر
صبح کو لیٹے ہوئے اپنے برابر دیکھکر

اونہیں کو ستمگر نے چن چن کے مارا
جو تھے نام پر اُس کے مر جانے والے

میری دلبستگی کی کچھ تدبیر
تجھ سے اے آسمان نہیں ہوتی

میں نے کیا کیا نہ تری بات بنائی ظالم
کام کیا کیا نہ بگاڑے دلِ ناداں تونے

ابر واحد علی ابر ریاست رامپور سے ان کا تعلق تھا۔ اب ہے یا نہیں۔ اور یہ بھی اب ہیں یا نہیں مگر بیاض میں دو شعر تو ہیں۔

جی لگا کر پھر سنو نگا حرمت مے کا بیاں
شیخ جی دو گھونٹ پی لوں میں تو پھر ارشاد ہو

شرم اے جاذبِ محبت دیر تک آکر وہ پھرے
کچھ کرامت تجھ میں گر ہوتی تو آکر بیٹھتے

برہم حکیم عبدالکریم برہم مرحوم وطن فتحپور (دبسوان) ضلع بارہ بنکی امیر کے شاگردوں میں بھی نامور ہیں اور اخباری دنیا میں مشہور ہیں۔ اخبار مشرق گورکھپور کے ایڈیٹر تھے۔ مجموعی کلام نہ اب تک چھپا نہ دیکھنے میں آیا۔ رسائل میں کچھ غزلیں کبھی دیکھنے میں آئیں۔ اور یہ دو چار شعر بیاض میں محفوظ رہ گئے۔

تیرے ملنے کی آس کچھ بھی نہیں
موت سے اب ہراس کچھ بھی نہیں

حسن ہر عیب کا پردہ ہے حسینوں کیلئے
ہوں بُرے بھی تو یہ غارتگرِ دیں اچھے ہیں

گلشن ہی چھوٹ گیا تو گلہ سختیوں کا کیا
الجھاؤ دام سے ہو کہ رہنا قفس میں ہو

وہ چتون یہ کیا مجھکو سمجھا گئی | کہ نکلی ہوئی جان پھر آ گئی

جاہ نواب سید بنیاد حسین جاہ کانپوری۔ صاحب دیوان ہیں۔ اور دیوان نظر سے گذرا ہے۔ مگر انتخاب ہیں اب صرف دو ہی شعر باقی ہیں۔

علاقہ عشق کا ممکن نہیں مرنے پہ بھی جائے | جہاں ذکر آئیگا تیرا مرا بھی نام آئیگا

کیوں جائیں کیوں اٹھیں نہیں آتی ہے آئی نیند | ہم بھی پڑے رہینگے کنارے پلنگ پر

عارف یہ جاہ کے بھائی ہیں۔ یہ بھی صاحب دیوان ہیں۔ اور ان کا بھی دیوان نظر سے گذرا ہے۔ انتخاب کی بھی یہی صورت حال ہے۔

نفرت ہی سہی میرے کمالوں سے فلک کو | سیکھونگا ابھی اس کے جلانے کو ہنر اور

روٹھے ہوئے مدت سے چلے آئے ہیں عارف | کیا چیز ہے کمبخت غریبوں کی دعا بھی

حفیظ حافظ محمد علی نام حفیظ تخلص جونپور وطن۔ دیوان بھی ہے۔ اور نظر سے گذرا ہے دیوان پر دبدبۂ آصفی میں استاد جلیل کا تبصرہ بھی۔ اوس میں مذکور ہے کہ ان کا دیوان کل کا کل استاد امیر کی نظر سے نہیں گذار۔ انتخاب ہدیہ ہے۔

جہاں دیکھو وہاں کچھ ذکر ہے اپنی محبت کا | برا ہے آدمی کے واسطے بدنام ہو جانا

جس جگہ بیٹھ گیا آپ ہوں اپنی رونق | ایک ہنگامہ ہے گو بے سر و سامان ہوں میں

شیخ جی اور ملا لیجئے تھوڑا پانی | ہلکی ہو جائے کڑی ہے مرے پیمانے کی

بگڑتے دیر ہوتی ہے نہ بنتے دیر ہوتی ہے | مزاج یار سے ملتا جلتا ہے زمانہ بھی

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی | نہ انکی دشمنی اچھی نہ انکی دوستی اچھی

اس قدر ناحق حساب حشر نے ستا رکھا ہیں لوگ | میری پرسش ہو چکیگی تب تو نوبت آئیگی

اک ہدایت کا سبق ہے داستاں میری حفیظ | جس کے کانوں میں پڑیگی اوس کو عبرت آئیگی

اللہ سے نسبت ہے اک طرح محبت کو | دیکھو تو سوا اس کے جو چیز ہے فانی ہے

آہ ممتاز علی آہ آمیٹھی ضلع لکھنؤ وطن۔
امیر کے شاگردوں میں نامور ہیں۔ استاد جلیل کا ارشاد سند ہے ؎

یاں لن ترانیاں تری بیکار ہیں جلیل — دیکھے ہوئے ہوں آہ ریاض و جگر کو میں

دیوان یا مجموعہ کلام نظر سے نہیں گذرا کچھ غزلیں ہی دیکھنے میں آئیں مگر بیاض میں دو ایک شعر ہی محفوظ رہے۔

وہاں اب بات بھی کرنا ہے مشکل — میں بولا اور وہ بولے بس یہ بولے
ہٹ گیا آنچل تو عمر سے نے کہا چل دور ہو — تو نے کی اور تجھ سے جوبن کی نگہبانی ہوئی

وسیم سید محمد عسکری وسیم خیرآبادی متوفی ۱۳۴۷ھ۔
ریاض کے بھائی ہیں۔ رتبۂ استادی رکھتے تھے۔ ان کی اکثر اصلاحیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ مگر مجموعہ کلام کچھ نظر سے نہیں گذرا۔ اور بیاض میں صرف دو ہی شعر نکلے۔

پھر نظر تھی واعظِ خانہ خراب کی — ٹوٹی ہے کیا تڑاق سے بوتل شراب کی
تم کریدو گے اگر خاک دھواں اٹھیگا — کچھ ابھی دل کی لگی ہم نے دبا رکھی ہے

مضطر افتخار حسین مضطر حیدرآبادی۔
یہ خود بھی مشہور ہیں۔ اور ان کا کلام بھی! افسوس کہ دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ ہندی بھی کہتے تھے۔ ان کی ایک ٹھمری ؎

چھا گئی کالی گھٹا پیا را مورا لہرائے ہے

ارباب نشاط کی زبانوں پر ہے۔ ریاست ٹونک سے ان کا تعلق تھا۔ اور غالباً وہیں انتقال بھی ہوا۔ وطن خیرآباد ہے جو مضافات لکھنؤ میں ہے۔ اور ترس رہے ہیں لکھنؤ کو ؎

خدا دکھائیگا مضطر وطن نہ گھبراؤ — جو زندگی ہے تو دیکھیں گے لکھنؤ آنکھیں

باقی دو چار شعر اور انتخاب ہیں۔

وہ جھوٹ موٹ شبِ وصل روئے ہیں پہروں | بَلی گئی ہیں ہتیلی سے جیل جو آنکھیں
کسی کے دردِ محبت نے عمر بھر کے لئے | خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے
ہے یہی یاس تو کچھ دن میں جدائی تیری | سببِ راحت و آرام ہوئی جاتی ہے
چھانا ہے جگر میری دعاؤں نے فلک کا | پیسا ہے کلیجہ مرے نالوں نے زمیں کا

ریاض

ریاض احمد ریاضؔ خیرآبادی۔

یہ بے فصل کا گلاب تھے افسوس یہ کیا خزاں ہو گئے کہ شاعری ہی خزاں ہو گئی۔ جو ان کے دم سے تھی۔ خود بھی زبانِ حال ہیں ؎

شاعری ہے ریاضؔ کے دم تک | پھر کہاں لوگ اِس طبعیت کے

میں نے بھی تاریخ کہہ کر ان کا حق ادا کیا۔

اٹھ گئے کیا رنگ کے شاعر ریاضؔ | میکدہ کا رنگ ہی جاتا رہا
کہئے کیا تاریخ سرِ آہ سے | شاعری کا لطف ہی جاتا رہا
۱۳۵۳ھ

ان کو گلِ رعنا میں امیر کا شاگرد لکھا ہے۔ ممکن ہے ان سے بھی اصلاح لی ہو مگر میں نے ریاضؔ کا خود نوشتہ تذکرہ نگار میں دیکھا ہے۔ اس میں بھی اُنھوں نے اپنے آپ کو امیر کا شاگرد لکھا ہے۔ اُستاد جلیل کے دیوان کی جو تاریخ کہی ہے اس میں بھی امیر کو اپنا اُستاد مانا ہے۔ اور استاد جلیل سے بھی میں نے یہی سنا ہے خود ان کا یہ قطعہ بھی زبان حال ہے۔

مست مینا ہوں پیا ہے میں نے | جام امیر احمد مینائی کا

باقی یہ امیر کے وقت سے مشہور ہیں۔ اور میخانہ سخن کے واقعی پیر مغان تھے اور طرز ادا میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ تعجب بھی تھا اور افسوس بھی کہ ان کا کلیات دیوان کچھ بھی اب تک نہ چھپا۔ مگر اب قاضی تلمذ حسین صاحب کی قلمبند کی ہوئی

داستانِ دیوانِ ریاض سنکر عبرت بھی ہوئی۔ اور مسرت بھی کہ بحمداللہ دیوان زیر طبع ہے اور اشعار بلا دیوان بھی زبانوں پر ہیں مقطعوں کی شان ہی کچھ اور ہے۔ اور سلسلہ وار ہی اِن کا لطف بھی ہے۔

"مقطعے"

دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاض پر
کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

پھرتا تھا اس گلی میں عجب وضع سے ریاض
اِک پشتِ خار ہاتھ میں اور سر مُنڈا ہوا

کعبہ سنتے ہیں کہ گھر ہے بڑے داتا کا ریاض
زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

ہم سمجھتے ہیں کہ ہے عابد و مُرتاض ریاض
لوگ کہتے ہیں اُسے چور ہے میخانہ کا

جو کھِلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاض
جو کلی رہ گئی کھِلنے سے بنی دل میرا

کافر حسیں بلا سے خفا ہوں ہوا کریں
ہم سے خفا ریاض ہمارا خدا نہ ہو

توبہ کر کے آج پھر پی لی ریاض
کیا کیا کمبخت تو نے کیا کیا

خدا کا قہر ریاض تیرے تعشق پر
کہ سن کے ذکر بتاں آدمی نہیں رہتا

اِک زمانہ جسے کہتا تھا کہ کافر ہے ریاض
وہی بدکیش بڑا مردِ مسلماں نکلا

راہی خلد ہوئے میکدے میں آج ریاض
خُم کدھر سجدہ کریں کعبۂ ایماں نہ رہا

میکدے میں عید کے دن ہی کوئی ایسا ریاض
ایک چُلّو دے کے لے لے تیس روزوں کا ثواب

خدمتِ شمع فروزی مرے دم تک تھی ریاض
کیسی تاریک ہے بزم شعرا میرے بعد

پیری میں ریاض اب بھی جوانی کے مزے ہیں
یہ ریشِ سفید اور مئے ہوش رُبا سُرخ

ہم بھی گئے تھے آج مزارِ ریاض پر
پژمردہ چند پھول تھے اِک اشکبار شمع

بڑے نیک نیت بڑے پاک باطن
ریاض آپ کو کچھ نہیں جانتے ہیں

کمر سیدھی کرنے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاض آ رہے ہیں

ریاض اس کو نہ پوچھو وقت سے اس کا تعلق ہے — کبھی پی چھپ کے خلوت میں کبھی پی گھل کے محفل میں

قدرداں گوہرِ سخن کے ریاض — مرا منہ موتیوں سے بھرتے ہیں

مئے ریاض آپ ہی پیتے ہیں با ریش سفید — ہائے یہ نور کی شکل اور یہ کاروں ہیں

وہ دن کہاں ریاض وہ باتیں کہاں ریاض — بیٹھے ہوئے کسی کی بلائیں لیا کریں

یہ جتنے پینے والے ہیں ریاض ان سب کے مرشد ہیں — ہمیشہ جام مئے میں نورِ حق کا دیکھنے والے

نشہ مئے سے جواں بنتے ہیں پیری میں ریاض — وقت ہے توبہ کریں اب قبر کا ساماں کریں

دیکھکر ہنستے ہو کیا تم صورتِ پاکِ ریاض — یہ بڑے پہنچے ہوئے اللہ والے لوگ ہیں

کیوں بلائیں لیکے منہ چوما دمِ تزئیں ریاض — اُٹھ گئے وہ پھینک کر شانہ پٹک کر آئینہ

چلتے ہیں جب ریاض تو کچھ جھومتے ہوئے — جیسے پئے ہوئے کوئی مستِ شباب ہو

مانے نہ مانے کوئی مگر یہ کہیں گے ہم — جانِ سخن ریاض جہانِ سخن میں ہے

ہم تو کیا جائینگے وطن کو ریاض — اب ہماری خبر ہی جائیگی

شرماؤ ریاض میکشی سے — لمبی داڑھی ہے ہاتھ بھر کی

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشتِ شباب — جوان ہونے کو پیری میں لکھنؤ آئے

ہے ریاض اِک جوان مستِ خرام — نہ پئیے اور جھومتا جائے

مئے سُرخ ابرِ سیہ سبزہ کہاں ریاض — یہ کوئی چیز نہیں توبہ اگر ٹوٹ نہ جائے

یادِ احباب کو آجاتے ہیں مرحوم ریاض — میکدے سے جو کوئی مستِ شباب آیا ہے

کل ہم گئے تھے دیکھ کے آنسو نکل پڑے — بے شمع و گل ریاض کی تربت چمن میں تھی

"مطلع"

مے نورِ خدا ہوتی دل عرشِ خدا ہوتا — تھوڑی سی جو پی لیتے کیا جانیے کیا ہوتا

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

پھول ہے لالۂ صحرائی کا ۔ یا کلیجہ ترے سودائی کا

لہو بے کس کا مقتل کی زمیں پر ۔ نہ دامن پر نہ اُن کی آستیں پر

کوئی منہ چوم لے گا اِس نہیں پر ۔ شکن رہ جائیگی یونہی جبیں پر

کبھی بے توبہ میں نے پی ہی نہیں ۔ توبہ یوں کی کہ جیسے کی ہی نہیں

خیالِ شب غم سے گھبرا رہے ہیں ۔ ہمیں دن کو تارے نظر آرہے ہیں

اُترتی ہی نہیں کچھ طور کی باتیں مرے دل میں ۔ پہاڑ ایسے چھپے کتنے ہیں میری آنکھ کی تل میں

چشم و دل ہیں مقام خلوت کے ۔ آؤ پردے پڑے ہیں غفلت کے

کسی سے وصل میں سنتے ہی جان سوکھ گئی ۔ چلو ہٹو بھی ہماری زبان سوکھ گئی

دن ہجر کے نہ رات رہی وصل یار کی ۔ کیا انتہا ہے گردش لیل و نہار کی

جو ہم آئے تو بوتل کیوں الگ پیر مغاں رکھدی ۔ پرانی دوستی بھی طاق پر اے پیر مغاں رکھدی

مرے حصہ کی مجھے مل جائیگی مے خانے سے ۔ اُڑ کے آجائیگی ساقی ترے پیمانے سے

یار کے بند قبا آہستہ وا کرنے کو تھے ۔ چوری چوری کچھ نہ پوچھو رات کیا کرنیکو تھے

"اشعار"

یہ اپنی وضع اور یہ دشنامِ مئے فروش ۔ سُن کر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

تھوڑی پیتا ہوں بڑھاپے میں بھی ۔ کہ سبب ہو یہ توانائی کا

وہ کافر حرم میں تھا ہم میکدے میں ۔ جو کعبہ میں ہوتے تو ایمان جاتا

اے رند کام ابر کا لو رنگ میں بادہ نوش ۔ تو مجھ فقیر مست کا کمبل اُٹھا تو لا

راہ سے کعبے کی ہم نے ریزۂ مینا چُنے ۔ کیا عجب اس کے عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

اِک سر پہ شیخ جی کے لگائی تراق سے ۔ پھر ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

قفس سے ہم چلے بجلی سے بھی تیز ۔ وہ پہونچی ہم نہ پہونچے آشیاں تک

آشیانے میں قفس خانۂ صیاد چمن
ہوگئی اور زمانے کی ہوا میرے بعد

گذرے کتنے ہی جم و خسرو و پرویز کے دور
کبھی خالی نہ رہا جام مرا میرے بعد

ہمیں ہے گھر سے تعلق اب اسقدر باقی
کبھی جو آئے تو دو دن کو مہماں کی طرح

شریک درد تو کیا باعث اذیت ہیں
وہ لوگ جن سے روابط تھے جسم و جاں کی طرح

رُخ پر ہوا سے آتی ہے بار بار زلف
گُل انجمن میں ہوتی ہے بار بار شمع

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اُڑا
ہم گُل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

بند آنکھیں ہوں مری آنکھوں میں صورت آپ کی
نزع میں آپ اس طرح مشکل مری آساں کریں

ہیں مزے کی اے دل بیتاب تیری شوخیاں
چل حسینوں پر تجھے صدقے کریں قرباں کریں

جناب شیخ نے پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

یہی چراغِ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول
اب ان کے نقشِ قدم بھی سر مزار نہیں

یہ کمبخت اک جہانِ آرزو ہے
نہ ہو کوئی ہمارا دل ہو ہم ہوں

ہم نے بھی ان حسینوں کو چھیڑا ہے اسقدر
ایسا بھی کوئی ہے جو ہمیں کوستا نہ ہو

اظہارِ آرزو کوئی ایسی خطا نہ تھی
کیوں تیوریاں چڑھی ہیں کوئی بات بھی تو ہو

دل نہ مانا حضرت واعظ کو آتا دیکھ کر
کچھ یونہی تھوڑی سی پی لی دل لگی کے واسطے

مزے کی چیز ہے یہ مجمع حشر
حسیں کیا کیا گذرتے ہیں نظر سے

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانے میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

یہ دن یہ سن یہ جوانی یہ حسن کا عالم
جو دیکھ لیگا تمہیں دل میں گدگدی ہوگی

اُتر گئی سرِ بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہوں گے اُدھار پی ہوگی

نسیم اب آئی ہے شمع مزار گُل کرنے
وہ سحر ہونے سے پہلے ہی جل بجھی ہوگی

دبی زبان سے میرا بھی تذکرہ کرنا
کلیم طور پر اُن سے جو گفتگو آئے

کاٹے کٹتی نہیں مجھ رند سے برسات کی رات — میکدے والی ملے آج تو کچھ کام چلے
اب مجرمانِ عشق میں باقی ہوں ایک میں — اے موت رہنے دے مجھے عبرت کے واسطے
مینائے سُرخ اور یہ جامِ زمرّدیں — کون اِن کے ہوتے سیر کرے کہسار کی
خُم کیا ہے گھر بھی کوئی جو بھرے شراب سے — نیت کبھی بھر گئی نہ مجھ بادہ خوار کی
جامِ مئے توبہ شکن توبہ مِری جام شکن — سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے
شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے — ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے
رُوکتی ہے مجھے پینے سے مِری ریش سفید — اب تو پیتے ہوئے مجھکو بھی حجاب آتا ہے
گلے ملنے کے اِن کافر حسینوں سے یہی دن ہیں — جوانی جب گلے ملتی ہو آآکر لڑکپن سے
ہمارے زمزمی میں آبِ زمزم بھی ہے وہ شے بھی — ہوئے ہیں جمع اس میں آگ پانی دیکھتے جاؤ
کس قدر تاثیرِ صحبت سے رہا خوبوں میں فرق — غنچہ وگُل میں رہے تم ہم عنا دل میں رہے
چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی — پسلی پھڑک اٹھی نظرِ انتخاب کی
صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا — جب اُڑتے کو ہم شاخ سے پر تول رہے تھے
صیاد گھر ترا مجھے جنت سہی مگر — جنت سے بھی سوا مجھے راحت چمن میں تھی
نسخہ بیاضِ ساقی کوثر سے مل گیا — گھر بیٹھے اب تو بادۂ کوثر بنائینگے

جلیل

فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیلؔ متوطن کڑا مانک پور ضلع الہ آباد مقیم حیدر آباد جانشین امیرؔ مینائی اُستاد شہر یار دکن۔

ہم آپ کیا سلطان العلوم حضور نظام نے آپ کو امام فن مانا اور آپکے سرآمد روزگار خواجہ تاش ریاضؔ مرحوم نے آپ کو امیرؔ کا جانشین تسلیم کیا ہے

جلیلؔ اُستاد کے تم جانشیں ہو — تمہیں کہتے ہیں ہم اُستادِ فن بھی
طبیعت میں وہی اُستاد کا رنگ — وہی شوخی وہی لطفِ سخن بھی
سمجھتا ہے تمہیں سرمایۂ ناز — ریاضِ خوشنوا شیریں سخن بھی

تمہیں سب جانتے ہیں مانتے ہیں — نہ اہلِ لکھنؤ اہلِ دکن بھی

نثر میں کتاب تذکیر و تانیث معیارِ اردو و سوانح امیر نیز نماز وغیرہ کے دو ایک رسالے ہیں۔ دیگر اصنافِ سخن ہرچند ابھی محفوظ ہے۔ تاہم دربار۔ دربارِ لعل و گہر وغیرہ اکثر قصیدے تاریخیں قطعہ منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ تاجِ سخن۔ جانِ سخن دو عاشقانہ دیوان مقبولِ عام ہوچکے ہیں۔ یہ انہیں کا مختصر سا انتخاب ہے۔

انتخاب تاجِ سخن

اس ادا سے وہ چلے مستانہ چال — سایہ گھڑیوں خاک پر لوٹا کیا

ہر وقت ہیں موت کی دعائیں — اللہ رے لطف زندگی کا

میں نے جو تمہیں چاہا کیا آئیں خطا میری — یہ تم ہو یہ آئینہ انصاف ذرا کرنا

گو جان نہیں ہم میں ہے آن وہی باقی — جو دل میں ہوا کہنا جو منہ سے کہا کرنا

جی بہلنے کو لوگ سنتے ہیں ٭ ٭ — ٭ ٭ دردِ دل داستاں ہے گویا

دیکھنا یہ کون آیا بزم میں دامن کشاں — شمع بجھ کر رہ گئی پروانہ جلکر رہ گیا

نہ مانیں وہ ہماری کچھ گلہ اس کا نہیں لیکن — قیامت ہے نہیں ہو جائے دم بھر میں ہاں ہوکر

نہ کی وہ بات جس سے سختیاں سہتے رقیبوں کی — سلامت ہم رہے بتیس دانتوں میں زباں ہوکر

وہ گویا آئینہ میں عکس کو اپنے سکھاتے ہیں — یہ تیور یہ ادا یہ تمکنت یہ شان پیدا کر

مزاج اب ہے کہ آجائے کہیں انکی طبیعت بھی — ذرا وہ بھی تو جانیں کروٹیں کیونکر بدلتی ہیں

دعا یہ ہے کہ تو دن دن بڑھے اے کاکلِ مشکیں — غریبوں کے ہزاروں دل ترے سایہ میں پلتے ہیں

جلیل احباب کی فرمائشوں سے ناک میں دم ہے — سمجھ رکھا ہے سب نے شعر بھی سانچے میں ڈھلتے ہیں

اداسی بیکسی سب کو ہیں سر پھوڑنا اپنا — لگے ہیں لعل کیا ایسے ہمارے سنگِ مدفن میں

سنا تھا ہم نے کہ ٹھنڈک سے نیند آتی ہے
مگر یہ دیدۂ تر آشنائے خواب نہیں

جتنے آئے آئے تنہا جو گیا تنہا گیا
کون کس کا آشنا ہے آشنا کہنے کو ہیں

میں تو سنتا ہوں تمہیں بھی ہے محبت مجھ سے
سچ کہو تم کو مرے سر کی قسم ہے کہ نہیں

عجیب حسن ہے ان سرخ سرخ گالوں میں
مئے دو آتشہ بھری ہے دو پیالوں میں

امید و یاس نے جھگڑے میں ڈال رکھا ہے
نہ جینے والوں میں ہم ہیں نہ مرنے والوں میں

دغا کی ہے مقدر نے کہاں غربت نصیبوں سے
ادھر رستے میں کانٹے ہیں ادھر تلووں میں چھالے ہیں

نصیب سے کہیں مرنا کسی پہ ہوتا ہے
مزا جو اس میں ہے وہ عمر جاوداں میں نہیں

جوان و پیر کا ملنا بھی کوئی ملنا ہے
ابھی تھا تیر کماں میں ابھی کماں میں نہیں

لاش پر رونے سے بھڑکی اور رسوائی کی آگ
خاک ڈالو خاک پانی سے بجھا سکتے نہیں

وصل کا دن ہے مختصر کیا
لگ گئے جیسے آفتاب میں پاؤں

خیال آتا ہے دل میں اس طرح لطف جوانی کا
سبق بھولا ہوا جس طرح لڑکے یاد کرتے ہیں

ہمیں تو اس کے کوچے میں کسی صورت بسر کرنا
کھڑے ہیں یا پڑے ہیں یا پس دیوار بیٹھے ہیں

جھلک پردے کی دیکھی ہوگی جس پر لوٹ ہیں موسیٰ
وہ صورت کیا دکھاتے ہیں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں

کوئی ایسی ہی ہے صورت تیرے صدقے ساقی
رکھ لوں میں دل میں اٹھا کر تیرے میخانہ کو

شوخی نے کر دیا ہے بہت دن سے بے حجاب
اب وہ فقط نباہ رہے ہیں حیا کے ساتھ

اب تو وعدے کو بھی مدت ہو چکی
کب غریبوں کی دعا لی جائے گی

قبر میں بھی ہوگا روشن داغ دل
چاند پر کیا خاک ڈالی جائیگی

دھڑکتے دل کو رکھ لو جیب میں تم
کوئی پوچھے تو کہدینا گھڑی ہے

آئینہ پر مری آنکھوں کو نہ کیوں شک آئے
سب اسی نے تو مزے تیرے تو نے کیلئے

گرمی کا زمانہ ہو کہ جاڑوں کا زمانہ
ہم نے کبھی چھوٹی شب فرقت نہیں دیکھی

آئینہ میں کیا چیز ابھی دیکھ رہے تھے
پھر کہتے ہو اللہ کی قدرت نہیں دیکھی

نگاہوں سے ملاتا ہوں نگاہیں اس تمنا میں
وہ میرے دل میں آ جائے جو ان آنکھوں میں بستی ہے

کیا کیا ہیں گُن جلیل کے دل میں بھرے ہوئے
صورت جو دیکھئے تو بڑے پارسا کی ہے

یہ کیا تم کہہ گئے مہر و وفا کا نام عنقا ہے
ذرا سوچو تو دل میں ایسی باتیں مہرباں ہم سے

اُن کی صورت دیکھ لی خوش ہو گئے
اُن کی سیرت سے ہمیں کیا کام ہے

اللہ رے تجلی کہ رُخِ یار کے آگے
یوں شمع ہے محفل میں کہ محفل میں نہیں ہے

اغیار پھر اغیار ہیں باتوں پہ نہ جاؤ
جو اُن کی زبانوں پہ ہے وہ دل میں نہیں ہے

وصال ہو یا رہے جدائی تمھاری اے جان جیسی مرضی
جو اپنی حالت تھی ہم نے کہہ دی اب آگے میری مجال کیا ہے

بہت رہ چکے حضرتِ غم یہاں
کرم کرتے اب اور گھر دیکھتے

ایک برچھی سی لگی ہے جگر دل پہ جلیل
کبھی غربت میں وطن کی جو ہوا آئی ہے

کہیں کیا اضطرابِ دل زباں سے
رہے جاتے ہیں سب پہلو بیاں سے

جلیل ایسا نہ سمجھے تھے تمہیں ہم
یہ باتیں آ گئیں تم کو کہاں سے

کہہ دو یہ کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

تشبیہہ اُس مست کی لیتا ہے مانی
مزا دے جائے گی لغزش قلم کی

کہاں پیری میں وہ روشن بیانی
زباں تو ہے چراغِ صبحدم کی

غلط ہے کوئی دل نہیں باوفا
تمھارا نہ ہوگا ہمارا تو ہے

اپنے دل سے پوچھنی تھی مرگِ شیریں کی خبر
کیا کہیں فرہاد کو رہ گئی اُستاد سے

انتخاب جانِ سخن

تا شاد رہ گیا نہ دل شاد رہ گیا
چرچا ستم کا اُو ستم ایجاد رہ گیا

نگاہِ بد سے بچائے رہے خدا تم کو
ادا کی دھوم ہے شہرہ ہے دلربائی کا

جی چاہتا ہے پھر کوئی تجھ سے کروں سوال
تیری نہیں نہیں نے غضب کا مزا دیا

وعدہ کرکے اور بھی آفت میں ڈالا آپنے
زندگی مشکل تھی اب مرنا بھی مشکل ہوگیا

کچھ کرکے دعا اٹھ گئے بالیں سے ہماری
گویا وہ ہمیں سونپنے آئے تھے خدا کو

دنیا سے اٹھاکر دل میں نے تمہیں چاہا تھا
افسوس نہ کی تم نے کچھ قدر محبت کی

حسن کا دامن کہیں چھٹتا ہے دستِ عشق سے
میں ہوں پروانہ وہاں تو شمع جس محفل میں ہے

غرض کے آشنا ہیں آشنا سب بزم عالم میں
جہاں شیشہ ہوا خالی جدا پیمانہ ہوتا ہے

ستم کی چال ستم کی ادا ستم کی نگاہ
ترے ستم کا ستمگر کوئی حساب بھی ہے

یہی شوخی ہے تو ٹھہریگی نہ چہرے پہ نقاب
ایک دو روز کا پردا ہی یہ پردا کیا ہے

آفریں حضرتِ دل آپ کی دانائی پر
یہ نہ سمجھے کہ محبت کا نتیجہ کیا ہے

نتیجہ تم نے دیکھا دل جلوں پر ظلم کرنیکا
تمھاری بزم پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

برے ہیں یا بھلے پھر بھی ہمارا دم غنیمت ہے
کہ دنیا اب وفاداروں سے خالی ہوتی جاتی ہے

قدم جب رشک کے آئے تو لطفِ آشنائی کیا
مرے دشمن ملیں اس سے ملے جو میرے دشمن سے

میں بھی اُس پر مرمٹا ناصح تو کیا بیجا کیا
اِک مجھے سودا تھا دنیا بھر کو سودائی نہ تھی

سچ کہا ناصح یہ تو نے زہر قاتل ہے شراب
ہم بھی کہتے تھے یہی جبتک بہار آئی نہ تھی

لطف سے گذری ہماری خانۂ صیاد میں
ہم قفس تھے اور بھی کچھ قید تنہائی نہ تھی

دیکھ لو شمع یہ جلتے ہوئے پروانے کو
ایسے ہوتے ہیں جو ہوتے ہیں محبت والے

تازہ کلام

سختیاں قید کی سب سہہ گئی بلبل لیکن
اڑ گئی روح یہ کہکر کہ چمن یاد آیا

پھر کہاں یہ رنگِ محفل پھر کہاں لطفِ شراب
اور بھی اِک دور اے ساقی کہ جاتی ہے بہار

ٹوٹ کر کب شراب کی بوتل ؛ لخت دل پارۂ جگر نہ ہوئی

عثمان ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصف سابع سلطان العلوم حضور نظام میر عثمان علیخاں بہادر شہریار دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ ارشاد حضور میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

سلاطینِ سلف سب ہو گئے نذرِ اجل عثماں ؛ مسلمانوں کا تیری سلطنت سے ہے نشاں باقی

فارسی میں بھی فکر سخن فرماتے ہیں اور اردو میں بھی۔ اردو کا ایک دیوان طباعت سے نور آگیں ہو چکا ہے۔ مگر عام نظریں اس کو نہیں پا سکتیں۔ ہرچند رسائل۔ اخبار اور جرائد میں کلام فصاحت التیام عام طور پر نظر افروز ہوتا رہتا ہے پھر بھی بلا اجازت مجال اشاعت نہیں اور طبع لطیف کی ایک جھلک ہی کافی بھی ہے عشق رسول مقبول صلعم میں کیا ڈوبے ہوئے ہیں۔ کہ مقطع عموماً جام کوثر ہوتے ہیں جو اگر جمع کئے جائیں تو ایک مستقل نعتیہ دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ اللہ اللہ کیا شوق ذکر پاک ہے ؎

عثماں محال ہے جو چھٹے ذکرِ مصطفےٰ ؛ جب تک مری زبان میں طاقت بیاں کی ہے

اور سبحان اللہ بھروسہ بھی کیا بھروسہ ہے ؎

شفاعت پہ ایسا بھروسہ ہے عثماں ؛ کہ ہم شرطِ روزِ جزا باندھتے ہیں

باقی غزلیں کی غزلیں مرصع ہیں۔ اور یہ دو چار شعر نگین بیاض ہیں۔

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھے ہیں ؛ وہ شکل موت ہے ہم جس کو خواب سمجھے ہیں
ہوائے عشق میں غارت گر شکیب و سکوں ؛ تجھی کو اے دلِ خانہ خراب سمجھے ہیں
جو آپ بزم میں چھلکا رہے ہیں ساغر کو ؛ اسے بھی کیا مری چشم پُرآب سمجھے ہیں
مضموں طرح طرح کے مری داستاں میں ہیں ؛ دیکھی کسی نے ایسی کتاب آج تک نہیں
شمع پروانہ میں اچھی پھوٹ ڈالی آپ نے ؛ آگ وہ دونوں میں لگا کر خود کنارے ہو گئے

شبِ دوشینہ کی بدمستیاں ہیں کیا کہوں ساقی
نکل آیا ہے دن اور ہے ابھی خوابِ گراں باقی
(بہ سلسلہ ناسخ)

دورِ جلال

جلال سید ضامن علی جلال تلمیذ فتح الدولہ برق شاگرد ناسخ متوفی ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۹ء سرمایۂ زبان اردو مفید الشعراء رسالہ تذکیر و تانیث۔ قواعد المنتخب اردو لغات وغیرہ چند در چند تالیفات ہیں چار دیوان ہیں۔ سلسلہ در سلسلہ ان کی شاعری کا سلسلہ دورِ حاضر تک قایم ہے۔ امیر و داغ کے ہمعصر ہیں۔ کچھ دن دربارۂ رامپور سے بھی متعلق رہے۔ ورنہ ہمیشہ لکھنؤ ہی میں رہے۔ دو ایک دیوان نظر سے گذرے مگر انتخاب اب کہاں ہے۔ چند شعر ہیں اور وہی نذر ہیں۔

سلامت رہو کیا لگائی ہے ٹھوکر
بنا ہی نہ تھا جیسے مدفن کسی کا

شبِ وصال یہ اندھیر کیا کیا میں نے
کہ اس کو لے کے تہہ آسماں نکل آیا

نقشِ قدم پکارتے ہیں راہِ عشق میں
مٹ جائے حوصلے جسے نام و نشاں کے ہیں

کیا بُری ہوتی ہے کمبخت اس دلِ عاشق کی چاہ
رہ گئی تو جان لی نکلی تو رسوائی ہوئی

شوقِ گلشن کے یہ معنی تھے کہ اے مرغِ قفس
کٹتے جاتے پر پرواز نکلتے جاتے

بزم میں کیا تماشے ہوتے ہیں۔
جام ہنستے ہیں شیشے روتے ہیں۔

فلک اتیرے جگر کے داغ ہیں ہم
مٹائے جا مٹاتا ہے جہاں تک

شغل گر ڈھونڈھتے ہو دل کے بہلنے کیلئے
دل میں آ بیٹھو کلیجہ مرا ملنے کیلئے

گردش تھی جو آج ذرا اپنے بخت کی
مضطر ہے آسماں کہ مرا کام بند ہے

دلِ ناکام کو ہم کھو کے بہت پچھتائے
کام اس سے بھی نکل جاتے تھے بیکار نہ تھا

اس سے کچھ ذکر مرا بھی دلِ ناشاد رہے
وقت پر بھول نہ جانا یہ تجھے یاد رہے

تو نے آج اُو بیوفا کیا جاتی دنیا دیکھ لی | راہ پر آنے لگا عہد وفا ہونے لگے
نہ ہو برہم جو بوسے بے اجازت لے لیا میں نے | چلو جانے دو بیتابی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے
کلیجہ کوئی تھام کر رہ گیا ہے | اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

آرزو سید آرزو حسین آرزو عرف منجھو صاحب لکھنوی شاگرد جلال۔ فغان آرزو نام ایک دیوان ہے۔ ایک کتاب نظام اردو بھی ہے۔ کلام متفرق ہی دیکھنے میں آیا دیوان نظر سے نہیں گذرا دور حاضر کے مشہور شعرا میں ہیں ٹھیٹ اردو کی بھی ایک طرح نکالی ہے۔ ؎

ایک نہ سننے والے سی کہنا تھر سے سر ٹکرانا ہے | بات بھی وہ جو ڈرتے ڈرتے ہو ادھوری منھ تک آئے

باقی دو چار شعر انتخاب ہیں۔

بھری آتے ہی کس نے ہچکیے سسکی | بدلنے لگا کروٹیں مرنے والا
پابند رضا ہم ہیں دیں جان تو کیونکر دیں | تلوار انہیں دیکر خود ہاتھ کٹا بیٹھے
مجھکو میری روش مٹاتی ہے | پاؤں کی خاک سر پہ آتی ہے۔
چپ رہ کر سے چھپا رہا ہوں درد | بات کی کد میں جان جاتی ہے
دیدنی تھی ہم سے واماندوں کی شان بیکسی | دُور تک مُڑ مُڑ کے اہلِ کارواں دیکھا کئے
بسورنے کی ادا ہے بکستی کلیوں ہیں | کہیں خزاں کی یہ لوٹی ہوئی بہار نہ ہو
انجام انتظار نے امید توڑ دی | ہاں کچھ دنوں تو ہم بھی بہت شادماں رہے

حبیب سید محمد کاظم حبیب کنتوری شاگرد عشق متوفی ۱۹۰۹ء عشق ہی کے واسطے سے ان کا سلسلہ شاعری ناسخ تک پھونچتا ہے خود بھی ان کو اس کا فخر ہے ؎

انتساب حضرت ناسخ ہوا حاصل حبیب | سر پہ اپنے بھی کلاہ اعتبار آنے کو تھی

تقریب ملازمت عمر کا بڑا حصہ حیدر آباد میں گذرا اور یہیں گذرے بھی مشاعرہ بھی

کرتے تھے۔ دو ایک مرتبہ مجھے بھی شرکت کا اتفاق ہوا۔ دیوان نظر سے گذرا ہے مگر انتخاب محفوظ نہیں۔ دو چار شعر پیش کش ہیں۔

ہمیں معلوم ہیں الفت کے کوچے خضر کیا جانیں | یہ گلیاں دل کو آئی ہیں یہ رستے دل سے نکلے ہیں
پناہ تجھ سے نہ اے ناوکِ نظر مانگوں | خدا سے روز نیا دل نیا جگر مانگوں
تو بہ آخیر عمر میں نہ کیا نہیں حبیب | تا حال پاسِ وضع بھی اہلِ جہاں میں ہے
مجھے نہ کچھ نظر آیا سوائے جلوۂ یار | جدھر جدھر دلِ روشن سواد لے کے پھرا
دب گیا آخر ہماری معصیت کاری کا شور | ہر طرح بالا اُسی کی شانِ تو ابی رہی

ضامن سید محمد ضامن کنتوری خلف حبیب کنتوری۔ سب رنگ میں کہتے ہیں مجموعہ نظم بھی چھپ گیا ہے۔ حضرت حبیب اس کی کیا خوب داد دیتے ہیں۔

لُطفِ فکرِ نکتہ سنجانِ فرنگ آیا حبیب | خوب لایا میرا ضامن ارمغان میرے لئے

آہنگ خیال نام دیوان بھی ہے اب مرثئے بھی کہنے لگے ہیں۔ بتقریب ملازمت حیدر آباد ہی میں اقامت ہے کلام متفرق ہی دیکھنے میں آیا۔ اور چند ہی شعر انتخاب ہو سکے۔

وحشت کا مری نہ پوچھ ناصح | رُخ دیکھ ہوا کا کیا ہوا ہے
بیتابیٔ محبت اِک شعبۂ جنوں ہے | میرے کہے سُنے پر تم اعتنا نہ کرنا
چارہ جب ہو نہ سکا عقل کی بیماری کا | نام رکھا گیا تقدیر خطا کاری کا
ٹوٹے سب آسرے جہاں کے | مالک بس تیرا آسرا ہے
ہے صرف دل لگانے پہ اس درجہ برہمی | دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

شیفتہ سید محمد کاظم حسین شیفتہ کنتوری۔ بتقریب ملازمت یہ بھی خاک حیدر آباد ہوئے۔ بڑے پُر گو تھے میں نے دیکھا ہے۔ اور شاعروں میں پڑھتے سنا ہے۔ دیوان بھی ہوگا مگر شائع نہ ہو سکا۔

سلسلہ شاعری صحیح طور پر معلوم نہیں۔ قیاس سے اسی سلسلہ میں لے لیا گیا۔ بیاض میں صرف ایک شعر ہے۔

بوسے لئے دہن کے سنے دو بدو کلام — اب مجھکو کیا کلام تمھارے دہن میں ہے

ہلال امیر علیخاں ہلال لکھنوی شاگرد رشک۔ صاحب دیوان ہیں۔ مگر دیوان وحال کچھ نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر داخل بیاض ہے۔

مجھ سے الگ جو دفن یہ ہوتا تو خوب تھا — پہلو میں میری قبر کے بنتا مزارِ دل

سلسلہ نسیم دھلوی
دور تسلیم

تسلیم احمد حسین نام امیر اللہ مشہور تسلیم تخلص شاگرد نسیم دھلوی وطن منگلسی نواح فیض آباد نشو نما لکھنو متوفی ۱۹۱۱ع۔

نظم ارجمند۔ نظم دل افروز۔ دفتر خیال تین دیوان ہیں۔ اور متعدد مثنویاں سفر نامہ نواب رامپور قلمی ہے۔ جو کتب خانہ رامپور میں محفوظ ہے۔ یہ دربار رامپور کے ایک رتن ہیں۔ ہر چند ایک دہلوی اُستاد کے شاگرد ہیں لیکن شعرائے لکھنو ہی میں ان کا شمار ہے۔ اور زبانِ لکھنو کے پیرو بھی ہیں۔ اور خود بھی مدعی ہیں۔

یہ لطافت ہو زبانِ غیر کو کیونکر نصیب — رشکِ موجِ آبِ کوثر ہے زبانِ لکھنو

نظم ارجمند پہلا ہی دیوان نظر سے گذرا ایا۔ کچھ متفرق کلام یہ ملا جلا مختصر سا انتخاب کلام ہے

خالی سہی بلا سے تسلی تو دل کو ہے — رہنے دو سامنے میرے ساغر شراب کا

وطن میں تازہ وارد ہوں طبیعت گھر میں کیا بہلے — ابھی پھرتا ہے آنکھوں میں مری نقشہ بیاباں کا

حجاب دیدۂ نرگس سے باغ میں نہ کرو
یہہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا

ہرٹ اُس کی رہ گئی یہہ بڑی بات ہے مجھے
دل چیز کیا تھا ہاتھ سے اپنے گیا گیا

ہم نے پالا مدتوں پہلو میں ہم کوئی نہیں
تم نے دیکھا اک نظر سے دل تمھارا ہو گیا

تنگئی کنجِ قفس، رنجِ اسیری، داغِ گُل
اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب

شوقِ وصال، جوشِ تمنا، ہجومِ غم
لکھنے کو اُس نے کیا نہیں لکھا مگر غلط

خشک گُل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، بالیں اُداس
جی بھر آیا عالمِ گورِ غریباں دیکھکر

یہہ تلچھٹ اور یہہ قدرت خدا کی
ذرا او ساقیِ محفل سمجھ کر

چاک سینہ، خستہ تن، بیتابِ دل، افسردہ روح
خوش بہت ہو گی لحد آغوش میں لیکر ہمیں

رنگ کے شعر عدو خاک کہیگا تسلیم
علم سب کچھ سہی میری سی طبیعت تو نہیں

انفاس چند کشمکشِ انتظار ہے
پھر ہم کہاں جواب کہاں نامہ بر کہاں

حسینوں سے بگڑنا اور دل کو داغ دیتا ہے
بہت روئی زلیخا دیکھکر یوسف کو زنداں میں

تھی تمنا باغِ عالم میں گل و بلبل کی طرح
بیٹھکر ہم تم کہیں اے یار ہنستے بولتے

یہاں تک آرزو میں ہیں کہ جب لکھتا ہوں خط ان کو
مرا دل مجھ سے کہتا ہے ذرا یہ بھی فقرا یہی

چلو ہم مر گئے فرصت ملی جھگڑا مٹا ورنہ
یہی شکوے گلے باہم مری جاں عمر بھر ہوتے

دم پیری مآلِ کار سے کیونکر نہ غفلت ہو
کہ اکثر آنکھ لگ جاتی ہی انساں کی سحر ہوتے

برنگِ شمع مہماں شب کا ہوں رولے جو رونا ہے
کہاں پائیگی تو اے بیکسی مجکو سحر ہوتے

نہ شامیانہ نہ شمع تربت نہ لوحِ سبزہ نہ چادرِ گُل
بلا نصیبا میں پھنس کے کیا کیا خرابی اٹھی ہی بیکسی کی

حسرت | سید فضل الحسین حسرت موہانی بی۔اے شاگردِ تسلیم۔ مشہورِ حال قومی لیڈر اور شاعر۔ حق یہہ ہے کہ اس زمانہ میں شعر و شاعری کے یہی ایک واحد خدمتگزار ہیں۔ اکثر شعرا کے انتخابات دواوین ان کے مرہونِ منت ہیں۔ خود اِن کے بھی چھوٹے چھوٹے نو دیوان مشتہر ہو چکے ہیں جلیل احمد قدوائی نے

ان کے دواوین کا ایک انتخاب بھی شایع کیا ہے اور یہ انتخاب در انتخاب ہے

پیہم دیا پیالۂ مئے برملا دیا ؛
ساقی نے اِلتفات کا دریا بہا دیا

منسوب کر کے حسرتِ عاصی سے خلق نے
جذباتِ پاکِ شوق کو مطعون کر دیا

تو نے حسرت کی عیاں تہذیبِ رسمِ عاشقی
اِس سے پہلے اعتبارِ شانِ رسوائی نہ تھا

نہاں نہ ہو کرمِ یار میں ستم حسرت
بہت نہ کیجئے اظہارِ شادمانی کا

نہ سمجھا بائیِ جور و جفا اس شوخ کو کوئی
کہ ہم نے جس کو پایا شکوہ سنجِ آسماں پایا

مٹے عیب سب عشق بازی میں حسرت
نہ بغض و حسد ہے نہ غصہ نہ کینہ

دوستی اُس فتنۂ دوراں کی ہے یا دشمنی
جان بربادِ کرم ہے دل تباہِ التفات

اُس چشم نے دلبری کے شیوے
سب سیکھ لئے بغیر اُستاد

اُس نے کہیں حرفِ تسلی نہ ہو لکھا
پڑھتے ہیں اس اُمید پہ ہم بار بار خط

محروم طرب ہے دلِ دلگیر ابھی تک
باقی ہے ترے عشق کی تاثیر ابھی تک

سیکھی تھی جو آغازِ محبت میں قلم نے
باقی ہے وہ رنگینیِ تحریر ابھی تک

کمالِ خاکساری پر یہ بے پروائیاں حسرت
میں اپنی داد خود دے لوں کہ میں بھی کیا قیامت ہوں

وصل کی بنتی ہے اِن باتوں سے تدبیریں کہیں
آرزوؤں سے پھرا کرتی ہیں تقدیریں کہیں

شب وہی شب ہے، دن وہی دن ہیں
جو تری یاد میں گذر جائیں

اُس شوخ پشیماں نے رقیبوں سے بگڑ کر
چاہا تھا کہ پھر مجھ سے ملے پر نہ ملا میں

آزردگیِ شوق بھی کیا شئے ہے کہ حسرت
جاتا نہ کسی سے وہ خفا ہیں کہ خفا میں

اللہ رے مزاج کی حسرت پرستیاں
گویا کہ آشنا ہی نہیں ہیں ہنسی سے ہم

پوچھتے ہیں وہ جاں نثاروں کو
تم بھی حسرت اٹھو سلام کرو

دیکھ اے ستمِ جاناں یہ نقشِ محبت ہیں
بنتے ہیں بہ دشواری مٹتے ہیں بآسانی

معمورِ غمِ عشق عجب دل کی ہے بستی
ہر چند اُجاڑو اسے آباد رہے گی

حق سے بہ عذرِ مصلحتِ وقت یہ جو کرے گریز
اُس کو نہ پیشوا سمجھ اُس پر نہ اعتماد کر

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اِک طُرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

نہیں کچھ عیب اُن میں اور ہوں بھی حسرت
تو ہم لوگ ہیں صرف آگاہِ خوبی

کہیں وہ آکے مٹادیں نہ انتظار کا لطف
کہیں قبول نہ ہوجائے اِلتجا میری

کھُل کے ہم سے کبھی وہ مل نہ سکے
باوجودِ کمالِ دلسوزی

جب سنا یاد کیا کرتے ہو تم بھی تو مجھے
کیا کہوں حد نہ رہی کچھ مری حیرانی کی

سب اِس کے آگے ہیچ ہیں دنیا کی راحتیں
پروردگار دے تو غمِ عشقِ یار دے

عاشق محمد مرتضیٰ عاشق لکھنوی عرف مچھو بیگ شاگرد نسیم دھلوی۔ نامور شعرا میں ہیں غالباً دیوان بھی ہوگا۔ مگر دیوان کیا کافی کلام ہی نظر سے نہیں گذرا۔ چند شعر بیاض میں ہیں۔

سودائی ہو تقدیر کی باتیں ہیں یہ عاشق
اچھے رہے اغیار کا مقسوم نہیں کیا

اُلفت انہیں جتاتے ہی توقیر گھٹ گئی
کل تک حضور آپ تھے اب ہم اَرے ہوئے

کر گزرے بات جو دل میں ٹھان لی
عادت نہیں یاں اگر مگر کی

تذکرہ وصل کا عاشق جو کوئی کرتا ہے
ہم تو بس یاس سے منہ دیکھ کے رہ جاتے ہیں

واہ ری بیخودیٔ عشق خدا تجھ سے بچائے
باتیں کرتے ہیں کہ ہم خواب میں بَرّاتے ہیں

اشرف اشرف علی اشرف کسمنڈی ضلع لکھنو وطن متوفی ۱۹۰۲ء شاگرد نسیم دہلوی۔

مطبع نولکشور سے متعلق رہے اس لئے ہمیشہ لکھنو ہی میں رہے۔ اور تمام عمر تجرد میں گذاری اور سنا ہے کہ دو دیوان یادگار چھوڑے۔ تعجب ہے کہ مطبع نولکشور سے تعلق رہا اور دیوان بے چھپے رہے کچھ کلام نظر سے گذرا اور دو چار شعر بیاض میں محفوظ رہے

اُو بے وفا نہ حالِ شبِ انتظار پوچھ
مشتاقِ دید آنکھ تھی دل جستجو میں تھا

سرِ شمع کا کٹنا تو بڑھی اور روشنی
پنہاں فروغِ زیست جفائے عدو میں تھا

رہے لحاظ کہ میں بھی زبان رکھتا ہوں
کہے نہ جائے جو آئے مہرباں منہ میں

حال کچھ پوچھ نہ ساقی سرِ محفل میرا
شیشہ کیا لوٹ گیا ٹوٹ گیا دل میرا

نوٹ۔ عاشق و اشرف کے ہوتے دور تسلیم اس لئے ہم نے قایم کیا کہ ان کا سلسلہ اب تک حسرت سے قایم دایم ہے۔

بے سلسلہ شعرائے لکھنؤ

رسوا مرزا محمد ہادی رسوا بی۔ اے لکھنوئی۔

میں تو ان کو ایک ادیب سمجھتا تھا مگر منشی ممتاز حسین عثمانی اڈیٹر اودھ پنچ نے جو ان کے حالات الناظر میں سپرد قلم کئے ہیں ان کو دیکھکر حیرت بھی ہوئی اور عبرت بھی گویا شریف زادہ خود ان کی اپنی زندگی کا خاکہ ہے اور اس کو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے حکیم طبیعت ذات شریف اور امراؤ جان ادا وغیرہ کے مصنف بھی ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ تک لکھنؤ میں کرسچن کالج کے پروفیسر رہے آخر میں دارالترجمہ کی رکنیت پر حیدرآباد آئے۔ دلی بھی چھٹی اور لکھنؤ بھی۔

دلی چھٹی تھی پہلے اب لکھنؤ بھی چھوڑیں
دو شہر تھے یہ اپنے دونوں تباہ نکلے

شاعری میں باپ بیٹے دبیر اور اوج سے اصلاح لی افسوس کہ کلام یکجا کہیں دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔ ان کی تصانیف ہی سے یہ منتخب اشعار ماخوذ ہیں۔ رسوا کے علاوہ مرزا بھی تخلص کرتے تھے۔

کس قدر معتقدِ حسن مکافات ہے دل
دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے

بت پرستی میں نہ ہوگا کوئی مجھ سا بدنام
جھینپتا ہوں جو کہیں ذکر خدا ہوتا ہے

انہیں کا نام لیکر کوئی فرقت میں تاہے
کبھی وہ بھی تو سن لینگے جو بدنامی سے ڈرتی ہیں

دبکی ہوئی تھی گربہ صفت خواہش گناہ
چمکارنے سے پھول گئی شیر ہو گئی

ٹلتا تھا میرے پاس سے ابے کالی تجھے
کمبخت تو تو آکے یہیں ڈھیر ہو گئی

ہم کو بھی کیا کیا مزے کی داستانیں یاد تھیں
لیکن اب تمہید ذکر درد و ماتم ہو گئیں

ہمنشیں دیکھی نحوست داستانِ ہجر کی
صحبتیں جمنے نہ پائی تھیں کہ برہم ہو گئیں

دیکھا ہے مجھے اپنی خوشامد میں جو مصروف
اس بت کو یہ دھوکا ہے کہ اسلام یہی ہے

ہنس کے کہتا ہے مصور سے وہ غارتگر ہوش
جیسی صورت ہے مری ویسی ہی تصویر بھی ہو

اچھی صورت جو خدا دے تو دیا اوصاف بھی دے
حسنِ تقدیر بھی ہو خوبی تحریر بھی ہو

دل لگانے کو نہ سمجھو دل لگی
دشمنوں کی جان پر بن جائیگی

بعد توبہ کے بھی ہے دل میں یہ حسرت باقی
دے کے قسمیں کوئی اک جام پلادے ہم کو

کیا کہوں تجھ سے محبت وہ بلا ہے ہمدم
مجھکو عبرت نہوئی غیر کے مرجانے سے

نظم

حیدر یار جنگ علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوئی

لکھنؤ اور کلکتہ کے علاوہ عمر کا بڑا حصہ حیدرآباد میں اس نیک نامی اور شہرت کے ساتھ گذرا کہ اب یادگار کی تجویزیں ہو رہی ہیں جو اگر ظہور میں آئیں تو بات ہے نظام کالج میں ایک زمانہ تک پروفیسر رہے اور شہزادوں کے استاد بھی۔ شرح دیوان غالب اِن کی ہرچند غالب پرستوں کو بھلی نہیں لگتی۔ مگر آب حیات کی طرح ذکر میں ضرور آتی ہے۔ کہ دیوان غالب کے سوا اردو زبان کی بھی شرح ہے۔ کلیات اِن کا چھپ گیا ہے مگر افسوس کہ اب تک استفادہ کی نوبت نہیں آئی۔ غزل گو بھی ہیں اور نظم گو بھی۔ میں نے ان کو دیکھا اور مشاعروں میں غزل و نیز ایک مرتبہ خود انہیں کے یہاں میر انیس کا مرثیہ پڑھتے سنا ہے کمال بزرگی کی واقعی تصویر تھے دو چار شعر جو بیاض میں ہیں وہی تبرک ہیں۔ اور نذر ہیں۔

میں گلے لپٹا تو بیکل چٹکیاں لینے لگی
بوسہ مجھ سے چھین کر بندے کا گوہر لیچلا

جلتے ہیں غیر کیا کیا وہ مری خلوت سے جو نکلے
پریشاں باندھکر جوڑا دوپٹہ اوڑھکر اُلٹا

بہارِ باغ دونی ہو گئی مینہہ کے برسنے سے
نظر آنے لگا ہر ایک تھالے میں شجر اُلٹا

اُٹھائی آنکھ اُس نے اور نہ دیکھا
نہ سنبھلا جام دستِ نازنیں سے

آئی تھی اب مزے پہ کہانی شباب کی
کس لُطف کے مقام سے افسانہ چھٹ گیا

حسرت

نواب عظمت علیخاں حسرت

دور حاضر میں مشہور ہیں۔ دیوان یا کافی کلام کچھ نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر داخل بیاض ہے۔

کوئی کم ہے یہ اے دل سہارے ہوئے ہیں
نگاہیں ملی ہیں اشارے ہوئے ہیں۔

صفی

سید علی نقی صفی

دور حاضر میں نامور ہیں۔ غزل گو بھی ہیں اور نظم گو بھی۔ اکثر نظمیں اِن کی مشہور ہیں۔ دیوان تو نہیں البتہ مختصر سا انتخاب کلام نظر سے گذرا اور دو چار شعر انتخاب در انتخاب ہوئے۔

صفی کُشتہ ہوں میں نا مہربانیوں کا اہل عالم کی
یہ دیکھوں کون میرا صاحب ماتم نکلتا ہی

دیدنی ہے دورِ ساغر بھی مگر کیا کیجئے
آنکھ کھولے بزم ساقی میں کیسکو ہوش ہے

خدمتِ خلق میں ہے قرب خدا بھی مضمر
دلِ انساں میں اسی راہ سے گھر ہوتا ہے

چراغِ صبحگاہی سے فروغ بزم مشکل ہے
کنول وہ اور ہیں جو رونق محفل بڑھاتے ہیں

عزیز

محمد ہادی عزیز متوفی ۱۳۵۴ھ

اسی سال ان کا انتقال ہوا۔ جو قابل صد افسوس ہے کہ دور حال کے اچھے اور مشہور شعرا میں تھے غزل اور قصیدہ و نظم سب میں فرد تھے۔ روانی تو خیر مگر جوش البتہ ان کے ایسے ہی شاگرد ہیں جیسے سودا شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ مجموعہ کلام ان کا چھپ گیا ہے۔ اور دیکھنے میں بھی آیا ہے مگر انتخاب تھوڑا ہی محفوظ ہے۔

ایک وہ دلکش جہاں بیٹھے خدائی جمع ہو | ایک میں بیکس جہاں میں ہوں وہاں کوئی نہ ہو
شب فرقت اسی حسرت میں گذری | ہمیں بھی نیند آتی ہم بھی سوتے
اُٹھ کے پہلو سے چلے جائیں گے وہ | دل سے ہم سے گفتگو رہ جائے گی

محوی محمد حسین محوی صدیقی مشہور حال غزل گو بھی ہیں اور نظم گو بھی مجموعہ کلام نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر داخل بیاض ہے!

اب اِس سے سوا اور ہو کیا رتبۂ الفت
دیوانہ ہوں میں اُس ستم آرا کی نظر میں

اثر مرزا جعفر علیخاں اثر بی۔اے تلمیذ عزیز اثرستان نام مجموعہ کلام چھپ گیا ہے مگر نظر سے نہیں گذرا۔ دو شعر داخل بیاض ہیں۔

یاد ایام کہ جب غم سے سروکار نہ تھا | پھول ہی پھول تھے دامن میں کوئی خار نہ تھا
کیسی راحت میں شب و روز بسر ہوتے تھے | شعلۂ آہ نہ تھا دیدۂ خونبار نہ تھا

ثاقب مرزا ذاکر حسین ثاقب قزلباش۔ مشہور وقت ہیں۔ کچھ انتخاب غزلیات اِن کا نظر سے گذرا دو تین شعر انتخاب ہوئے۔

کسی کا رنج دیکھوں یہ نہیں ہوگا مرے دل سے | نظر صیاد کی جھپکے تو کچھ کہدوں عنادل سے
ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں | ابر سیاہ جانبِ گلزار دیکھکر
زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا | ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے | جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

محشر مرزا کاظم حسین محشر مشہور حال ہیں۔ کچھ انتخاب غزلیات نظر سے گذرا ایک شعر یہ ہے۔

بلائیں لے رہا ہوں اس زمیں کے ذرّے ذرّے کی ؛ لٹا تھا جس جگہ راہِ وفا میں کارواں میرا

ابر علی محسن ابر شاگرد شیخ محمد جان شاد پیر دمیر کہ ان کا دیوان انہیں نے چھپوایا۔ ایک شعر بیاض میں ہے۔

اُن سے کہدو جو ہیں ہر بات سے ڈرنے والے آپ ہٹ جائیں تو مر جائیں یہ مرنے والے

عشرت خواجہ عبدالرؤف عشرت دور حاضر کے مشہور ادیب ہیں۔ شعر و شاعری پر ان کی چند درجند تالیفات ہیں۔ و نیز آب بقا نام ایک تذکرہ شعرائے موجودہ شعرا کے بھی حالات قلمبند کر رہے ہیں۔ مجموعی کلام نظر سے نہیں گذرا ایک آدھ غزل ہی صرف دیکھنے میں آئی ایک شعر صرف داخل بیاض ہے۔

شمع بھی شبنم بھی ہی موقوف کچھ مجھ پر نہیں
کون سی ہے آنکھ جو دستِ فلک سے تر نہیں

آہ لالہ رام کشن آہ شاگرد منشی جے نراین اثر عالم شباب میں انتقال کیا ورنہ داخل بیاض شعر کہتا ہے کہ جیتے تو شاعر ہوتے۔

ہمارے وصل کا وعدہ پڑا ہی سخت جھگڑے میں جوانی کہتی ہے آساں حیا کہتی ہی مشکل ہے

اصغر ظفر الدولہ علی اصغر خاں اصغر لکھنوی متوفی سنہ ۱۸۶۶ء ۱۲۷۶ھ

نہیں دَیر و حرم سے کام ہم الفت کے بندے ہیں
وہی کعبہ ہے اپنا آرزو دل کی جہاں نکلے

اثر جے نراین رامائن۔ اے متوفی سنہ ۱۹۰۰ء دنیائے ادب میں مشہور ہیں افسوس کہ عالم جوانی ہی میں داغ دے گئے ایک رسالہ ناول نکالا۔ کئی انگریزی ناولوں کے ترجمے بھی کیے اور بہت سی کتابوں کی اشاعت کی

شعر و سخن سے بھی شوق تھا۔ کلام واجبی ہی واجبی دیکھنے میں آیا۔ اور ایک شعر ہی بیاض میں نکلا۔

اِضطرابِ دل کا شکوہ کفر سے کچھ کم نہیں　　اے اَثر ہے دردسے آرام جانِ اہلِ درد

جاوید نام کیا ایک شعر ہی بس نام ہے۔

اب اِک بوسے پہ آپس کی بحث زیبا ہی نہ شایاں ہے
نگاہیں نیچی کر لو خیر اچھا لے لیا ہوگا

مشتاق ایک شعر داخل بیاض ہے۔

گیا ہے حُسن لیکن رنگ ہے رخسار جاناں پر
ابھی باقی ہے کچھ کچھ دھوپ دیوار گلستاں پر

شاد شاد بیر و میر۔ اسی طرح کسی رسالہ میں لکھا دیکھا ہے۔ علی محسن اَبر لکھنوی کے اُستاد ہیں اور ان کا دیوان انہیں نے چھپوایا ہے جو دیکھنے میں نہیں آیا۔ شعر منتخب مشہور ہیں۔ مگر تحقیق طلب بھی ہیں۔

پسِ معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے　　خدا مجنوں کو بخشے مر گیا اور ہم کو مرنا ہے
جوانی سے زیادہ وقتِ پیری جوش ہوتا ہے　　بھڑکتا ہے چراغِ صبح جب خاموش ہوتا ہے
گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی صیاد مجھے　　کس چمن میں تھا نشیمن یہ نہیں یاد مجھے
نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے　　گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

چکبست برج نارائن چکبست بی۔ اے۔ تلمیذ افضل خلف اسیر متوفی ۱۹۲۶ء مجموعہ کلام صبح وطن نام چھپ گیا ہے۔ اس میں کچھ غزلیں بھی ہیں۔ مجموعہ کلام تو نہیں دیکھا البتہ کلام پر رسالہ اردو میں کسی کی تنقید دیکھی ہے اور یہ انہیں منقیدی اشعار کا انتخاب درانتخاب ہے۔

کھڑی ہیں راستہ روکے ہوئے لاکھوں تمنائیں　　شہید یاس ہوں نکلا ہے کس مشکل سے دم میرا

مے کے قطرے کیا تھے جب تک خم میں تھے ساغر میں تھے — میرے ہونٹوں تک پہنچنا تھا کہ طوفاں ہو گئے
ہوائے تازہ دل کو خود بخود بے چین کرتی ہے — قفس میں کہہ گیا کوئی بہار آئی ہے گلشن میں
صحنِ چمن سے دور انہیں باغباں نہ پھینک — تنکے جو یادگار مرے آشیاں کے ہیں
مصیبت میں بشر کے جوہرِ مردانہ کھلتے ہیں۔ — مبارک بزدلوں کو گردشِ قسمت سے ڈر جانا

شعرائے نواح لکھنو

رضا علی وحشت

وحشت مشہور وقت کلکتہ وطن یا اقامت، سلسلہ ناسخ سے ہیں شمس شاگرد ناسخ دالتسنخ کے شاگرد ہیں اور خود بھی نازاں ہیں۔

غلامِ معتقد ہوں وحشت اس صاحب مروت کا — نصیبوں سے ملا ہے آج شمس نکتہ سنج مجھکو

دیوان چھپ گیا ہے مگر میں نے کچھ انتخاب کلام ہی ذکر و تبصرہ کے ساتھ دیکھا ہے اور یہ چند شعر انتخاب ہیں۔

مجلسِ وعظ میں کیا میری ضرورت ناصح — گھر میں بیٹھا ہوا شغلِ مے و مینا نہ کروں
ہے تیرے وصل کو درکار فنا کی تعلیم — قطرہ دریا سے گریزاں ہے پھر کیا ہو گا
کچھ کچھ ستم ضرور ہو لطف و کرم کے ساتھ — یہ رسمِ عشق ہے اسے اے مہرباں نہ چھوڑ
قسمت میں نا امیدی و حسرت ہے کیا کروں — اُس بے وفا سے مجھکو محبت ہے کیا کروں
اور عشرت کی تمنا کیا کریں: — سامنے ہو تو تجھے دیکھا کریں:
قدر دانی کی کیفیت معلوم — عیب کیا ہے اگر ہنر نہ ہوا
خیال اُسکی مژہ کا بھلا سہی لیکن — نہ اس قدر بھی کہ جی بیقرار ہو جائے
اِترا رہا ہوں میں کہ ہوا خاکِ کوئے یار — عالم غرور کا ہے مرے انکسار میں
تجھے دھوکا نہ دیں یہ دلفریب آغاز کی شکلیں — بُرا جو کام ہوتا ہے اس کا بُرا انجام ہوتا ہے

دام ہے طولِ امل اس سے رہا ہو جائیے | رفتہ رفتہ اک دل بے مدعا ہو جائے
منہ دکھاؤں میں تجھے کیا جو باہیں ذوقِ وفا | اپنا معیار وفا مجھ کو پشیمان کر دے

آزاد — سید محمد آزاد متوطن جہانگیر آباد و ڈھاکہ شاگرد ضیغم رامپوری۔ خود بھی مدح سرا ہیں۔

کامِل فنِ سخن ماہرِ اصنافِ کلام ؛ کوئی ضیغم سا نظر مجھ کو نہ اُستاد آیا ؛

فارسی گو تھے ۔ اور فارسی میں دیوان بھی ہے ۔ اردو میں صرف چند غزلیں ہیں ۔ خود بھی کہتے ہیں ۔

آزاد نظم ریختہ کچھ میرا فن نہیں | واقف ہیں فارسی کے مرے شعر تر سے آپ

سید محمد خاں معروف مولانا آزاد اردو کے مشہور انشا پرداز خیالات آزاد کے مصنف اِن کے چھوٹے بھائی تھے کہ یہ ان کو ابوالفضل اور خود کو فیضی سے تشبیہ دیتے ہیں۔

بہ نثر و نظم امروز اُو ابوالفضل و من فیضی | بود اُو قدردانِ من ہنم از نکتہ فہمانش

غرض کہ صاحب کمالوں میں ہیں ۔ اور اردو کے دو چار شعر یادگار ہیں ۔

انکار سے بُرا ہے یہ اقرار وصل کا | گویا کہ ٹالتے ہیں بلا اپنے سر سے آپ
شیوۂ پرسشِ احباب ستم ہے ہم کو | کیا کہیں ہائے کہ کس شوق کا غم ہے ہم کو
اجل کا دامنِ شفقت بھی ہو گیا کوتاہ | جگہ نہیں ترے مظلوم کو اماں کے لئے

شاد — شمس العلماء سید علی محمد شاد وطن عظیم آباد متوفی ۱۹۲۷ء مشہور و معروف بھی ہیں ۔ اور صاحب تصنیفات بھی ۔ تاریخ صوبہ بہار ۔ مردم دیدہ فکر بلیغ وغیرہ مشہور ہیں ۔ کچھ کلام طبع ہوا ہے اور بہت کچھ طبع شدنی ہے مگر افسوس کہ نظر سے نہیں گذرا چند شعر زیب بیاض ہیں ۔

امیدِ وصل کو اب آرزو بھی چھلاتی ہے | قریب آنا دلِ مایوس کے پھر دُور ہو جانا
وہ ذبح کر کے میری نعش سے یہ کہتے ہیں | تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا

امانتِ غم کو سونپنے کو قضا نے جب آ کے فال کھولی
جو سب سے آخر تھے اس گلی میں انھیں غریبوں کا نام نکلا

راتوں کو اٹھنا پڑے نمازیں بچلیں سجدے پہ سجدے ناک رگڑنا
جو نہیں جا بزا اس کی دعائیں ہا جوانی ہائے زمانے

نگاہِ ناز سے ساقی کا دیکھنا مجھ کو
پھر اپنے ہاتھ سے ساغر اٹھا کے رکھ جانا

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

زندگی تک فقط اے شاد عداوت کر لے
مرے مرجانے پہ مداح زمانہ ہوگا

اظہارِ التفات کے پردے میں اور بھی
وہ عقدہ ہائے شوق کو پیچیدہ کر چلے

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

شاد ایسے ہیں نہ توڑا انھیں بیلے کو میں نے
پھول پر ہاتھ بڑھایا تھا کہ دل یاد آیا

یہ بزمِ مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے

اثر شمس العلماء امداد امام اثر پٹنہ وطن ابھی حال ہی میں اس جہانِ فانی سے گذرے۔ باغبان یہ ان کی ایک کتاب ہے۔ دیوان یا کلام کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو شعر زیبِ بیاض ہیں۔

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا
محبت میں ترے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

عدو کے آتے ہی رونق سدھاری تیری محفل کی
معاذ اللہ انساں کا قدم ایسا بھی ہوتا ہے

اعظم کریوی دورِ حال میں مشہور ہیں فسانہ نگار بھی ہیں مضمون نگار بھی۔ "رسالہ اکبر" کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ ہندی کلام کا مجموعہ بھی ترتیب دیا ہے۔ دو ایک غزلیں دیکھنے میں آئیں دو شعر داخلِ بیاض ہیں۔

مٹی میں ملا جب سے ہمارا دلِ ناشاد
ہم فاتحہ پڑھ لیتے ہیں تربت ہو کسی کی

ہے دل میں کروں ذکرِ خدا بت کو مٹا کر
سجدہ ہو کسی کا تو عبادت ہو کسی کی

خزانِ زندگی ہے تفرقہ اہلِ محبت کا
مزا دنیا میں جینے کا بہارِ دوستاں تک ہے

بے نظیر بینظیر شاہ واقعی بے نظیر ہیں۔ اور مشہور بھی ہیں۔ کڑا مانک پور وطن ہے وحید الہ آبادی اور امیر مینائی سے اصلاح بھی لی ہے مگر ان کا اپنا خاص رنگ ہے۔ ساقی نامہ۔ مثنویاں ان کی مشہور ہیں۔ حیدرآباد بھی کئی مرتبہ آئے گئے سرکار حضور نظام کے دورہ ورنگل میں جب ان کو قصیدہ گذراننے کی عزت حاصل ہوئی تو پچاس روپیہ مہینہ وظیفہ بھی ہوگیا۔ اُسی وقت میں نے بھی ان کو دیکھا اور سنا۔ خوش گلو بھی تھے اور خوش رو بھی۔ مشرب فقیرانہ تھا۔ حاجی وارث علیشاہ دہلوی کے مرید تھے۔ اس بحث سے یہ جُدا ہیں۔ تاہم دو تین اشعار غزلیات بھی تبرک ہیں۔ اور وہی نذر ہیں۔

دُنیا سے اُٹھ گیا میں فقط اس خیال سے
ایسا نہ ہو کہ آپ کی خاطر پہ بار ہوں

پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
کیا جانے ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے

نہ کچھ بھی رہا پھر بھی سب کچھ رہا
تری یاد دل میں مگر رہ گئی

ستم دیکھکر یا کرم دیکھکر
غرض مر مٹے ہم تو کچھ دیکھکر

اُٹھے ہوکے مایوس ہر در سے ہم
بس اب اِک تیری رہگذر رہ گئی

وہ برہم ہیں کیا جانے کیا لکھ گئے ہم
انہیں حالتِ دِل رقم کرتے کرتے

کسی کی تو زاہد کو ہوتی محبت
بتوں کی نہ ہوتی خدا کی تو ہوتی

نادر نادر علی خاں نادر کاکوردی۔ مجموعہ نظم ان کا چھپ گیا ہے ایک آدھ نظم نصاب میں بھی ہے زمانہ بڑا فراموش کن ہے۔ ورنہ نظم گوؤں میں ان کا بھی بڑا رتبہ ہے۔ اس بحث سے یہ بھی جُدا ہیں تاہم کچھ غزلیں بھی ہیں اور دو چار شعر زیب بیاض ہیں۔

تلاش یار کیا اور سیر کیا اے ہمنشیں ہم تو
گئے بس اور چلے آئے یہاں ہو کر وہاں ہو کر

وہ گھر نا آشنا ہے ہم جو ہیں وہ پہچانتے نہیں ہیں
غریب ملت کے بعد آیا تھا کس شوق میں سفر سے

اُٹھے یہ بست ابر رحمت الٰہی تھمتا نہ فلک سے
بجائے پتھر کباب برسیں بجائے پانی شراب برسے

محسن
محمد محسن کاکوروی۔

مشہور نعت گو ہیں۔ ان کا کلام کیا ہے معجزہ کلام ہے۔ تاریخ وصال انکی "اِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الصَّالِحِيْنَ" یاد رکھنے کے قابل ہے ابتدا میں کچھ غزلیں بھی کہی تھیں جو نعت گوئی کے بعد ترک کر دیں۔ یہہ دو تین شعر انہیں کی یادگار ہیں۔

نہ دی کبھی ترے عارض کو مہر سے تشبیہہ
رہا یہہ داغ قیامت تک آسماں کیلئے

کیں تم نے ابتدا میں غضب کی لگاوٹیں
عادت خراب کی دل خانہ خراب کی

ہونے نہ پائی خشک تھی تر دامنی مری
محشر میں دھوپ ڈھلنے لگی آفتاب کی

احسن
محمد احسن احسنؔ کاکوروی متوفی سنہ ۱۳۰۹ھ

محسن کے چھوٹے بھائی کہ انہیں کی کلیات میں ان کا بھی مختصر سا کلام شامل ہے دو تین شعر انتخاب ہیں۔

جاتی رہی رسم دل لگی کی
روئے وہ جو بات کی ہنسی کی

تجھ سے دشمن کو دوست سمجھا
دل نے میرے ساتھ دشمنی کی

ابرو کی کجی اور ہے گیسو کی کجی اور
چھپتی ہے کہیں کافر و دیندار کی صورت

انجم
سجاد حسین انجمؔ وطن کسمنڈی ضلع لکھنؤ۔

اردو کے مشہور انشاپرداز۔ نشتر و کائنات۔ حیات شیخ چلی۔ ان کی مشہور کتابیں ہیں بتقریب ملازمت ان کا زمانہ زیادہ تر دکن میں گذرا۔ ان کا حال بجائے خود ایک افسانہ ہے۔ بگلا بھگت نام ایک کتاب میں اس کو انھوں نے در پردہ لکھ بھی دیا ہے جو اِن کے بعد چھپی یہ اشعار ان کی کتاب نشتر سے انتخاب ہوئے۔ الگ کلام دیکھنے میں نہیں آیا۔

انجم زار مسافر ہے سوئے ملکِ دکن
خون رلوائیگی کس کس کو یہ غربت میری

چلو ہم بھی پوچھیں مزاجِ مبارک | سرِ طورِ انجمن ہے جلوہ کسی کا
مرے نالے سے بھی مطلب نہیں ہوتا ظاہر | ترے چپ بیٹھنے سے انداز بیاں ہوتا ہے
جس طرف جاؤں حسیں لوٹ ہوئے جاتے ہیں | کچھ عجب انداز سے پیدا ہوئی صورت میری
الجھن تھی اضطراب تھا کاوش تھی درد تھا | جانا تمہارا رات قیامت ہوا مجھے
علاجِ شدّتِ دردِ جگر کرے کوئی | جنھیں خبر نہیں اُن کو خبر کرے کوئی
لپٹ نہ جائے کہیں خاک میرے مرقد کی | ذرا سمیٹ کے دامن گذر کرے کوئی

باسط بسوان ضلع سیتاپور وطن۔
دورِ حال کے مشہور شعرا میں ہیں بیشتر نظم گو ہیں۔ اور کم تر غزل گو مجموعۂ غزلیات دیکھنے میں نہیں آیا۔

ٹپکی پڑتی ہے تری آنکھ سے مستی ساقی | اتنی مئے ہے کہ سماتی نہیں پیمانے میں

ثاقب سید ابو محمد ثاقب کانپوری۔
دورِ حاضر میں مشہور ہیں۔ کچھ کلام نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر داخلِ بیاض ہے۔

اِک دل پہ منحصر ہے وجودِ نشاطِ دہر | یہ شادماں نہیں تو کوئی شادماں نہیں

بیخود محمد احمد بیخود مُوہانی
دورِ حاضر کے مشہور شعرا میں ہیں۔ اور شیعہ کالج لکھنؤ میں پروفیسر ہیں کلام کچھ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایک مشہور شعر زیبِ بیاض ہے۔

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے | کبھی روئے کبھی فریاد کی خاکِ نشیمن پر

عزیز نواب حافظ عبدالعزیز خاں بریلوی متوفی ۱۸۹۳ء۔
کتاب مجالس العلوم علوم و فنون کے بیان میں ان کی مشہور ہے۔ اردو فارسی کے دیوان بھی ہیں۔ مگر نظر سے نہیں گزرے۔ ایک شعر صرف داخلِ بیاض ہے۔

عشق سینہ میں بنا سوز تو آنکھوں میں سرشک طرفہ شئے ہے کہ کہیں آگ کہیں پانی ہے

بسمل سید امین الحسن بسمل موہان وطن نشو نما اور قیام حیدر آباد دکن سرکار عالی میں زاید سشن جج ہیں۔ کلام اکثر اخبار اور رسائل میں دیکھنے میں آیا ہے۔ چند شعر انتخاب ہیں۔

کاش ایسے سبب بہم ہوتے میکدہ ہوتا اور صنم ہوتے

دل میں پھر درد ہے پھر درد میں رعنائی ہے چمن عشق میں پھر تازہ بہار آئی ہے

کیا حقیقت بیاں کروں دل کی دل وہ ہے جس پر اختیار نہ ہو

بڑھا دیتی ہیں حیرانیاں غم ترکِ محبت کا خیالِ عیشِ ماضی سے اگر دل شاد ہوتا ہے

اِک بیقرار ضبطِ محبت نہ کر سکا جلنے دو ہونے والی تھی اِک بات ہو گئی

شہرت اعجاز علی نام شہرت تخلص امیٹھی ضلع لکھنو وطن۔ اور بتقریب ملازمت قیام حیدر آباد دکن کہ آپ آخر حیدر آباد ہی کی خاک بھی ہوئے۔ ایک عرصہ تک نواب خانخاناں مرحوم کے دامن دولت سے وابستہ رہے پھر فوج میں کپتان ہو گئے۔ اور اب وظیفہ پر الگ ہو کر شہزادوں کے اتالیق تھے کہ دنیا سے سدھارے۔ صاحب شمشیر بھی تھے۔ اور صاحب قلم بھی۔ ناظم بھی تھے اور نثار بھی تھے اور غزل گو بھی۔ نیاز و الفت نام ایک مزے کا ناول بھی ان کی تصنیف ہے۔ اور کلام نثر و نظم کا بھی خاصہ مجموعہ ہے۔ مگر افسوس کہ غیر مطبوعہ ہے۔ مجھے بھی ان کی خدمت میں نیاز تھا اور میں نے کلام کے لئے کچھ سعی بھی کی تھی مگر افسوس کہ بار آور نہ ہو سکی۔ اور اب آیندہ بھی اسکی اُمید نہیں۔ اس لئے لاچار دو چار شعر جو داخل بیاض ہیں وہی پیش کش ہیں۔

وہ حلاوت ہے محبت میں کہ دل جانتا ہے ظاہرا دیکھئے تو شہد نہیں قند نہیں

وہ شاد شاد کہ برباد کر دیا اُس کو میں بلغ باغ کہ مٹی مری ٹھکانے لگی

جان بھی جاتی رہے تو شانِ خودداری نہ چھوڑ اتنی بیتابی بھی ہنگامِ پریشانی نہ کر

بوریا جن کے لئے فخر تھا اے چرخ بریں مدعی ہیں کہ ہے اورنگِ سلیماں اپنا

مجاز ہارونی رودولوی کے نام سے ایک شعر بیاض ہیں ہے اور بس۔

تیرے گنہگار گنہگار ہی سہی
تیرے کرم کی آس لگائے ہوئے تو ہیں

جوش شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی۔

ہر چند ان کی نظم میں شہرت ہے اور وہی ان کا سبجکٹ بھی ہے تاہم ان کی غزل میں بھی رنگ ہے جو نظر سے کم گذریں۔ اور دو چار شعر ہی انتخاب ہو سکے۔

آنکلے ہو جو تم بھی کچھ حال دل کا سن لو گذرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے
یہ مانا حسن میں پائی نشاطِ زندگی میں نے ذرا کچھ اور بھی گہری نظر جاتی تو اچھا تھا
نہ رہا کوثر و تسنیم کے چھینٹوں میں اثر اب دلِ جان میں لگا بادہ گلفام سے آگ
دامنِ تر کو بنا حاملِ صد برقِ تپاں کہ نکلتی نہیں اب جامۂ احرام سے آگ

وفا حکیم عبدالہادی خاں وفا رامپوری

فارسی بھی کہتے تھے اور اردو بھی۔ ابتداء میں امیر سے اصلاح بھی لی مگر چھوڑ بھی دی۔ یادگار وفا ان کا دیوان مولنا حسرت موہانی نے شایع کیا ہے۔ اور ان کے ذکر کے ساتھ ان کے کلام پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ اور وہی میں نے دیکھا ہے اسی سے یہ دو چار شعر انتخاب ہیں۔

مولنا حسرت سے داڑھی نہ منڈوانیکی ان کی درد بھری التجا بھی گو اثر انگیز ہے مگر مولنا کا اس سے اس قدر متاثر ہونا کہ پھر آج تک داڑھی نہ منڈوانا اس سے کہیں بالاتر ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ صلاحیت نہ ہوتی تو حسرت مولنا حسرت بھی نہ ہوتے۔

نگہ شوق ہے ظالم یہ پردا نہ کہاں آنکھیں جلتی ہیں تری بزم چراغاں کی قسم
بیکسی نے گھر بنایا میرے گھر کے سامنے رو رہا ہوں بیٹھکر دیوار و در کے سامنے

عبرتِ واماندگاں ہوں حیرتِ رفتگاں | یک طرف بیٹھا ہوا ہوں رہگذر کے سامنے
اے وفا قطرہ بھی شامل ہے کمالِ بحر میں | عیب ہو کر آئے ہم اہلِ ہنر کے سامنے

مولنا محمد علی جوہر رامپوری مرحوم

جوہر مسلمانوں کے واحد لیڈر تعارف سے بے نیاز جامعیت یہ کہ شاعری بھی کی تو اس میں بھی کسی سے ہیٹے نہیں رہے۔ کلام جوہر کُل کا کُل دیکھئے یہہ تو چند شعر ہیں۔ تاریخ وفات "کُل نفسٍ ذائقۃ الموت" یادر کھنے کے قابل ہے۔

۱۹۳۱ء

تر او ہ مبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے | اُسی کو سرخرو دیکھا اُسی کو کامراں پایا
میرے لہو سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھ | اسلام کے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ
کیا عشق ناتمام کی بتلاؤں سرگذشت | دار و رسن کا اور ابھی انتظار دیکھ
عقبیٰ کا تو کیا واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک | اُس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ
جوہر نہ کیوں یہ رسم کہن زندہ کر چلیں | دار و رسن کے گرچہ نہیں بانیوں میں ہم
قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے | اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد
ہے کہنہ ملگی مسجدوں میں | یہہ خمخانے ہیں تیرہ سو برس کے

سحر امیر الدولہ سعید الملک ممتاز جنگ راجہ امیر حسن خاں سحر مرحوم شاگرد تجمل لکھنوی رئیس ریاست محمود آباد۔ ضلع سیتاپور۔

فضل و کمال سے سلف کی یادگار تھے۔ اور شان امارت میں فرد روزگار۔ میں نے مرحوم کو دیکھا اور سر منبر مرثئیے پڑھتے سنا ہے۔ وہ نورانی پرشکوہ صورت آج بھی نظر میں ہے دیوان بھی دیدہ زیب ہے دیوان کی تاریخوں کا مجموعہ شعرائے وقت کی ایک عمدہ یادگار ہے۔ سنتا ہوں کہ میری کتابوں میں یہی ایک دیوان رہ گیا ہے یہ شاید سر مہاراجہ علی محمد خاں ساحر مرحوم کی نیت کا ثمرہ ہے اور اُن عنایتوں کی یادگار ہے جو میری طالب علمی کا لون اسکول محمود آباد سے شروع ہوئیں۔ اور حیدرآباد تک بھی ختم نہ ہوئیں

یہہ تحفہ دیوان بھی حیدرآباد ہی میں مجھے ملا۔ جواب اگر بھی تو کیا مجھے تو اب دیوان وغیرہ دیکھنا قسم ہے اس لئے پہلے سے جو چند شعر زیب بیاض ہیں وہی نذر ہیں۔

افسردگی سے در خورِ محفل نہیں رہا — میں اب غزل سرائی کے قابل نہیں رہا
جو دیا تھا وہی لے لیجئے بوسہ صاحب — قرض ہے قرض بہر حال ادا ہو جانا
بے جا مزاج کرنے کا خوگر نہیں ہوں میں — عاشق ہوں آپ کا کوئی نوکر نہیں ہوں میں
زمانہ جود و خست سے کبھی خالی نہیں رہتا — کہیں حاتم کے دادا ہیں کہیں قارون کے پوتے ہیں
محفل یار سے کیا مجکو اُٹھائیں گے عدو — ایسے دو چار پہ مُردہ بھی مرا بھاری ہے
آدمیت سے گذر جاتا ہے انسان بالکل — جب طبیعت کسی معشوق پہ آجاتی ہے
چوری بھی سینہ زوری بھی۔ دعوے عشق بھی — تا چند شکوہ ہائے زلیخا کرے کوئی

فصیح احسان علی فصیح مرحوم وطن فتح پور (ہسوان) ضلع بارہ بنکی۔ فتوح الشام کی دو بڑی بڑی منظوم جلدیں اور ظلِ الٰہی نام ایک مختصر سا رسالہ مطبوعہ ہے۔ باقی قلمی دیوان کا کیا انجام ہوا یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا سعی بھی کی مگر وہ بھی بے نتیجہ رہی۔ بات بات ان کی شاعری تھی۔ ایک مندی ورکھوت ہے اور میرے پاس ہے بھی۔ مگر اُس کا یہ محل نہیں۔ دو چار جو شعر زیب بیاض ہیں وہی یادگار ہیں افسوس کہ اپنے ایک بزرگ کے حق سے بھی ادا نہ ہو سکا۔

بیاں کرد گی میری سر گذشت دل وہی تجھ سے — سحر کو شمع جو بجھ کر تری محفل سے نکلیگی
قیامت ہوگی مجھ آتش نفس کے قتل کرنے میں — برابر آگ کی لَو خنجرِ قاتل سے نکلے گی
گر نہ تم پر ناز ہو اُن کو تو ہو کس پر فصیح — جانتے ہیں تم کو یہ ہیں جاننے والے ترے

اثر و صمد عبدالصمد نام اثر و صمد تخلص فتحپور (ہسوان) ضلع بارہ بنکی وطن متوفی ۱۸۸۵ء خاکسار کے والد بزرگوار عربی و فارسی کے منتہی تھے۔ اور طبعاً مولوی۔ شعر و شاعری محض تفنن تھی۔ بیشتر فارسی اور کمتر اردو کہتے تھے۔ میرا پانچواں سال تھا کہ چھتیسویں سال

مرحوم کی شامِ فرقت نے سحر کی ؎

اول ہی جوانی میں کفن پوش ہوئے ہم
صد شکر کہ شامِ شبِ فرقت نے سحر کی

اُردو کی ایک غزل دو چار شعر اور کچھ فارسی کلام خدا جانے کیونکر نصیب ہو گیا مگر یہ ہے کہ حق بحقدار رسید۔ سرکاری ملازمت کی تقریب سے بیشتر زمانہ ضلع مرزا پور میں خیر و برکت کے ساتھ گذرا کہ اکثر و بیشتر لوگ فیضیاب ہوئے۔ بہت زمانہ بعد بھی جب ایک مرتبہ میرا مرزا پور جانا ہوا تو وہاں لوگوں نے اُستاد زادوں کی طرح میری پذیرائی کی۔ پانچ سال کی میری عمر اور میری یہ یاد بھی کوئی یاد ہے کہ مرحوم عرصہ تک فرش رہے یا شاید درمیان میں کچھ سنبھل گئے تھے یا دپڑتا ہے کہ ایک مرتبہ زمانہ علالت میں میرے ننہال بھی آئے تھے۔ ہاتھ میں ایک لمبی بانس کی چھڑی تھی اور جسم زار پر خول سی اچکن سر پہ مرزا پوری قبہ دار ٹوپی سر کے بال بیماری کی وجہ اترے ہوئے بقدر شرع بہ خطِ سیاہ داڑھی کتابی چہرہ کھلتا ہوا گندم گوں رنگ کشیدہ قامت۔ یہ میرا خواب ہے جو میں نے بیان کر دیا۔ باقی کلام فارسی ہے مگر شاید خدا نے اسی لئے مجھے ترتیب بیاض کی توفیق بھی بخشی۔ تو اب میں اِس کو اُس سے کیونکر الگ رکھ سکتا ہوں جو ورثہ بھی ہے اور تبرک بھی اور میرے لئے صد مایۂ فخر و ناز بھی۔

جھپکی نہ پلک یاد میں اِک شاخِ قمر کی
تارے شبِ مہتاب میں گن گن کے سحر کی

شانے سے وہ زلف سیہ یار جو سر کی
بولی یہ نزاکت کہ بلا دُور کمر کی

اول ہی جوانی میں کفن پوش ہوئے ہم
صد شکر کہ شامِ شبِ فُرقت نے سحر کی

کس ترک نے شمشیرِ ادا میان سے کھینچی
لیتا ہے جو خورشیدِ فلک آڑ سپر کی

بہا ہا اُسے داغِ شبِ فرقت کا تباہیں
دھجی جو لگے ہاتھ گریبانِ سحر کی

قسمت سے بڑھا داغِ جُدائی کا یہ نقطہ
دِکھلائے سفر کیوں مجھے صورت نہ سقر کی

منہ تو نے کبھی تیغِ حوادث سے نہ موڑا ۔ کیا بات اثر ہے ترے سینہ کے سپر کی

سراپا مجھکو سوزِ عشق نے اے مہرباں بیچ نکا ۔ بر نگِ شمع یکسر دل سے لیکر تا زباں بیچ نکا
یادِ چشمِ مست میں خونِ جگر کھاتے ہیں آج ۔ لطف مئے بے شیشہ و پیمانہ ہم پاتے ہیں آج
اے جنوں ہر جادۂ صحرا مجھے زنجیر ہے ۔ ضعف میں زنداں سے کیوں لایا بیاباں کیطرف
وہ چین مرکے ملا ہے کہ کہہ نہیں سکتے ۔ کنارِ یں میں ہیں کسی کے کہ ہیں مزار میں ہم
رقیب دیکھ سنبھل کر کے سامنے آنا ۔ برہنہ تیغ ہیں اِک دستِ روزگار میں ہم
کمالِ عشق جنوں ہر جگہ برابر ہے ۔ ہیں قیس دشت میں فرہاد کوہسار میں ہم
آتا ہے عیادت کے لئے یار ہمیشہ ۔ اللہ کرے میں رہوں بیمار ہمیشہ
کوئی دم دیکھا جو یں نے کھولکر آنکھیں ضمیر ۔ تھا حباب اس بحر میں نقشہ مری تعمیر کا

فارسی غزل

ز آتشِ ہجر چناں می سوزم ۔ کہ بہ یک نالہ جہاں می سوزم
دم برم در شبِ تارِ ہجراں ۔ شمع ساں گریہ کناں می سوزم
ہر نفس در رہِ الفت چو صبا ۔ بر پئے غنچہ دہاں می سوزم
خاک گشتم بہ ہوا یت لیکن ۔ ہمہ چوں ریگِ رواں می سوزم
شمع پر داخت بہ پروانہ یکے ۔ تا کہ دانی کہ چساں می سوزم
تو وجنت ہمہ با ساز و طرب ۔ من و دوزخ کہ ہماں می سوزم
از تو بے مہر کنوں دلسوزی ۔ چشم دارم کہ بجاں می سوزم

نالہ ہیکش ضمیر از سینہ بروں
تا بداند کہ نہاں می سوزم

قصیدہ

من چہ گویم کہ بہ رخصت بچہ عنواں رفتم | کہ بجاں آمدہ خود بودم و بے جاں رفتم
حیف داند بتِ بے مہر کہ آساں رفتم | رفتم از خویش ولیکن چہ پشیماں رفتم
آمدم اشک درہ دیدہ و مژگاں رفتم | رنگ گردیدم و از چہرۂ یاراں رفتم
سنگ بر سینہ چو آئینہ نہادم یکسر | وز سرِ بزم سراسیمہ و حیراں رفتم
رفتم و بایہ صد آبلہ پائے گشتم | کہ جگر تفتہ تر از ریگِ بیاباں رفتم
رفتم و زیر و زبر بخت و سما را دیدم | کہ الم خیز تر از جانِ جواناں رفتم
جگر و سینہ و دل چاک نمودم یکسر | شور انگیز تر از داغِ عزیزاں رفتم
صورتِ غنچۂ تازہ و گلِ افسردہ | آمدم جمع دریں باغ و پریشاں رفتم
آمدم صبح چو گل خندہ زناں در گلشن | شام چوں بلبلِ حرماں زدہ نالاں رفتم
ہستم آں دُر کہ بروں آمدہ ز آغوشِ صدف | اشک گردیدم و افتادم و غلطاں رفتم
ہستم آں شمع کہ از جمع جدا افتادہ | سوختم داغ شدم بے سر و ساماں رفتم
ہستم آں خضرِ سیہ بخت کہ با تشنہ لبی | سیر ناکام ز سرچشمۂ حیواں رفتم
آں ہستم قطرہ کہ از بحر کنار افتادم | آں ہستم ذرہ کہ از مہرِ درخشاں رفتم
گرچہ من لعلِ گراں سنگ بدم لیک چہ سود | کہ سبک با دلِ پُر خوں ز بدخشاں رفتم
تا کہ از مشرقِ امید بر آمد خورشید | صبح آسا ہمہ با چاکِ گریباں رفتم
از دمِ صبحِ وطن تیرہ چو شد آئینہ ام | چوں بلائے بہ سرِ شامِ غریباں رفتم
دیدہ باشی کہ بہنگامِ گسل از حسرت | تا سرِ حدِ نظر سوئے تو نگراں رفتم
بود فرقِ بہ میانِ من و تو وقتِ وداع | مسلکِ عہد ترقی رہِ پیماں رفتم

تو چو برقے برخِ ابر چہ خنداں رفتی — من چو ابرے بہ پئے خویش چہ گریاں رفتم
نیک مرغوب نمودی کہ بر ایشاں رفتی — سخت ناخوب نگردم کہ بدیساں رفتم
صبر بیچارہ ام از جور تو ایں میگوید — کہ بسر آمدی و حیف بہ پایاں رفتم

روسیاہم نہ صمل در رخِ پاکاں امروز
شکر صد شکر کہ بر دین و بر ایماں رفتم

ترجیع بند

اے دادہ بباد آشنائی — و انداختہ طرح بے وفائی
ایں بود وفائے عہد الفت — انصاف بہ خویشتن نمائی
از دردِ دل چہ گشت حاصل — جز سینہ زنی و دست سائی
جاں خستہ و دلفگارم آخر — تا چند بہ صبرم آزمائی
چوں خود غمِ عشقِ تست جانکاہ — بیداد و ستم چرا فزائی
گشت از سرِ زلفِ تو مسلّم — آشفتہ سری و شکستہ پائی
اے جانِ جہاں بنا توانان — تا کے دستِ جفا کشائی
حالِ منِ خستہ بس زبون است — باید کہ کنوں برحم آئی
یک روز ز درد آنکہ بخشی — از درد و غم و الم رہائی
چوں نیست امید آں کہ ظالم — باز آئی گہے ز کج ادائی

با صبر بسازم و نشینم
شاید کہ رخِ مراد بینم

گر بخت خوش است دست گیرم — در پائے مبارکت بمیرم
دریوزہ گری درگہت بس — نے کار ز تاج و نے سریرم

هر چند جان کشتی بصد جور — من دل ز سر تو بر نگیرم
هر حلقۂ زلف تاب دارش — در دام بلا کند اسیرم
گه در دل سنگ او نگیرد — بر باد همی رود نفیرم
گر او به جمال بے مثال است — من نیز بعشق بے نظیرم
دارائے دیار درد و عشقم — در صورت اگرچه من فقیرم
تا زاو بداد مادر دهر — خون جگرم بجائے شیرم
صد بار فگندم و نه در خود — گاہے بسر نشانہ تیرم
چون در چه تنگ و تار فرقت — ناگاه فگند چرخ پیرم

با صبر بسازم و نشینم
شاید که رخ مراد بینم

اے ساقی من بده مئے ناب — بر آتش من و مے بزن آب
از دست منه تو جام و مینا — تا خشک لبم شود نه سیراب
تو نیز بساز و چنگ و مطرب — برخوان غزلے بیاد احباب
باشد که به تو دلم کنم خوش — یکدم برهم ازین تب و تاب
عمریست که دل به آتش غم — در سینه همی طپد چو سیماب
فوج غم هجر ز تاب یکبار — ناگاه ببرد ره خور و خواب
از دل شده ام بآتش اندر — وز چشم فتاده ام بگرداب
هر رخت که داشتم بخانه — از نیستی بخت برد سیلاب
گر بر کشم آستین ز دیده — گردد همه روی خاک غرقاب
هر چند منم چو نوح لیکن — چون بحر فراق نیست پایاب

با صبر و بسازم و نشینم
شاید که رخ مراد بینم

اے تازہ نہال گلشن ناز   اے سایۂ بہار تکلف انداز
کس نیست ز مہر خانِ عالم   با حسن جمال با تو انبار
آخر چہ کنم چو دارم اے دوست   نے تاب قفس بے بالِ پرواز
اے جاں نگرم تو چاک چاک است   آن سینہ کہ بود پردۂ راز
رسوا شدہ ام میانِ مردم   فریاد ز دست اشکِ غمّاز
انجام ندانمش چہ باشد   با من چو نہاد ہجر آغاز
شب ہا بخیالِ شمع رویش   می سوزم و برنیارم آواز
تا جلوہ دنا ز تا در آید   دارم در چشم خویشتن باز
نیاید چو دست کوتہ ما   داماں دراز آں سرافراز

با صبر و بسازم و نشینم
شاید کہ رخ مراد بینم

اے شاہد خود نما و خودکام   از پردہ برآ چوں مہ تمام
صیاد تو ہست بلبل ما   از خط بہ چمن نہادہ گلدام
خوں گشت مرا بآرزو دل   حاصلِ زیست گہے نشد کام
جز فکرِ رخ و خال زلفت   کارم نبود ز صبح تا شام
از اشک نیرخ و دیدۂ من   ہیہات فتاد تشت از بام
زود آئی کہ بہ درد و فرقت   از جان و دلم قرار آرام
در ہجر مرا چو لالہ اے گل   خون جگر است بادۂ جام
نزدیک مجرد نم بدوری   بینم چہ شود مرا سرانجام
اے باد بہار گوئی از ما   پوشیدہ ز محمل یار پیغام
چوں نیست سوائے درد و حرماں   در قسمت ما صمد ز ایام

با صبر دلبا زم و نشینم
شاید کہ رُخِ مُراد بینم

اے داروئے دردِ جانِ زارم — آرامِ دلِ پُر اضطرارم
گذرد چو حیات در ہوایت — انفاسِ حیات مستعارم
زاں دم کہ زپیشِ دیدہ رفتی — گردید سیاہ روزگارم
شب تا بگذشت از سرم آب — از ریزشِ چشم اشکبارم
اے عزتِ ماہ بے تو شب ہا — تا صبح ستارہ می شمارم
در ہجر تو میرم ولیکن — زین زیست تلخ شرمسارم
مجبورم اگرچہ لیک ہر حال — الطاف ترا امیدوارم
از آتشِ فرقتم چہ پروا — تا سوز ہست کہ سازگارم
تو زندہ باش ہر کجا باش — من خوش بغم تو سیگذارم
تا جاں مرا بہ آید از تن — من دل زغم تو برندارم
از دستِ زمانۂ جفاکار — چوں ہیچ نشد کشود کارم

با صبر دلبا زم و نشینم
شاید کہ رُخِ مُراد بینم

اے یارِ غمم چو راحتِ دل — دردِ تو دوائے قوتِ دل
چشمِ تو کفیلِ ہستی جاں — لعلِ تو ولی نعمتِ دل
روئے تو چراغ چشم مردم — کوئے تو بہشت و جنتِ دل
شاہنشہ عشق او در آورد — در زیرِ نگیں ولایتِ دل
اِک بار غمش ربود از ما — آسایشِ جاں جمعیتِ دل
شد بر سرم انچہ در فراقش — من دانم و یا کہ حضرتِ دل

اُو رخ کہ ز دستِ سیلِ گریہ　　اُفتاد ز پا عمارتِ دل
اک جلوہ ز دوست چشم دارم　　پرداختہ است خلوتِ دل
گر دو چہ کنم از صدمہ بیابم　　فیضے ز سرائے دولتِ دل
کامم چو نمی برآمد اکنوں　　از دہر چناں کہ حسرتِ دل

باصبر و بسازم و نشینم
شاید کہ رُخ مُراد بینیم

قطعہ کتخدائی مولوی زاہد الحق صاحب فرنگی محلی

خزاں گشت ز باغ جہاں مبارکباد　　بہارِ خرّمیِ جاوداں مبارکباد
بقمری کہ اسیر ہوائی قد سہی ہست　　سر خمیدن سروِ چماں مبارکباد
ز فیض بادِ صبا ہر طرف بصحن چمن　　شگفتہ است گلِ ارغواں مبارکباد
بگوشہ گوشہ مہیاست برگِ عیش و سرود　　فروغ انجمن دوستاں مبارکباد
منوّر است شبِ وصلِ یارِ من زاہد　　ز شمع دودۂ قدسیاں مبارکباد
ز کتخدائی او بر زمیں عجب نبود　　چو دمبدم رسد ز آسماں مبارکباد
کنوں کہ نیست غمِ احتساب و منع یدہر　　ق　　بہ شیخ بیعتِ پیرِ مغاں ہمبارکباد
قدح زنیم کہ یاراں شراب پیمودم　　بدورِ عشرتِ آں کامراں مبارکباد
صبا بآں گلِ شاداب باغ یکرنگی　　بگوئے از اثر خستہ جاں مبارکباد
چہ شد چو دیدہ ام از بند پائی محروم است　　کہ میرسد ز دلم بر زباں مبارکباد
مگر خوشم ز دل تا بہ دیدہ ہمراہ است　　ز روئے اشک نشد رائیگاں مبارکباد
بباغِ دہر ہوائی بہارِ سالِ نشاط　　چو گل شگفت دلِ مخلصاں مبارکباد

چو نوش سرو ز روئی حظوظ مرغ چمن
وصال سرو سمن باغیاں مبارکباد
۱۸۷۷ء

خاور ابو الشمس خورشید احمد خاور مرحوم متوطن فتحپور (دیسوان) ضلع بارہ بنکی وکالت اور ملازمت کی بدولت بیشتر زمانہ دکن خاصکر اورنگ آباد میں گزرا۔ اردو وفارسی کلام کا ذخیرہ بھی چھوڑا جوان کے کسی بھانجے کے پاس ہے بھی تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ عاقل اورنگ آبادی نے ان کی ایک غزل اپنے نام سے الاعظم میں آخر چھپوا ہی دی۔ ہر چند حکیم محمد یوسف صاحب نے تعرض بھی کیا تاہم کلام جب تک غیر مطبوعہ ہے اس کا آئندہ بھی اندیشہ ہے۔

میری بیاض میں کوئی دو ورق کا ایک شعر بحر طویل میں ہے جو بجائے خود ایک چیز ہے مگر یہ اس کا محل نہیں لاچار الاعظم والی غزل مذکور کا ایک شعر اور مقطع و نیز بیاض کے اور دو ایک شعر سے ان کا حق بزرگانہ ادا کرتا ہوں کہ غفران مآب کے جشن چہل سالہ کا مطبوعہ مسدس ان کی یادگار شاعری کے لئے کافی ہے۔

کھلا ہے فصل گل میں میرے داغوں سے نیا گلشن ۔۔۔ مزا کچھ دے ہی جاتی ہے بہار آئے جو موسم سے
نہیں بیکار اس عالم میں خاور ایک ذرہ بھی ۔۔۔ نکمے ہیں تو اک ہم ہیں کوئی بدتر نہیں ہم سے
مجھکو بھی تو او ستم ایجاد بتا رکھ ۔۔۔ کل کیا ہے جواب اس کا جو کرتا ہے ستم آج
کبھی گذرتی تھیں راتیں پریجالوں میں ۔۔۔ تڑپتے کٹتی ہے یا رب انہیں خیالوں میں

یوسف محمد یوسف نام یوسف تخلص وطن فتحپور (دیسوان) ضلع بارہ بنکی اقامت حیدر آباد دکن۔

ابتدائی زمانہ بارہ بنکی میں گذرا۔ بارہ بنکی میں منشی احسان علی فصیح مرحوم کا قایم کردہ ھشتبنگ پریس اور شایع کردہ ممتاز الاخبار عرصہ تک آپ کے زیر اہتمام و زیر قیادت رہا۔ باقی آخر زمانہ حیدر آباد میں بسر ہوا جو تمام تر سرکار عالی کے محکمہ رجسٹریشن و اسٹامپ سے متعلق رہا۔ آخر رجسٹریشن کو رجسٹریشن بنا کر اس طرح اس کو چھوڑا کہ خود سرکار نے بھی اس کا عملاً اعتراف کیا کہ گرانقدر انعام بھی عطا کیا اور چھ سو گرید کا

وظیفہ حُسن خدمت بھی۔

آپ میرے حقیقی سرپرست اور واقعی بزرگ ہیں۔ کچھ دن میری تربیت و تعلیم بھی آپ ہی کے دامن شفقت میں ہوئی اور دکن میں بھی آپ ہی کے سایہ عاطفت میں گذری۔ خلوت پسندی اور شہرت ناپسند طبیعت حکیمانہ کی وجہ عام طور پر اس قدر مشہور نہیں ہیں جس قدر خاص خاص صاحبان ذوق میں آپ کا علم شعر و فن و کمال مسلمہ ہے۔ ایران کی ایک مجلس علمیہ سے آپ کو انعام بھی ملا ہے۔ ہر چند زیادہ تر فارسی کہتے ہیں اور فارسی کلام بحمداللہ محفوظ بھی ہے تاہم ابتدا میں اُردو بھی کہا جو افسوس ہے کہ کچھ بھی محفوظ نہ رہا یہی دو تین اردو غزلیں ہیں کہ اس کے کچھ شعر بیاض میں تھے اور کچھ اب میں نے بہم پہونچائے جو اندازۂ حسن کلام کے لئے ناکافی ہیں اس لئے نیرنگِ حیات ایک اردو نظم کے چند شعر جو شعر غزل ہی کا لطف رکھتے ہیں و نیز چند جدید اردو کی رباعیاں کہ اب اردو میں صرف یہی ایک آپ کا موضوع سخن ہے اور اسی سے آپ اپنے وقت کے خیّام ہیں نذر و ہدیہ ہیں کہ لطف سخن کے علاوہ ان کا تحفظ مجھ پر ایک حق بھی ہے اور میرا ایک فرض بھی۔

لڑکپن کا زمانہ ہے اور دل ہنوز دردِ عشق سے نا آشنا ہے۔

عاشقی تھی وہ زمیں جس پر قدم رکھے نہ تھے دلبری تھی وہ ثمر جس کا مزا چکھا نہ تھا

کھیل میں کسی کی نہ سننا تو خیر مگر یہ بڑے پیر مغان سبحان اللہ۔

ہم سنوں کا جس گھڑی ہوتا تھا مجمع کھیل میں پھر بڑے پیر مغاں کی بھی کوئی سنتا نہ تھا

یاری دوستی بگاڑ ملاپ سب کھیل تھا۔

اِس گھڑی اِس سے بنی تھی اُس گھڑی اُس سے بگاڑ آج اِس سے دوستی تھی اُس سے کل یارانہ تھا

گر لڑائی بھی ہوئی تو جلد ہو جاتا ملاپ مکر سے نا آشنا بغض سے بیگانہ تھا

لڑکپن گذرا تو اب جوانی ہے اور عالم گو ناگون ہمت ہے تو یہ ہے کہ

کام جو مشکل تھا آسان تھا اپنے سامنے ہیچ پر دشوار پیش ہمت مردانہ تھا

بے محل ہنسی اور حقیقت سے بیخبری ہے مگر حقیقت ہے۔

کیا ہنسی آئی نظر پڑتا جو پیرِ پشت خم ۔۔۔ ہم سمجھتے تھے ہمیں ایسا کبھی ہونا نہ تھا

باقی عالم عشق کا تو پھر کیا کہنا۔

بس بُھنا جاتا تھا شوقِ آتش رویاں میں دل ۔۔۔ سینۂ صد داغ تھا یا کوئی آتش خانہ تھا

گُلرُخوں کا ذکر ہوتا تو بس بلبل تھا میں ۔۔۔ نام آتا شمع رو کا تو میں پروانہ تھا

پھر پیری ہے اور یہ انتہا ہے کہ

اب وہ چُستی تھی نہ چالاکی نہ وہ جوش و خروش ۔۔۔ زندگی کا ہیکلو تھی اک فعلِ مجبورانہ تھا

بدلی مونس تھی اپنی اور تنہائی رفیق ۔۔۔ بس بجز دم کوئی آتا نہ تھا جاتا نہ تھا

اپنی پیری تھی کہ دنیا ہو گئی تھی پیرزال ۔۔۔ پھر کسی شئے میں وہ اگلا سا مزا آتا نہ تھا

بالآخر نتیجہ یہ ہے کہ

ہم کوئی رہرو تھے جو ٹھہرے تھے آکر رات بھر ۔۔۔ اور یہ دورِ فنا گویا مسافر خانہ تھا

مرحلے ہستی کے سب طے ہو چکے قصہ تمام ۔۔۔ خواب تھا جو کچھ بھی دیکھا جو سنا افسانہ تھا

افسوس کہ پوری نظم اس کتاب کی متحمل نہیں ورنہ واقعی نیرنگِ حیات آنکھوں میں پھر جاتا ہے جو صرف شاعری ہی نہیں ہے فلسفۂ طبیعت بھی ہے کہ رنگ رنگ میں ایک رنگ ہے اور رباعیات ذیل اس کا بدیہی ثبوت ہیں۔

دیوانہ ہے ہر ملت و مشرب تیرا ۔۔۔ کھلتا نہیں پر حال کسی ڈھب تیرا

جو حُسن ہے دیتا ہے گواہی تیری ۔۔۔ پھر پردے میں کیا بھید ہے یارب تیرا

مذہب کا ہے فلسفہ محبت کے لئے ۔۔۔ اسلام کی سب دھن ہے اخوت کیلئے

عقبیٰ میں کیا ہوگا ٹھکانا ان کا ۔۔۔ دنیا میں جو لڑتے ہیں جنت کیلئے

کہتے ہیں کہ معیار رنج و راحت کیا ہے
نفرت کیا شئے ہے اور رغبت کیا ہے
فطرت نے نہ بخشا ہو جسے ذوقِ صحیح
ہم کیا اُسے سمجھائیں حقیقت کیا ہے

اے عقل ترے دین سے دنیا معلوم
روشن ہے ترے نور سے ہر نامعلوم
بے سود ہے اَرباب روایت سے خطاب
یہ نقل کے بندے ہیں انہیں کیا معلوم

پوشیدہ جو کچھ پردۂ تقدیر میں ہے
وابستہ وہ اسباب کی زنجیر میں ہے
بیکار ہے قسمت کی شکایت یوسف
تقدیر کا جو راز ہے تدبیر میں ہے

یوسف یہ قلق یہ جانفشانی کیسی
یہ روز کا غم یہ ناتوانی کیسی
جیتے ہیں جو ہجر میں وہ عاشق کب ہیں
جب جان نہیں تو زندگانی کیسی

وہ ہم نہ رہے نہ رنگِ محفل باقی
نے صحبت یارانِ مقابل باقی
اشکوں کی پر اب تک ہے گلابی رنگت
شاید ہے ابھی شائبۂ دل باقی

سنتے ہیں وفا کا نام عنقا ہے یہی
کوئی بھی نہیں کسی کا دیکھا ہے یہی
اخلاص کی فکر میں نہ مٹئے یوسف
دنیا میں غرض ہے اور دنیا ہے یہی

یوسف تو شریک رنج و راحت تھا کبھی
پسماندۂ آثار محبت تھا کبھی
ہے ہم کو بہت شاق نہ ہونا تیرا
کیا ذات سے تیری لطفِ صحبت تھا کبھی

مثنوی کا رنگ لئے ہوئے بہت قدیم غزل ہے ابتدا اردو سے ہے خاتمہ فارسی پر۔ اردو کی حد تک یہ چند شعر انتخاب ہیں۔

اُجاڑا غم نے باغِ نوجوانی | لٹی کیا کیا بہارِ زندگانی
کھلے کیا غنچۂ پژمردۂ دل | کہ یاں ہے ہر نفس بادِ خزانی
میرے رونے پہ کیا ہنستا ہے ناصح | نہیں تو جانتا دردِ نہانی
ادائیں گرم مشقِ جاں رُبائی | نگاہیں مست شوقِ دل ستانی
کہاں اب ہم کہاں افسانۂ عشق | نہ چھیڑا اے یادِ ایامِ جوانی
پلا ساقی شرابِ ارغوانی | کہ عاجل ہے بہارِ عنفوانی
تری ہمت براتِ شادکامی | تری بخشش نجاتِ سرگرانی
پھر آئے اس طرح گردش میں ساغر | کہ پھر جائے مدارِ آسمانی
وہ لے دے جس کی تابِ آتشیں سے | چھاک اٹھے فضائے لامکانی
وہ مئے جس کی شمیم جانفزا کے | قدم چومے نسیمِ بوستانی
وہ مئے جس کی نشاطِ دلکشا سے | بنے ہر سینہ کشتِ زعفرانی
شرابِ صاف و جاں پرور خرد بخش | طرب انگیز و موجِ زندگانی
شرابِ صیقلِ آئینۂ دل | جواہر خیز و خلّاقِ معانی
مئے روشن کہ در طبعِ سخنور | کشاید عقدہائے نکتہ دانی
مئے کز دستِ تو نوشد پسِ خم | جواں خیزد ز رُوحش شیخِ فانی

ہر چند رنگ میں ڈوبی ہوئی مگر فارسی ہے۔ اور کتاب کی بساط اردو تک ہے اس لئے دو اور اردو کی غزلوں پر خاتمہ کلام ہے۔

وقفِ خزانِ غمِ چمنِ آرزو نہ ہو | شوقِ طلب میں گر ہوسِ رنگ و بو نہ ہو
جانے نہ پائے ہاتھ سے وحشت کا سلسلہ | اتنا تو ہو کہ چاکِ گریباں رفو نہ ہو

کیا لطف میکشی کا شبِ ماہتاب میں
تصویرِ یار کاش چاند سی جب روبرو نہو

شکوہ ہے ہم کو تیرے نہ ملنے کا رات دن
پر کونسی گھڑی ہے کہ جب دل میں تو نہو

اے بیخودیٔ چشمِ تحیّر ہزار حیف
وہ سامنے ہو اور کوئی گفتگو نہ ہو

کیا خاک رنگ لائینگی یہ اشک باریاں
آنکھوں میں کیا دھرا ہے جو دل میں لہو نہو

پہونچانا اے صبا اسے کوئے حبیب میں
یہ اپنی مشتِ خاک کہیں چار سُو نہو

تردامنی سے خشکیٔ زاہد ہے ملتبس
کب اُس نے کی نماز قضا گو وضو نہو

یوسفؔ فریبِ نفس ہے مذہب کا اختلاف
کیا کہئے جبکہ ہم میں دلِ صُلح جُو نہ ہو

ناداں ہے جو ہے اُس کو شکایت مرے دل سے
نکلی ہے نہ نکلیگی محبت مرے دل سے

ناصح نہیں ہٹتا غمِ الفت مرے دل سے
کچھ آپ ہی کہہ دیکھئے حضرت مرے دل سے

کر سکتے نہیں جو غمِ فُرقت کا مداوا
پھر چھیڑ کی کیا اُن کو ضرورت مرے دل سے

آسان نہیں بارِ محبت کا اُٹھانا
اس کام میں کیا کوہ کو نسبت مرے دل سے

واعظ نے کہاں دیکھی ہیں شب ہائے جدائی
پوچھے کوئی احوالِ قیامت مرے دل سے

نالوں سے کبھی سر پہ اٹھاتا تھا فلک کو
یا آہ کی جاتی رہی طاقت مرے دل سے

کہتے ہیں کہ بے صبر نہ کرنا مجھے رُسوا
اس بات میں کیا خوف کی حاجت مرے دل سے

یا ہاتھ اُٹھا اِن کے بنانے سے خُدایا
یا کھو دے حسینوں کی محبت مرے دل سے

سمجھاتی ہے گو رحمتِ حق پیار سے لیکن
جاتی نہیں عصیاں کی ندامت مرے دل سے

یوسفؔ مجھے کچھ عشق کی دعوت کا نہ تھا شوق
خود عشق کو ہے حُسنِ ارادت مرے دل سے

اصغر

اصغر حسین نام اصغر تخلص ضلع گونڈہ وطن۔ دورِ حاضر کے مشہور شعرا میں ہیں۔ الہ آباد اکاڈیمی کے رکن ہیں۔ نشاطِ روح و سرودِ زندگی نام دو دیوان چھپ چکے ہیں۔ سرودِ زندگی کا صرف انتخاب ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ (جس میں سر تیج بہادر سپرو اور مولٰنا ابو الکلام آزاد کی تقریظیں بھی ہیں) اور یہ اُسی کا انتخاب در انتخاب ہے۔

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

عاشقی نام ہے تسلیم و وفاداری کا
یعنی اپنی سی کئے جائے بنے یا نہ بنے

انوار کی ریزش ہو اَسرار کی بارش ہو
گر جام کو ٹکرا دوں اِس گنبدِ مینا سے

قہر ہے تھوڑی سی بھی غفلت طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

رودادِ چمن سنتا ہوں اِس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائیگاں ہے وہی رائیگاں نہیں

جوشِ شباب نشۂ صہبا ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

خستگی نے کر دیا اس کو رگِ جاں سے قریب
جستجو ظالم کہی جاتی ہے منزل دور ہے

شمیمِ گلشن، نسیمِ سحر، شعاعِ خورشید، موجِ دریا
ہر ایک گرمِ سفر ہے ان میں میرا کوئی ہم سفر نہیں ہے

او لفظ و بیاں میں چھپنے والے
اب قصد ہے اور خامشی کا

ہر ہر قدم پہ جلوۂ رنگیں ہے تو بتو
خود تشنگی نگاہ جو زنجیرِ پا نہ ہو

رعنائی خیال کو ٹھہرا دیا گناہ
زاہد بھی کس قدر ہے مذاقِ سخن سے دور

یوں تو ساقی ہر طرح کی تیرے میخانے میں ہے
وہ بھی تھوڑی سی جو ان آنکھوں کے پیمانے میں ہے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

ہر چند بگولہ مضطر ہے اِک جوش تو اس کے اندر ہے
اِک رقص تو ہے اک وجد تو ہے بے چین سہی برباد سہی

رواں چودھری جگت موہن لعل رواں یم۔ اے۔ یل۔ یل۔ بی اُناؤ وطن شاگرد عزیز لکھنوی متوفی ۱۹۳۴ء

اِن کا کلام چھپ گیا ہے اور ان کی رُباعیاں مشہور ہیں۔ کلام مختصر ہی نظر سے گذرا۔ دو تین شعر صرف حاصل بیاض ہیں۔

یہ میکدہ یہ تری جنتِ نظر ساقی — اگر جئینگے تو پھر ایک بار دیکھینگے
حرم کی دیر و کلیسا کی خاک چھان چکے — اب اس گلی میں بھی اک دن پکار دیکھینگے
یہ آسمان نہیں اس زمین کے قابل — اُتارے دیتے ہیں لاشہ مرا کہاں احباب

طاہر میر طاہر علی طاہر فرخ آبادی متوفی ۱۹۱۱ء

قدیم استادوں سے ہیں ایک دیوان عاشقانہ مطبوعہ ہے۔ اور ایک عاشقانہ اور ایک نعتیہ دو دیوان غیر مطبوعہ ہیں۔ دبدبۂ آصفی اور رسالہ اردو میں ان کا حال و کلام دیکھنے میں آیا۔ اور چند شعر انتخاب ہوئے۔

دل افگاروں کے منہ پر چارہ گر یہ نہ کہنا تھا — جو ڈوبے اس طرح دل میں وہ پیکاں کم نکلتا ہے
اے ضبط ایک تھوڑی سی باقی تھی آبرو — رونے نے رات دن کے مٹا دی ہی سہی
یہ تونے کیا کہا ناصح نہ جا نا کوئے جاناں میں — ہمیں تو رہروؤں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا

صدق صدق جائسی۔

میں عفو کا طالب ہوں یہ اب تجھ پہ ہے موقوف
ٹھکرا مرا سر یا مجھے سینے سے لگالے

ذکی سید محمد ذکی بلگرامی متوفی ۱۲۸۵ھ شاگرد شیخ گوہر علی مشہد و مرزا دبیر کچھ دن غزل گو رہکر مرثیہ گو ہوئے۔ اس لئے چند شعر غزلیات بھی انتخاب ہیں۔

واہ رے عشق کہ معشوق بنا جاتا ہوں — کس کے انداز ہیں خاطر میں سمائے جاتے

کیوں خاک ہو کے داغ محبت مٹا دیا — اے دل اسی چراغ سے آنکھوں میں نور تھا
جنوں کا جوش تھا پوچھو نہ ذکر فکر شباب — خدا کی یاد بتوں کا خیال تھا کیا تھا

شمیم نبی الحسن بی۔اے (عثمانیہ) کاکوردی۔
سرکار عالی میں تحصیلدار ہیں۔ شاعر ہیں اور تسلیم مرحوم سے تلمذ ہے۔ شاعر امید۔ عالم حسیات۔ دو مجموعہ کلام چھپ گئے ہیں۔ عالم حسیات نظر سے گذرا ہے جو غزلیات اور نظم دونوں کا جامع ہے اور غزلیات کی حد تک یہ اُس کا مختصر سا انتخاب ہے۔

ابھی یہ ختم ہے اب داستان صیاد — نہ میں چمن میں کبھی تھا نہ آشیاں صیاد
مری نگاہ بھی اُٹھتی نہیں سوئے گلشن — کہ اس طرح بھی ہوتا ہے بدگماں صیاد
کوششوں کا جس قدر ہی تھا تعلق ختم ہے — اب کوئی صورت نکالیگا خدا میرے لئے
کرنا جو پڑے منت اغیار عجب کیا — یہ بھی مری تقدیر سے کچھ دُور نہیں ہے
اک وفا ہے کہ انہیں یاد دلاتی ہے مری — اک یہی بات ہے جس سے انہیں انکار نہیں
وہ پتھر میں نے اپنے کلیجے میں رکھ لیا — تیری نگاہ ناز کا صدقہ کہیں جسے
تمھاری نظر میں نہ ہو درد عشق — ہمارے لئے تو بڑی چیز ہے
بیخودی کے ایک دھندلکے میں نظر آیا کوئی — یہ یقیں سے کہہ نہیں سکتا کوئی تھا یا نہ تھا
اس سکوں کی زندگی میں لطف ہنگامہ کہاں — مرنے والے تجھکو مر جانے سے کیا حاصل ہوا

اعجاز سید اعجاز حسین علوی کاکوروی۔
سب رنگ میں کہتے ہیں۔ دو ایک تصنیفات نظم دلفروز وغیرہ چھپ گئے ہیں۔ بتقریب ملازمت دکن میں قیام ہے ایک غزل کے دو شعر انتخاب ہیں۔

زباں کاٹی گئی عرض مدعا یہ مری — کسی کو میری سی داد سخن نصیب نہ ہو
سوائے تار نفس اے جنوں بدن پہ مرے — جو ایک تار ہو ثابت کفن نصیب نہ ہو

شبلی

علامہ محمد شبلی مرحوم متوفی ۱۹۱۴ء

صدیوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ جامع علوم ہونے کے علاوہ فارسی کے بھی مسلّم الثبوت شاعر ہیں۔ اردو کی خوش نصیبی ہے کہ ولیوں سے لے کر عالموں تک سے اس کو فیض ہے۔ میر انیس کے سلاموں سے جس طرح اشعار کا انتخاب ہو سکتا ہے اسی طرح ان کی نظموں سے بھی شعر انتخاب ہو سکتے ہیں جو شعر غزل ہی کا مزہ دیتے ہیں چنانچہ دو ایک ابتدائی غزلوں کے علاوہ دو چار شعر نظموں ہی سے منتخب ہیں۔ باقی ان کے حال و کلام کے لئے جُدا دفتر درکار ہے۔

پھینک دیئے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال — ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کر لوں
دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے و گرنہ شبلی — خوب گذرے فلک دوں سے جو یاری کر لوں
جمع کر لیجئے غمزوں کو مگر خوبی بزم — بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے

نظم
اشعار

ہاتھ اُٹھ رہے ہیں یا علم فتح ہے بلند — چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے
کمبخت غیر کو ہے خوشامد کا احتمال — آئین بندگی میں جو مجھ کو کمال ہے
آیا کبھی نہ حرف تمنّا زبان پر — یاں تک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
فتح اس طرح کیا کرتے ہیں اقلیم قلوب — تیر ترکش میں نہیں ہاتھ میں تلوار نہیں
اور ہی کچھ ہے گرانباری دل کی تدبیر — سختی طوق گرانباری زنجیر نہیں
ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک معقول — کہ جہاں تک نہیں معقول تباہیں اغیار
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہہ دل حاضر ہے — آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی گھر ہیں تیار

اکبر

لسان العصر اکبر حسین اکبر الہ آبادی متوفی سنہ ۱۳۴۰ھ

رسماً ابتداء میں وحید سے اصلاح لی۔ مگر بعد میں واقعی لسان العصر ہو گئے

اور خود کہا اور بجا کہا ؎

میں اپنے آپ میں اِن شاعروں میں فرق پاتا ہوں
سخن ان سے سنورتا ہے سخن سے میں سنورتا ہوں

کہ واقعی شاعر کیا فلاسفر تھے پھر بھی نہ نظم میں سند ہیں نہ غزل میں۔ تین دیوان ہیں اور بیشتر زمانہ کا خاکہ ہیں۔ لیکن آخر دیوان تفسیر بھی ہے۔ رنگ ہمہ گیر ہے۔ اس لئے رنگ رنگ کے شعر الگ الگ مذکور ہیں کہ خللِ انداز رنگ و لطف نہ ہوں۔

رنگِ زمانہ

سیا اٹھے جو گزٹ لے کے تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسہ نہ ملا

خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور اِس پہ اکڑتے ہیں
یونہی بربادیاں آتی ہیں یونہی گھر بگڑتے ہیں

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کرلی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے اُن کے در پر
چست پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

میں اُن کی بزم سے اُٹھ آیا قبلِ دورِ جامِ شراب
محلِ شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا

کیا کہیں اوروں کو یہ ایسے ہیں وہ ایسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہئے۔
اِس دورِ عہد میں اُسے جینا نہ چاہئے

نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا
زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کرلی

بتِ زہرہ جبیں نے بہروں چھیڑی ہے اے اکبر
نمازِ صبح کو اِس وقت تو محفل سے اُٹھنے دے

نہیں کچھ اس کی پرسش الفتِ اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اِک غُل مچا کہ اِس کو بھی لیسنس ہے ضرور
منہ کھل چکا تھا ورنہ مرا آہ کے لئے

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا
خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں — حجاب ان کو نہیں آتا انہیں غصہ نہیں آتا
کیا گذری جو اک پردے کے عدو رو رو کے پولیس سے کہتے تھے — عزت بھی گئی دولت بھی گئی بیوی بھی گئی زر بھی گیا

سروس میں میں داخل نہیں ہوں قوم کا خادم — چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

قومی ترقیوں کی زمانہ میں دھوم ہے — مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

قائل تقادیر یہ تھے قائل تدبیر وہ — یہ قضا سے اور وہ اپنی حماقت سے مرے

مری قرآن خوانی پر تھے یوں معترض حضرت — مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہئے

یہ ان کا کورس ہی کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ ہوں اکبر — مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہئے

جس نے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے۔ — تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے ؛ — خدا کیا ہے خدا ہے اور کیا ہے

قصیدے سے یہ چلتا ہے نہ یہ دوہے سے چلتا ہے — سمجھ لو خوب کار سلطنت لوہے سے چلتا ہے

کمزور تھی مری صحت بھی کمزور تھی مری بیماری بھی — اچھا جو رہا کچھ بھی نہ کر سکا بیمار پڑا تو مر نہ سکا

عاشقانہ اور رندانہ

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں — نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
رقیبوں نے پہلو دیا تو چپ — میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہئے — کہہ دو بے اس کے جوانی کا مزہ ملتا نہیں

ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شب وصال — دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی — ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

نصیب ہو نہ سکی دولت قدمبوسی — ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے

قریب ختم تھی مجلس کہ آنکلے ادھر وہ بھی — غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائیگاں ہو کر

خیر چپ رہے مزا ہی نہ ملا بوسے کا — میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجلانے سے

مرحوم دل بھی کیا تھا کیا حسرتیں تھیں اس میں
اب تک کچھ اس کی باتیں میری زباں پہ ہیں

ناتوانی مری دیکھی تو مصور نے کہا
ڈر ہے تم بھی کہیں کھینچ آؤ نہ تصویر کیساتھ

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کرلیں
اے جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کرلیں

زندگانی کا مزا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

آپ تصنیف شرائط کی نہ تکلیف کریں
مجھکو خود ولولۂ عرضِ تمنا نہ رہا

شمول خوں نہیں ابر نیساں تیرے قطرے میں
درِ تاباں تو بن سکتا ہے یہ دل بن نہیں سکتا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب ہی میں پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ ویرانی ہے بہت
کوئی متنفس تھا نہ وہاں اندر بھی پھرا باہر بھی گیا

بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کیا نہ تھا
دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

اعتبار آپ کو نہ آئے گا
کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن
ہر روز یہ کہدیتے ہو اب اور کسی دن

شغل اپنا کیا بتاؤں آپ کو
جی رہا ہوں انتظارِ مرگ میں

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

گفتنی ہے دل پہ درد کا قصہ لیکن
کس سے کہئے کوئی مستفسرِ حالات تو ہو

سکوت اولیٰ ہے کیا حاصل بیانِ حالِ دل سے
تعجب خیز باتیں ہیں یقیں آئیگا مشکل سے

گو مجھ میں ہے بلاغت گو شعر با اثر ہیں ۞
لیکن مرے مصائب مجھ سے بلیغ تر ہیں

یہ چشمِ لیلیٰ کہاں سے آئی یہ قالبِ مجنوں کہاں سے ابھرا
جو باخبر ہیں انہیں خبر ہے نگاہ کس کی ہے آہ کس کی

پائی نہ وفا کسی میں ۞ ۞
چاہا تھا کہ ہو رہیں کسی کے

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی
اب تک بچا تھا آج پی لی

وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں
وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے

• کیا شان ترے جمال میں ہے
ہر وقت زمانہ حال میں ہے

اتنا جئے کہ جاننے والے گذر گئے — پُرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے
دیکھکر حضرت اکبر کو خدا یاد آیا — یہ مصائب کا ہجوم ایسے کمالات کے ساتھ

فلسفہ

جہاں صورت کا ذرہ ذرہ کمال معانی کا آئینہ ہے — مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا
اتنی آزادی بھی غنیمت ہے — سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں
گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا مگر — آنکھ میں آنسو مگر وقت سفر آ ہی گیا
یوں کہو مل آؤں اون سے لیکن اکبر سچ یہ ہے — دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں
ضروری کام نیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے — نہیں جی چاہتا مرنے کو مگر مرنا ہی پڑتا ہے
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھکر دل نے — کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے
مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا — اسی بہلنے سے اللہ یاد آتا ہے
ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا — یہ لطف کیا کہ جدا اُن سے ہوں ملال کے بعد
مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی — مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
شبِ غم کو بسر کر صبح راحت کی امیدیں ہیں — بلاؤں سے نہ ڈر مضطر نہ ہو کس پر نہیں آئیں
آپ کیا جانیں قدر یا اللہ — جب مصیبت کوئی پڑی ہی نہیں
خودکشی منع خوشی گم قیامت ہے مگر — جینا کتنا ہے اب خیر جئے لیتے ہیں۔
کیا کروں عہد وفا اپنے خیالات کے ساتھ — کہ خیالات بدلجاتے ہیں حالات کے ساتھ
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار — اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے
نہ بھول اس پہ یہ اور وہ تجھے ایسا سمجھتا ہے — تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے
سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں — اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں
ہمارے ذہن کو اس مصرع اکبر پہ مستی ہے — خوش اخلاقی عبادت ہے خوشامد بت پرستی ہے

رہتے ہیں اس خیال میں ہم اپنے گھر پڑے — کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ ہم پر نظر پڑے
اُن کے حسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں — گو خوشامد ہے بُری چیز مگر کرتے ہیں ؛

تفسیر

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری — معلّٰے ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ — ہمارا حسن ہے ترکِ مناہی
جو اہلِ دنیا کا رخ کروگے سکونِ خاطر کبھی نہ ہوگا — شریکِ کثرت بہت ملینگے شریکِ غیرت کوئی نہ ہوگا
یہی ہے مذہب کا جزوِ اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدّم — نئے طریقے ہیں لیکن اسے دوست ہوگا سنت یہی نہ ہوگا
کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان واپس نہیں ملیگی — بعید شانِ کریم سے ہے کسی کو کچھ دیکے چھین لینا
دنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا — جز اس کا ضروری ہے مگر کل نہیں اچھا
کوئی مرے تو پوچھ کہ کیا لے گیا وہ ساتھ — بالکل فضول بحث ہے یہ چھوڑ کیا گیا
نہ پوچھو کیا اثر اس مصرعِ اکبر کا ہے ہم پر — ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر
ہے موت میں ضرور کوئی راز دلنشین — مرنے کے بعد کچھ نہیں، یہ تو کچھ نہیں
نہ اس میں دخل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو — دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے
ہستی آخرت سے اُمید ہے بہت کچھ — بہتر کشد ز اول نقاش نقشِ ثانی
خدا کے ساتھ ہونے کا یقیں مشکل سے آتا ہے — وگرنہ جب خدا ہی ساتھ ہو تو پھر بیکسی کیسی
سینے میں دل آگاہ تو ہے کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی — بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی

حکمت و ظرافت

یا رب ہو خیر اکبر آشفتہ حال کی — سمدھن رقیب اور دوا اسپتال کی
پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا — مزے اب وہ کہاں باقی رہے بی بی میاں ہو کر

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا — کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

باہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں — مجھکو پری کا شبہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں — کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

ہمارے ملک میں اور ہونا ہے کیا تعلیم نسواں سے — بجز اس کے کہ باوا اور بھی گھبرائیں ماں سے

جدّ امجد خُود میں کرتے تھے یہ موسم بسر — ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

اسیر دامِ زلف پالیسی مدت سے بندہ ہے — فصاحت نذر لکچر ہے ریاست نذر چندہ ہے

خلافِ شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں — مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

بہت شوق انگریز بننے کا ہے ؎ — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے ؎

بنے بندر سے ہم انسان ترقی اسکو کہتے ہیں — ترقی پر بھی نیٹو بدنصیبی اس کو کہتے ہیں

کیا کہیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے — بی۔اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا — پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا۔

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی لنگوڑے ہو گئے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا

اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر — خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزور تیغ — یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزور موت

میں ہوا اُن سے رخصت اے اکبر — وصل کے بعد تھینک یو کہہ کے

موج نصیحت اکطرف دلکی روانی اکطرف — کل شیخ پورہ اک طرف میری جوانی اکطرف

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے — کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے — یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں — گفتنی درجِ گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی

جھنجوٹی میں یہ مصرع گا رہی تھی رات بی منیؔ
ٹھگو نے نفس کے سب ہیں نہ یہ شیعہ نہ وہ سنی

ہمیں کیا بالشویک آ گیا یا روس آتا ہے
ہمیں تو فکر سرمائی ہے ماہِ پوس آتا ہے

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

بہ خولہ گورنمنٹ اکبرؔ اگر نہ ہوتا ٭
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کے گوپیوں میں

دھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

شانِ نماز اکبرؔ شاہانہ ہو چلی ہے
مسجد الگ بنا ہیں اپنی میاں دفالی

کمیٹی میں چندے دیا کیجئے ٭ ٭
ترقی کے ہجے کیا کیجئے ٭

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جی نے ہم کو پتا نہ سمجھا

غریب اکبرؔ نے بحث پردے کی بہت کچھ مگر ہوا کیا
نقاب الٹ ہی دی اس نے کہہ کر کہ کریگا مرا اتو کیا

یہ حیا ہرگز نہیں ہے کافی نہیں ہے لیمن کا بندہ قائل
شراب ہی حلق سے نہ اتری تو شیخ صاحب نے پھر پیا کیا

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

شمشیرزن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپائیے زن کو نکالیے

بجا یہ نوٹ لکھ گئے ہیں اپنی پوتی بہن بھائی نانک
غذا نہ ہوگی تو کیا جیوں گا دیا کرو تم بڑا زنانک

رسا

کون یہ دیکھ سکے کوئی حسیں روتا ہے
ہو بناوٹ کا بھی رونا تو قلق ہوتا ہے

ان اچھی شکل والوں میں اگر کوئی نہیں ہوتا
تو اس محفل میں ہنسنے بولنے کو جی نہیں ہوتا

ہماری داستاں تھی کس مزے کی
لگے منہ چومنے افسانہ خواں کا

کسی کے عشق میں آفت ہے ان کا مبتلا ہونا
خدا جانے گذرتی ہوگی کیا کیا ان حسینوں پر

نوٹ۔ کیا اچھے اچھے شعر ہیں مگر افسوس کہ شاعر کا نام و نشان کچھ معلوم نہیں غالب قیاس یہ ہے کہ امیرؔ و داغؔ ہی کے زمانہ کے ہیں اور نواح لکھنؤ سے تعلق رکھتے ہیں

اور شعر بھی مشہور ہیں۔ بیاض نوٹ سے خالی ہے۔ اسی کا یہ نوٹ ہے۔

حسرت سید ذکر اللہ حسرت وطن کڑا مانک پور ضلع الہ آباد۔ بندگی بیچارگی کے طفیل تمام عمر دکن میں رہے۔ پنشن کے بعد وطن گئے بھی تو آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔ کچھ کہا تو مگر چھوڑ چھوڑ دیا۔ مجھ سے البتہ مار مار کے برابر کہواتے رہے اس لئے دو چار شعر جو اُن کے بیاض میں ہیں وہ گویا مجھ پر ان کا ایک حق ہے جو مجھے بہر حال ادا کرنا ہے۔

کبھی کعبہ کو گیا اور کبھی بت خانے کو — جستجو تھی تری کیا کیا ترے دیوانے کو
دل کی حالت مری کیا مجھ سے بیاں ہوتی ہے — بات جو منہ سے نکلتی ہے فغاں ہوتی ہے
لذتِ جام کہاں اور کہاں میں حسرت — مل گئی تھی کبھی قسمت سے قسم کھانے کو
اس طرح لطفِ گزشتہ کا خیال آتا ہے — جیسے دیکھا تھا کبھی خواب پریشاں کوئی

ماہر سید علی رضا ماہر کنتوری کامل لکھنوی سے تلمذ تھا بیشتر زمانہ حیدر آباد میں گذرا اور آخر یہیں کی خاک ہوئے شعر و شاعری اِن کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ آخر آخر سلام اور مرثیے بھی کہے۔ ورنہ زیادہ تر غزل گو رہے۔ میرے دوستوں میں تھے کلام یقیناً بقدر ترتیب و تدوین ہوگا مگر باوجود دریافت کسی اِن کے عزیز سے بھی اس کا پتہ نہ چل سکا اس لئے دو چار شعر جو بیاض میں ہیں انہیں سے ان کا حق ادا کرتا ہوں۔

ایک ہے قانونِ اُلفت ہر زمانے کیلئے — دل ہے آنے کے لئے اور جان جانے کیلئے
اُس گل کی محبت میں جو گُل کھائے ہیں میں نے
دو داغ اسی کے ہیں نہ دل ہے نہ جگر ہے
سر پہ آئی ساقیا برسات ہے — میری توبہ اب تو تیرے ہاتھ ہے

سلسلۂ غالب

دورِ حالی

حالی | خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی۔
لوگ طعنہ زن ہیں، اور یہ خندہ زن۔

حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے   اور آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

یا تو مستفید شیفتہ اور معتقد غالب تھے کہ انہی دونوں سے ان کو فیض سخن بھی ہے۔

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے   غالب کا معتقد ہے مقلد ہے میر کا

یا پیرو مغربی ہو کر خود مقتدا ہو گئے۔

حالی اب آؤ پیروی مغربی کریں   بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نیچرل شاعری کا سہرہ ان کے سر نہ بھی سہی تو بھی سر دفتر یہی ہیں۔ یادگار غالب حیات جاوید۔ حیات سعدی وغیرہ ان کی مشہور روزگار تالیفات ہیں۔ مسدس ان کا شاہکار ہے۔ دیوان ہے۔ اور دیوان پر مقدمہ ہے اور اس نے شاعری کے حق میں آگ پر پانی کا کام دیا ہے دیوان میں قدیم غزلوں پر (ق) نشان امتیاز ہے اور یہی گویا نشان تغزل بھی ہے باقی جدید غزلیں بھی لطف سے خالی نہیں ہیں اور یہ دونوں کا ملا جلا انتخاب ہے۔

تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا   کس کو دعوےٰ ہے شکیبائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا   کاٹنا ہے شب تنہائی کا
تم کو ہزار شرم سہی مجھکو لاکھ ضبط   الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

نہیں بھولتا اس کی رخصت کا وقت
وہ مل مل کے رونا بلا ہو گیا

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد
ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے
مینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہولیں
دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

اب بھاگتے ہیں سایۂ زلفِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہیں
ان سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا

جانتا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا

ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام
اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز
دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز

نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا
ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

یہ ہے سیر مجلس کہ جینے کی مورت
ٹٹولو تو ہیچ اور دیکھو تو سب کچھ

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

ترکِ دنیا کے علائق تو کئے سب زاہد
گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

ادیب سیف الحق ادیب متوفی ۱۹۱۸ء

دمیور گزٹ، اور شفق ہند کے اڈیٹر رہے آخر میں ریاست حیدرآباد میں ملازم ہوگئے۔ اور دلّی میں انتقال کیا۔ دیوان غالباً سرانجام نہیں ہوا۔ تین شعر زیب بیاض ہیں۔

کام بگڑے نظر آتے ہیں جبھی تک کہ خدا | گوشِ دل دے اُسے یارائے تکلم مجھکو
آج دو ٹوک کئے لیتے ہیں اُن سے ناحق | بن گئی اپنے ہی دم پر تو مروت کیسی
اب کیا عوض ہیں بوسہ کے لوگے کسی کی جان | بندہ نواز کہہ تو چکا میں خطا ہوئی

راقم خلیفہ غلام محمد راقم دہلوی شاگرد قدرت اللہ خاں قاسم

ایک شعر ہے اور وہی جانِ عشق ہے۔

بس کرچکے عاشقی مِری جاں | غصہ سے جو ترے ڈر گئے ہم

زکی سید محمد ذکریا خاں زکی متوفی ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء

غالب کی خود تحریر ان کی عمدہ شعر گوئی کی سند ہے۔ جو ان کے دیوان مطبوعہ میں شامل ہے۔ جو نظر سے نہیں گذرا۔ اور بیاض میں ایک شعر ہی ان کا محفوظ رہا۔

کہاں تک ضبطِ بیتابیِ دل سکیں مجھے چھوڑ ہے | تری خوئے تحمّل سے وہ بے پروانہ ہو جائے

آزاد حکیم الطاف احمد آزاد انصاری سہارنپور وطن اقامت حیدرآباد تلمیذ حالی مرحوم دور حاضر میں مشہور ہیں۔ نظم گو بھی ہیں اکثر نظمیں ان کی مشہور ہیں دو چار شعر غزل زیب بیاض ہیں۔

مثالِ جسم بے جاں زندگی کاٹی تو کیا کاٹی | ثبوت زندگی نا قابل انکار پیدا کر
نہ کچھ دنیا سے ربط اچھا نہ کچھ عقبیٰ کا خبط اچھا | نہ یہ آزار پیدا کر نہ وہ آزار پیدا کر
تجھے آزاد یوں درویشِ کامل کون مانیگا | جہاں سے ہو جریب و جبہ و دستار پیدا کر

کچھ اب بھی تلافی مافات کر
ترحم کہ جو ہوگیا ہوگیا
آزاد کی میخواری آزاد کا حصہ تھی
جب پی تو یہ کہکر پی اَلشّا ذوکالمعدوم
دو عالم کی خوشی نذر کر بیٹھا
آپ نے بندۂ درگاہ کا بھی دل دیکھا
طبیعت ہے درد آشنا ہوگئی
دوا کا نہ کرنا دوا ہوگیا ؛ ؛

سِلسلہ ذوق

دورِ داغ

ظہیر ظہیر الدین حسن خاں ظہیر دھلوی
ذوق کے شاگرد تھے مگر آخر آخر میں مومن کا دم بھرنے لگے تھے۔

طرزِ مومن سے نہ آگاہ تھے جب تک ظہیر
سچ تو یہ ہے کہ کبھی رنگ غزل نے ندیا

آخر عمر میں حیدر آباد بھی آئے عبد اللہ خاں ضیغم کے مشاعرہ میں زیارت بھی ہوئی۔ پھر یہیں غریب کی زیارت بھی ہوگئی۔ بس تبرک ہی تبرک رہ گئے تھے۔ بڑھاپا تو کجا تلف واذنین سے بھی محروم تھے کہ سماعت بھی جواب دے چکی تھی۔ گلستان سخن نام ایک دیوان چھپ گیا ہے باقی دو دیوان بمبئی کے مطبع کریمی نے خرید لئے۔ جو غالباً اب تک نہیں چھپے آخری قلمی دیوان ان کے نواسہ کے پاس ہے۔ کچھ انتخاب کلام ہی دیکھنے میں آیا اور دو چار شعر زیب بیاض ہیں۔

یہ کہئے اپنا ہی جی نہ چاہا وگرنہ خوفِ رقیب کیا تھا
کہ آپ آتے تو اٹھکے آتے زمیں پہ نقش قدم نہ ہوتا
کیا بری شئے ہے محبت بھی الہٰی توبہ
جرم ناکردہ خطا وار بنے بیٹھے ہیں
کہئے تو کہوں انجمن غیر کی روداد
کیا اب بھی اسے آپ کرامت نہ کہیں گے۔
فقط اک سادگی پر شوخیوں کے ہیں گماں کیا کیا
نگاہ شرمگیں سے ہے نہاں کیا کیا عیاں کیا کیا

بیخود ہیں تصوّر میں کسی برق ادا کے
سرمایۂ تسکیں ہے تڑپنا مرے دل کا

راسخ عبد الرحمٰن خاں راسخؔ دہلوی شاگرد ذوقؔ متوفی ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء
ہر چند ان کا دیوان نظر سے گذرا ہے مگر بیاض میں صرف دو شعر ہیں۔

یارب بنا دے تو ایسی صورت کا اور کچھ
اس آسماں سے تنگ ہوں یہ آسماں نہ ہو

بتانِ شعلہ خو سے گرم محفل ہم بھی رکھتے تھے
کبھی تھی جان ہم میں بھی کبھی دل ہم بھی رکھتے تھے

داغ جہاں استاد ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک نواب مرزا خاں داغؔ متوفی ۱۳۲۲ھ۔ دربار رامپور سے بھی متعلق رہے لیکن حیدر آباد آ کر غفران مکانؒ کی استادی سے نامور تر ہوئے۔ حیدر آباد ہی میں انتقال بھی ہوا۔ اور یوسف صاحب شریف صاحبؒ کی درگاہ مدفن۔ گلزارِ داغؔ۔ آفتابِ داغؔ دو اوّل دیوان ہیں۔ فریادِ داغؔ ایک مثنوی ہے۔ مہتابِ داغ حیدر آباد میں چھپا بعد میں یادگارِ داغؔ اور اس کا ضمیمہ بھی چھپا۔ دیوان تقریباً کل نظر سے گذرے اور یہ انہیں کا ملا جلا مختصر سا انتخاب ہے سلسلہ شاعری ان کا دورِ حاضر تک قایم ہے۔ اور انہیں کے ذیل میں مذکور ہے۔

توڑ کر آئے محتسب لے جائیں گے باہر نہ جھنکائے
آ نہ جائیں ریزۂ مینا و ساغر زیرِ پا

کیا ہے ایک دستِ آرزو نے وار دو جانب
زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

کیونکر اُس کی نگہ ناز سے جینا ہو گا
زہر دے اُس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا

رائیگاں جاتی نہیں محنت کسی کی ہمنشین
ہم دکھا دیں گے ہماری التجا نے کیا کیا

تمہیں کہو کہ کہاں تھی یہ وضع یہ ترکیب
ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

رہئے مشتاقِ جلوۂ دیدار
ہم نے مانا نظر نہیں آتا

سینے میں اب کہاں وہ جوش وہ بھی تھا اک ابال سا — بیٹھ گیا کچھ اٹھتے ہی چھوڑ گیا خیال سا

مزا جو اضطراب شوق سے عاشق کو حاصل ہے — وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

نامہ بر کہتا ہے مجھ سے کیا کرامت ہے تمہیں — جو وہ لکھتے وہ بھی تم نے خط میں لکھ کر رکھ دیا

داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں — حال دل کمبخت نے سب اُن کے منہ پر کہدیا

مبارک خضر کو ہو عمر جاوید — یہ تھوڑی سی گذر جائے تو اچھا ؂

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج — یہ برق بلا دیکھئے گرتی ہے کدھر آج

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی — بڑا مزا اُس ملاپ کا ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر

بیٹھے بٹھائے آگئے جو شامت تو کیا علاج — دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

مجھ سا نہ دے زمانہ کو پروردگار دل — آشفتہ دل فریفتہ دل بے قرار دل

مئے خانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ — ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت اِدھر کہاں

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالے میں — سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

رات دن نامہ و پیغام کہاں تک ہوں گے — صاف کہدیجئے ملنا ہمیں منظور نہیں ؂

ناامیدی مٹائے جاتی ہے — شوق نقشہ جمائے جاتا ہے

باز آئے ایسے لطف سے جو ہو ستم شریک — ظالم خدا کے واسطے تو مہرباں نہ ہو

کیا بھیڑ میکدے کے ہے در پر لگی ہوئی — پیاسو سبیل ہے سرِ کوثر لگی ہوئی

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری — لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدمے ظالم — بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

ترے وعدہ کو بتِ حیلہ گر نہ قرار ہے نہ قیام ہے — کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدھر ہیں اور ہم ہیں کدھر — نہ ہے نامہ بر نہ ہے پیامبر نہ پیام ہے نہ سلام ہے

بھلا ہو پیر مغاں کا ادھر نگاہ ملے — فقیر ہیں کوئی جلوہ خدا کی راہ ملے

مثل سُنی ہے کہ ملنے سے کوئی ملتا ہے — ملو تو آنکھ ملے دل ملے نگاہ ملے ؂ ؂

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی — عجیب چیز ہے یہ طولِ مدعا کے لئے
کبھی زمانہ میں گستاخ ہم بھی تھے اب تو — زباں ہے بہرِ ستایشِ دل التجا کے لئے
ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے — مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
قتل ہونگے ترے ہاتھوں سے خوشی ہے اسکی — آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے
شرکتِ غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری
صبر آتا دیکھکر ظالم نے پھر تڑپا دیا — میرے قابو میں طبیعت اک ذرا آنے کو تھی
پڑا ہوں سنگِ راہِ دوست بنکر کوئے دشمن میں — سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے
لڑے ہیں غیر سے غصہ ہے مجھ پہ — کوئی پوچھے تو میں نے کیا خطا کی
کچھ زہر نہ تھی شرابِ انگور — کیا چیز حرام ہو گئی ہے
خارِ حسرت بیان سے نکلا — دل کا کانٹا زبان سے نکلا
وہ اک ہمارا طریقِ الفت کہ دشمنوں سے بھی مل کے چلنا — یہ ایک شیوہ ترا ستمگر کہ دوست سے بھی دو دو بگڑنا
تھک گیا درد بھی اٹھتے اٹھتے — اب کلیجے میں رہا جاتا ہے
بدگمانی بھی محبت میں بری ہوتی ہے — وہ یقیں ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہو
ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں — ادا تمھاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے
لے خاک میں اب او فلک پیر ملا دے — پھر ہم نے شبِ وصل کا ساماں کیا ہے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی — بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے
نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہدو — کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے
خدا کرے یونہی چھل بل تری نظر میں رہے — لٹک ہے زلف میں جیسے لچک کمر میں ہے
نہ سمجھا عمر گذری اس بتِ کافر کو سمجھاتے — پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے
سر سے پا تک اک داستانہ ہے چھائی ہوئی — اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی
توبہ کر زاہد کروں توبہ میں ایسے وقت میں — یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی

وہ مجھ پہ شیفتہ ہو مجھے اجتناب ہو — پھر انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے — دل بے مدعا دیا تو نے
آپ کا حال جو غیروں سے سنا ہے میں نے — ہیں فقط کان گنہگار کہوں یا نہ کہوں
بدسلوکی میں مزا کیا ہے مزا ہے اسمیں — کہ ہمارا ہو تمہیں پاس تمہارا ہم کو

بیخود وحید الدین بیخود دہلوی متوفی ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء
شاگردانِ داغ میں ممتاز ہیں۔ کچھ کلام ہی صرف دیکھنے میں آیا اور چند شعر زیب بیاض ہوئے۔

منہ پھیر کر وہ کہتے ہیں بس مان جائیے — اس شرم اس لحاظ کے قربان جائیے
نہ دیکھے ہونگے لا اُبالی تم نے بیخود سے — کہ ایسے لوگ اب آنکھوں سے چھپتے جاتے ہیں
جو نہ کرنی تھیں انتہائیں کیں — تب بھی آزردہ ہیں تو خیر سہی
کیا قہر ہو گیا جو کہیں ہاتھ چھو گیا — یہ اب قصور معاف بھی ہوگا کسی طرح
سنبھل جائینگے بیخود آ گیا ہے غش نہ گھبراؤ — بھلی تشویش کی تم نے کہیں ایسے بھی مرتے ہیں
سوالِ وصل پر کچھ سوچکر اس نے کہا مجھ سے — ابھی وعدہ تو کر سکتے نہیں ہم مگر دیکھو
رقیبوں کے لئے اچھا ٹھکانا ہو گیا پیدا — خدا آباد رکھے میں تو کہتا ہوں جہنم کو
بات وہ کہئے کہ جس بات کے سو پہلو ہوں — کوئی پہلو تو رہے بات بدلنے کے لئے
دن جوانی کے گئے انکی ملاقات گئی — خواب کا ذکر ہے کیا رات گئی بات گئی
دردِ دل میں کمی نہ ہو جائے — دوستی دشمنی نہ ہو جائے
بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں — کہیں زاہد ولی نہ ہو جائے
اپنی خوئے وفا سے ڈرتا ہوں — عاشقی بندگی نہ ہو جائے
ہر چیز پہ بہار تھی ہر شئے پہ حسن تھا — دنیا جوان تھی مرے عہد شباب میں

شاعر آغا شاعر دھلوی۔
مشہور ہیں۔ دو ایک ان کے ناول بھی ہیں۔ سب رنگ میں کہتے ہیں۔ حیدر آباد بھی دو ایک مرتبہ آئے گئے۔ مشاعروں میں ان کو پڑھتے سنا ہے پڑھنے کا انداز خاص ہے۔ پہلے کوئی شعر استاد کا پڑھ لیتے ہیں۔ پھر اپنی غزل پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں اب بھی یہ انداز قایم ہے یا نہیں مجموعہ کلام دیکھنے میں نہیں آیا۔ دو تین شعر داخل بیاض ہیں۔

جوانی بھی عجب شئے ہے کہ جب تک نشہ ہے آنکا | مزا ہے سادے پانی میں شراب ارغوانی کا
مسّی کی دھڑی اس پہ غضب پان کی لالی | نیلم کا دو پلکہ ہے عقیقِ یمنی میں۔
مرے ماتم میں یوں روتے ہوئے آنے سے کیا مطلب | تمھارے دشمنوں کو میرے مرجانے سے کیا مطلب

احسن محمد احسن احسن
مارہرہ وطن کچھ دن حیدر آباد میں بھی رہے جلوہ داغ۔ سوانح داغ۔ تاریخ نثر وغیرہ کے مولف ہیں۔ آج کل مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں اردو کے لکچرار ہیں۔ مجموعہ کلام یا دیوان نظر سے نہیں گذرا۔ ایک شعر داخل بیاض ہے۔

ہمیں اٹھواتے ہیں وہ بزم سے ان استعاروں سے
پتنگوں کو اڑا دو شمع کو محفل میں رہنے دو

اشک میر قطب الدین اشک دھلوی
ہر چند انھوں نے ذوق، ارشد اور ظہیر سے بھی استفادہ کیا ہے اور آخر میں داغ سے مستفید ہوئے۔ تاہم ان کے ساتھ بہت دن رہے۔ سفر کلکتہ میں بھی ساتھ تھے۔ مثنوی فریاد داغ میں ہے کہ

میرے ہمراہ میر قطب الدین | اشک ریزاں بحالتِ غمگیں

و نیز حیدر آباد میں بھی ساتھ اور جلیس رہے ان کا ایک مطلع اکثر داغ صاحب کی زبان پر رہتا تھا۔

تمہیں اور ہیں کون بہکانے والے ۔۔۔ یہی آنے والے یہی جانے والے

غرضکہ داغ ہی کے تلامذہ میں ان کو لے کر تین شعراء ان کے گذر ان دئے جاتے ہیں

ملیگا وہ تو قسمت ہے مگر ہے دل لگی دلکو ۔۔۔ اِسے الجھا ہوا اسی سعی بے حاصل میں رہنے دو

برباد مری خاک کبھی یوں تو نہ ہوتی ۔۔۔ جھٹکا ہے مگر راہ میں دامن سے کسی نے

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے ۔۔۔ تجھے اے کافر ترسا فقط ترسانا آتا ہے

نوح

محمد نوح نوحؔ

سفینہ نوح ۔ طوفان نوح ۔ دو دیوان شایع ہو چکے ہیں ۔ تیسرا دیوان بھی مرتب ہے ۔ بڑے پرگو ہیں ۔ اور رتبہ اُستادی رکھتے ہیں ۔ کچھ غزلیں نظر سے گذریں مجموعی کلام دیکھنے میں نہیں آیا ۔ بیاض میں ایک شعر صرف محفوظ ہے ۔

مرے مر کر جئے پھر مر گئے جی کر جوانی میں ۔۔۔ یہی ہیں چند باتیں اہلِ اُلفت کی کہانی میں

آہ

غلام حسین آہؔ دلی وطن کلکتہ اقامت ۔

الصدق نام ایک رسالہ بھی نکالا تھا ۔ کلام متفرق ہی نظر سے گذرا ۔ اور ایک شعر باقی رہا ۔

ہم فقیروں کو بھی کچھ حسن کی خیرات ملے ۔۔۔ جس کو دیتا ہے خدا راہِ خدا دیتے ہیں

بارق

مرزا منظفر حسین بیگ بارقؔ علیگڈھ وطن اور بتقریب ملازمت حیدرآباد اقامت ۔

میں نے ان کو دیکھا اور مشاعروں میں پڑھتے سنا ہے ۔ مگر مزاج میں شوخی تھی ۔ روزمرہ خوب کہتے تھے اب [illegible] نہیں ہیں ۔ کلام بھی شاید شایع نہیں ہوا ۔ دو تین شعر بیاض میں یادگار ہیں ۔

اس حسن پہ بھی اُس کو دئے ناز و ادا اور ۔۔۔ سچ یہ ہے کہ بھرے ہی کو بھرتا ہے خدا اور

آپ کا وعدہ وفا ہوگا ضرور ۔۔۔ گر قیامت تک سلامت ہم رہے

دو روز تو جینے دو جوانی میں خوشی سے — کیا تم پہ فدا ہو کے میں مر جاؤں ابھی سے

جگر علی سکندر جگر مُراد آبادی دورِ حاضر میں نامور ہیں۔ کلام داغ جگر نام چھپ گیا ہے کسی صاحب نے ان کے سو شعر چھپے ہیں۔ اور اس میں ان کے حالات بھی لکھے ہیں لیکن ہماری بیاض اس کی متحمل نہیں ہے اس لئے چند شعر بیاض ہی پیش کش ہیں۔

دل کہے لیجئے جو جینا ہے — پھر یہ سودا گراں نہ ہو جائے
آسماں کو نہ دیکھئے تن کر — پھر یہ بوڑھا جواں نہ ہو جائے
تو کہاں یہ غریب خانہ کہاں — وہم ہے یا گمان ہے پیارے
تو نہیں میں ہوں میں نہیں تو ہے — اب تو ایسا گمان ہے پیارے
لے کے خط ان کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن — تھرتھرائے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا
ہائے یہ حسن تصور کا فریب رنگ و بو — میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آہی گیا
اصطلاح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں — درحقیقت جیسے مجھکو اعتبار آہی گیا
دل کو کیا کیا سکون ہوتا ہے — جب کوئی آسرا نہیں ہوتا
شاید تری نظر سے کچھ راز دل سمجھ لوں — کہتے ہیں عشق جس کو میری زباں نہیں ہے
سنتا ہوں کہ ہر حال میں وہ دل کے قریں ہے — جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے

کیفی سید رضی الدین کیفی حیدرآبادی۔ متوفی ۱۳۳۸ھ پہلے سالک کے شاگرد تھے۔ بعد میں داغ کے شاگرد ہوئے۔ ان کا کلام ان کے ذکر کے ساتھ چھپ گیا ہے۔ مشاعروں میں ان کا ساتھ رہا ہے۔ اجمیر شریف میں ان کا انتقال ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ چند شعر انتخاب ہیں۔

غرورِ عشق بڑھتا ہے تری بے اعتنائی سے — کہ لوگ اک امتیاز خاص سے ہم کو بتاتے ہیں
وہی نظر میں ہے لیکن نظر نہیں آتا — سمجھ رہا ہوں سمجھ میں مگر نہیں آتا

لڑتی تھی آنکھ اب نہیں ملتی نگاہ بھی — وہ بھی نظر میں ہے مرے یہ بھی نظر میں ہے
باتوں میں سوز ساز ہے آواز میں گداز — معشوق ہے کہ عاشقِ رنگیں مزاج ہے
نیا ارمان ہوتا تھا نئی امید ہوتی تھی — عجب دن تھے کہ اپنی عید اپنی عید ہوتی تھی
ہر طور ہر طرح کی جو ذلت مجھی کو ہے — دنیا میں کیا کسی سے محبت مجھی کو ہے۔

عزیز

عزیز یار جنگ عزیز حیدرآبادی

علاقہ صرف خاص مبارک کے پنشنر تعلقدار اور حیدرآباد میں مشہور تھے صاحب دیوان ہیں اور دیوان بھی نظر سے گذرا ہے مگر انتخاب غیر محفوظ ہے۔ دو تین شعر زیب بیاض ہیں۔

جھوٹے وعدوں پر تھی اپنی زندگی — اب تو وہ بھی آسرا جاتا رہا
تعجب کیوں ہے بخشش پر ہماری تجھ کو اے زاہد — خطاوار محبت تھے سزاوار کرم نکلے
چشم عبرت کے لئے کیا کچھ نہیں — یہ نہ سمجھے کوئی دنیا کچھ نہیں ٭٭
ہم کو سنبھالتا کوئی کیا راہ عشق میں — کھا کھا کے ٹھوکریں ہمیں آخر سنبھل گئے
ان کو اس درجہ تنفر ہے دلِ عاشق سے — خط بھی لکھا تو کہیں دال نہیں لام نہیں

مزاج

نثار یار جنگ سید نثار احمد مزاج

علیگڈھ وطن ہے اور حیدرآباد میں قیام ہے پنشنر اول تعلقدار ہیں۔ اور اب صرف خاص مبارک میں تعلقدار ہو گئے ہیں۔ فارسی بھی کہتے ہیں۔ اور فارسی میں احمدی تخلص کرتے ہیں۔ اور اردو میں مزاج۔ غزلیات کے علاوہ نظمیں بھی کہتے ہیں ثمرہ نیکی یا مظلوم سلطانہ ایک ڈرامہ بھی لکھا ہے۔ مجموعہ کلام بھی تقریباً سرانجام ہو چکا ہے مجھے بھی آپ کی خدمت میں نیاز ہے اور ممنون ہوں کہ میری فرمایش پر آپ نے اپنے کچھ ذکر کے ساتھ دو چار تازہ غزلیں بھی عنایت فرمائیں۔ افسوس ہے کہ میری بیاض تذکرہ نہیں ہے اس لئے انتخاب اشعار ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

لے کے بہشت کیا کریں لطف گناہ جب نہیں
پھر در میکدہ کھلے پھر در توبہ باز ہو

کون ترانہ ریز ہے پردۂ ساز میں مزاج
کس کی صدائے جانفزا سمع نواز گوش ہے

موجوں کے تلاطم کا کیا خوف شناور کو
ہاں ہمت مردانہ دو ہاتھ میں ساحل ہے

اصل توحید علائق سے رہائی ہے مزاج
یہ نہیں جب تو پھر آزاد بھی آزاد نہیں

جو بات دل سے تا بہ لب آئی نہ تھی کبھی
مجبوریوں سے دل کی وہ افسانہ ہو گئی

وہی سمجھے یا ہم سمجھے ہوئیں جو راز کی باتیں
اشاروں میں سر محفل حساب دوستاں در دل

آصف

غفراں مآب میر محبوب علی خاں آصف سادس دکن متوفی ۱۳۲۹ ہجری ۱۹۱۱ء ہر چند داغ کے بعد اُستاد جلیل بھی اُستاد رہے مگر تقدیم چونکہ داغ کو ہے اس لئے انہیں کے سلسلہ کو نام نامی سے زینت دی گئی۔ کلام فصاحت التیام اس قدر کافی محفوظ ہے کہ یقیناً دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔ محبوب الکلام جب تک چھاپ میں اکثر کلام نظر افروز ہوتا رہا چند شعر زیب بیاض ہیں۔

ملے تھے آج تو ہم بھی جناب آصف سے
عجیب رنگ میں ہیں پوچھتے ہو کیا انکی

ایسے لوگوں میں نہیں ہم جو کہیں اور نہ کریں
مرد جو کہتے ہیں وہ کر کے دکھا دیتے ہیں

ہوا بھی ہم اسیروں تک نہیں آتی جو یہ پوچھیں
فضائے باغ کیسی ہے نکہت گلزار کیسی ہے

نہ کر کسی سے محبت یہ ہم نہ کہتے تھے
دل فریفتہ سنتا ہے تو بھلا کس کی

وہ ہوئے ہیں مرے مہمان بڑی مشکل سے
ان کا آج اترا ہے شیطان بڑی مشکل سے

پیو بھی پلاؤ بھی اس کا مزا ہے
یہ شیشہ بھرا ہے یہ ساغر بھرا ہے

کریں بتکدہ سے عبث قصد کعبہ
یہاں بھی خدا ہے وہاں بھی خدا ہے

یہ کافر حسیں اک جگہ جمع ہوں گے
جہنم میں بھی اک طرح کا مزا ہے

بہت دور ہے منزل دوست اے دل
جو یہ طے ہوئی پھر خدا ہی خدا ہے

ہمارے بھی ہے امتحاں میں یہ آصف
لگانا ہی دل کا سراسر خطا ہے

شاد

سر یمین السلطنتہ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر شاد جی۔ کے۔ سی۔ آئی صدر اعظم باب حکومت و پیشکار سرکار آصفیہ حیدرآباد دکن۔ غفراں مآب سے بھی تلمذ ہے اور بزم شاد خود ایک درسگاہ شعر و سخن ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی تو اب بنی ہے ورنہ آپ کی ایک واحد ذات ہی دکن کی یونیورسٹی ہے۔ آپ کو دربار آصفی سے وہی نسبت ہے جو خان خاناں کو دربار اکبری سے تھی صوفی تو بہت سنے مگر دیکھا صرف آپ کو۔ نثر میں بھی صاحب تصانیف ہیں اور نظم میں بھی۔ دیوان نعتیہ موسومہ خمکدۂ رحمت، رباعیات شاد، کلام شاد، بزم خیال بیاض شاد۔ الہام مدحیہ وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ اور یہ چند شعر انہیں کا اجلا انتخاب ہیں۔

مختلف جلوؤں کا مرکز عشق میں یہ دل بنا
یہ کبھی مجنوں کبھی لیلیٰ کبھی محمل بنا

سینکڑوں جلوے نظر آتے ہیں تو کہدے
کونسی بجلی تھی یارب جس سے میرا دل بنا

اللہ اللہ کیا دئیے پیر طریقت نے سبق
میکدے میں شاد جا کر مرشد کامل بنا

زور پر جوش جنوں ہے دل سودائی کا
کہیں جھنڈے پہ چڑھے نام نہ رسوائی کا

سودا ہے آخرت کا نہ دی ہاتھ سے لیے
آئیگا تیرے کام یہاں کا لیا دیا

پایا جو اس کو میں نے کیا شکر یوں ادا
ہستی کو اپنی راہ میں اسکی مٹا دیا

سنبل کو اس لئے ہی گلستاں میں پیچ و تاب
رہتا ہے انکی زلف شکن در شکن سے دور

ہو نہ آلودہ کہیں جامۂ ہستی تیرا
پیچھے لپٹی ہے یہ دنیا ترے پاپن بن کر

مجھے ہے متاع محبت کی قدر
تو نگر کو ہو جیسے دولت پہ ناز

رہروان عشق سے مجھکو تعلق ہے تو یوں
جیسے گرد کارواں کو کارواں سے ارتباط

مفت بھی اس کو نہ لے کوئی تو پھر کیا کیجئے
ہم متاع دل و جاں اپنی لٹائیں کب تک

داغوں کے اس چمن میں پھل پھول آبلوں کے ہیں
اللہ نے دیا مجھے باغ و بہار دل

انداز نقش پا سے کسی کے ہوا خیال
خوابیدہ فتنہ ہے ابھی محشر بپا نہیں

ہے کون دوست میرا دشمن ہے کون میرا — ہوں دوست شاد اپنا اپنا ہی میں عدو ہوں
کفن میں منہ چھپاتے ہیں گناہوں کی ندامت سے — خدا کے سامنے جاتے ہوئے شرمائے جاتے ہیں
کہتے ہیں جسے لوح وہ ہے سینۂ عاشق — کہتے ہیں ارادہ جسے وہ راز قلم ہے
تھا کس کا تقاضا ارنی کون پکارا — انکار کیا کس نے کہو میری قسم ہے
کس پہ دوں جان نہ دوں کس پہ بڑی مشکل ہے — دلربا یار کی ہر ایک ادا ہوتی ہے
آنکھ کو اس کی جو دیکھا تو ہرن بھول گئے — قد کو دیکھا تو سہی سرو چمن بھول گئے
رُخ کو دیکھا جو ترے رنگِ چمن بھول گئے — زُلف کو دیکھ کے سب پیچ و شکن بھول گئے
سادگی عالم طفلی کی کہاں ہے باقی — اب جواں ہوگئے بیساختہ پن بھول گئے
ہوئی ہے صبح مسافر سفر کا ساماں کر — یہہ صاف کہتا ہے رنگِ سفیدِ مُو ہم سے

سلسلہ فیض

میکش پنڈت چندربھان نام میکش تخلص وطن تھانہ بھون اقامت و مدفن حیدرآباد دکن۔

غالباً حیدرآباد آکر سن رشد میں سمجھ بوجھکر اسلام سے مُشرف ہوئے کہ ان کے پیرومرشد حضرت شاہ امداد علیؒ کے وصال کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا۔ جب میں نے ان کو دیکھا پچاس کے قریب عمر تھی منہ پر داڑھی بھی تھی۔ اسلامی نام بھی کچھ ہوگا۔ مگر اپنے تخلص ہی سے مشہور تھے اور صاحب رنگ تھے خود بھی زبان حال ہیں۔

کسی مست علوی نے میکش کو تیرے — شراب محبت پلائی ہے تیری

شاعری میں پایۂ اُستادی رکھتے تھے کیفی و مست و صغیر وغیرہ اُس وقت کے اکثر شعرا کو اِن سے تلمذ تھا۔ خانۂ خمّار۔ خرابات میکش۔ شراب الصالحین مطبوعہ تین دیوان ہیں۔ اور زہر محبت نام ایک مثنوی مگر سب ذکر و حال سے خالی ہیں کہ

اُس وقت یہہ رواج نہ تھا۔ جواب جُز شاعری تو کیا شاعری سے بھی کچھ بالاتر ہو گیا ہے کیفی و مست تو اب کہاں ایک صغیر ہیں تو اُن سے بھی ان کا ذکر و حال کچھ نہ ملا۔ اور وعدہ وعدہ ہی رہا۔ بیاض میں دو ایک شعروں کے سوا کچھ نہ نکلا۔

کوئی کس طرح ہو طرفدار میرا　　زمانہ تمھارا خُدائی تمھاری

ابھی اِک دم میں ہو جائے قبائے تن کی تہہ اُلٹی
بدن میں جان ہے جب تک جبھی تک ہے بدن سیدھا

صغیر محمد حبیب الدین صغیر وطن حیدرآباد تعلقات قندھار و پالم کے خطیب اور مفتی ہیں اور حیدرآباد میں منشی ٹپہ خانہ بھی۔ بیکش کے نامور تلامذہ میں ہیں۔ انہیں کے سلسلۂ علوی کے مرید بھی ہیں۔ اور نازاں ہیں۔

صغیر اشعار میں تیرے عجب کچھ لطف آتا ہے
یہ احسان علوی کا اثر بیکش کی صحبت کا

بیادگار علوی سالانہ مشاعرہ بھی کرتے ہیں۔ کبھی انتخاب مشاعرہ گلدستہ بزم رنداں میں شایع بھی ہوتا تھا جو پہلے نواب مشرف جنگ فیاض اور پھر انہیں کے خلف نواب عزیز یار جنگ عزیز کی زیر ادارت نکلتا تھا۔ یہ خود بھی صوفی منش ہیں اور خوش گو بھی۔ اکثر بزم شادیں بھی شریک ہوتے ہیں۔ ان کی زبانی ان کا کلام میں نے ایک دفعہ نانڈیڑ میں سنا ہے اور اب جو کچھ ہے وہی ہدیہ ہے۔

جو بگڑتے ہیں وہ بنتے بھی ہیں یہی ہے قاعدہ　　اے مِری ناقابلیت تو مجھے قابل بنا
سارے عالم سے جُدا تھی میری طرز مئے کشی　　تھی محبت اس کی صہبا دل مرا پیمانہ تھا
نظر ملا کے کہا مجھ سے میرے ساقی نے　　حرام کہتے ہیں جس کو یہہ وہ شراب نہیں

باقیؔ محبوب نواز ونت راجہ بنسی بہادر گردھاری پرشاد متوفی سنہ ۱۹۰۱ء۔ اردو فارسی کے متعدد تصانیف ہیں۔ سنہ ۱۳۰۷ھ کا شایع شدہ ایک دیوان ہے حیدرآباد کے ممتاز اور ذی لیاقت جاگیرداروں میں تھے۔ حضرت فیضؔ کے سلسلہ میں ہیں کہ خود کہتے ہیں۔

حضرتِ فیضؔ کا سب فیض ہے باقیؔ پہلے
نہ سخن گوئی تھی ایسی نہ سخندانی تھی

غالباً اسی وجہ سے داغؔ کے شاگرد نہیں ہوئے۔ حالانکہ ان کے یار و مددگار تھے دو شعر انتخاب ہیں۔

یار جب تک کہ نہ تھا ٹھنڈی تھی محفل ساقی
مئے گلرنگ صراحی میں تری پانی تھی

اپنے کشتے کی زیارت کیجئے
شمع رُخ کو شمع تربت کیجئے

بے سلسلہ شعرائے دہلی

ارشدؔ عبدالغنی ارشد گورگانی متوفی سنہ ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۶ء۔ مرزا قادر بخش صابر کے بھانجے بھی تھے اور شاگرد بھی ملازمت سرکاری کی وجہ زمانہ زیادہ تر پنجاب میں گذرا اور پنجاب نے ان سے خاصہ استفادہ کیا۔ فخر پنجاب سر اقبال نے بھی ابتدا میں ان کو اپنا کلام دکھلایا۔ سوانح ملکۂ وکٹوریہ موسومہ شہنشاہ نامہ عشرہ کاملہ وغیرہ متعدد تصانیف تو ان کے شایع ہوئے۔ مگر مرقع عبرت نام دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اس لئے مختصر ہی کلام نظر سے گذرا۔ اور چند شعر ہی حاصل ہوئے۔

ہر چند بس پردہ تھا پر تابش رخ سے
بے پردہ مرے سامنے وہ پردہ نشیں تھا

ھٹ ھٹ کے اندھیرا کرو آنکھوں کے آگے
واں تک تو نظر آؤ جہاں تک کہ نظر جائے

رنجش میں بھی ہے مرتبہ دانی وہی اُن کی — وہ میرے لئے ہے جو ستم حد سے گذر جائے
اُلفتِ دشمن کا ہے اندازہ میرا حالِ دل — دیکھئے پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھئے
میں تو کہدوں صاف اُس کے حسن کی کیا شان ہے — پر خدا و ندِ دو عالم تو خفا ہو جائیگا

اخلاق سید اخلاق حسین اخلاق دھلوی۔ مجروح کے بھی شاگرد ہیں۔ اور شوخی رامپوری کے بھی اس لئے الگ ہی سلسلہ میں ہم نے ان کو رکھا اور تین شعر ہی صرف ہیں بھی اور اس سے زیادہ حال بھی معلوم نہیں۔ غالباً دور آخری میں ہیں بھی۔

وہ یاد وطن کی ہے یہ غربت کی نشانی — کچھ داغ کلیجہ میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے
کیوں شام سے ہے فکرِ صبوحی مرے ساقی — تھوڑی سی پلا دے مجھے تھوڑی سی بچا لے
ہنسنے سے زیادہ مرے رونے میں مزا ہے — دل جب سے پڑا ہے کسی بیدرد کے پالے

احقر احقر مرزا امیر الملک عرف مرزا بلاقی گورگانی شاہانِ مغلیہ کی یادگار اور عبرت روزگار ہیں کہ سرکار عظمت مدار میں پانچ روپیہ کے منصبدار ہیں۔ خدا ہماری سرکار عالی کو قایم و دایم رکھے کہ اس نے سو روپیہ ماہوار سے ان کی آبرو بچا رکھی ہے۔ بیاض میں یہ ایک شعر ہے اور بس۔

نہیں کرو وہ جواب وصل میں تا جاں نکل جائے
جلیں کب تک تمھاری روز کی ہوں میں ہاں میں

تشنہ منشی محمد علی تشنہ مشرب مجذوبانہ ننگ دھڑنگ بانا مشاعرہ میں بھی چادر تک سے عاری مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے عکسی مشاعرہ میں ان کا یہی فوٹو ہے اور اسی مشاعرہ کے شعر غزل انتخاب ہیں۔

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے — سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

نیستی کی ہے مجھے کوچۂ ہستی میں تلاش — سیر کرتا ہوں اُدھر کی کہ جدھر کچھ بھی نہیں

آشفتہ گلاب سنگھ آشفتہ۔
ہنو طوائف پر ایسے مٹے ہوئے تھے کہ جب گردش زمانہ نے جدائی ڈال دی تو یہ خنجر مار کر مر گئے۔ چند شعر ہی ان کے نظر سے گذرے اور ایک شعر بیاض میں رہ گیا۔

پوچھتے کیا ہو کہ آشفتہ کیوں کر مر گیا
اس میں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا

آشفتہ بیاض میں یہی نام نشان ہے اور ایک شعر ہے۔

محبت کی دل میں لگی چوٹ جب سے
مصیبت کسی کی نہیں دیکھ سکتے

اوحد عبدالودود اوحد
دلی وطن تھا۔ اور کلکتہ اقامت اور عالم جوانی ہی میں گذر بھی گئے اور ایک شعر بیاض میں یادگار چھوڑ گئے۔ باقی کی کچھ خبر نہیں۔

فصلِ بہار صحنِ چمن یار مے بکف — کیوں زاہدو! حرام ہے پینا شراب کا

حزین شیخ علی حزین دلی وطن لکھنو قیام۔

ہجوم غم ہے یہاں تک کہ آہ مشکل ہے — یہ بھیڑ چار طرف ہے کہ راہ مشکل ہے

فرحت مرزا فرحت اللہ بیگ بی۔ اے سشن جج عدالت سرکار عالی۔
آج کل نثر میں ان کی دھوم ہے۔ کئی مجموعہ مضامین شایع ہو چکے ہیں۔ احسان۔ عیش اور یقین دو تین شعرا کا کلام و دیوان بھی مقدمہ اور ذکر کے ساتھ شایع کئے ہیں۔ نظم میں دو ایک نظمیں ایک آدھ غزل دیکھنے میں آئی۔ جس سے ایک شعر انتخاب ہو سکا۔

خدا ہی جانے کہ پڑتی ہے آگے کیا اُفتاد — لگا تو بیٹھے ہیں ہم اپنا دل لگانے کو

شعرائے نواحِ دہلی

فانیؔ شوکت علیخاں فانیؔ بدایونی بی۔اے علیگ۔ بتقریب ملازمت آج کل حیدرآباد میں اقامت ہے۔ باقیاتِ فانی رشید احمد صدیقی کے مقدمہ اور جگرؔ مرادآبادی کے تبصرہ کے ساتھ چھپ گیا ہے اور نظر سے گذرا ہے انتخاب پیش کش ہے۔

مجاز اور حقیقت اور ہے یعنی — تری نگاہ سے تیرا جمال نہیں ملتا
لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی — ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میت فانیؔ — زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا
فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی — ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا
کیا بلا تھی ادائے پرسشِ یار — مجھ سے اظہارِ مدعا نہ ہوا
نکل ہی جائینگے نالے دہن سے خوں ہو کر — زباں نہیں تو کھلیگی رگِ زبانِ صیاد
ہر نفس وقفِ خیالِ رخِ جاناں کریں — زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کریں
بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو — گریباں نے گلے لپٹا لیا بڑھ بڑھ کے داماں کو
آمادۂ فریادرسی ہے وہ ستمگر — فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہے
کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش — لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے
ہم اپنے جی سے گذرنے یوں سحر کی — شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی
نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہے مجھے — جنوں میں چارۂ وحشت مگر نہیں ہے مجھے
بہار نذرِ تغافل ہوئی خزاں ٹھیری — خزاں شہیدِ تبسم ہوئی بہار ہوئی
آغازِ محبت میں جینے ہی کے لالے تھے — اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہے

اب جفا ہے نہ وفا یا وفا باقی ہے — تھی جہاں شمع وہاں خاک ہی پروانوں کی

مجذوب خواجہ عزیز الحسن خاں غوری مجذوب بی۔ اے (علیگ) وطن اروی ضلع جالون۔ مولنا اشرف علی صاحب تھانوی کے مرید ہو کر کچھ سے کچھ ہو گئے۔ حب قومی میں کمی تنخواہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ اور ڈپٹی کلکٹری چھوڑ کر مسلم اسکول کی اسسٹنٹ انسپکٹری کر لی۔ اور اب وہیں انسپکٹر اسکول ہیں خطاب یافتہ بھی ہیں۔ مگر اب وارفتہ ہیں۔ کلام خود شاہد حال ہے۔ میرے عزیز ترین دوست شیخ محمد شہیر صاحب نے اس ذکر کے ساتھ ان کی چند غزلیں عنایت کی ہیں اور یہ انہیں چند غزلوں کا انتخاب ہے۔

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا — میرا دورِ زندگی ہے یہ جو دورِ جام ہے
یہ معانی یہ حقائق یہ روانی یہ اثر — شاعری تیری ہے اے مجذوب یا الہام ہے
وہ بارگہ عالی خود سب سے ہے مستغنی — آئے جسے آنا ہے جائے جسے جانا ہے
یہ سب سوچکر دل لگایا ہے ناصح — نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں
محبت کے بدلے محبت ستم ہے۔ — نہ لے اُف نہ لے انتقام محبت
بہت دُور پہونچا ہے مجذوب پھر بھی — بہت دُور ابھی ہے مقام محبت
ہر وقت ہے پیش نظر اک حسن کی دُنیا — اب تجھ جو ہے آنکھوں میں تو ہر چیز حسیں ہے
تھا عالم بالا میں تو گردش میں فلک تھا — اب جب سے میں دنیا میں ہوں گردش میں زمیں ہے
کیسے کیسے بُت رہے پیش نظر — اللہ اللہ روز و شب لب پر رہا
ابھی تو گویا میں دنیا ہی میں نہیں آیا — یہ دن جو ہم کے ہیں نیست میں شمار نہیں
وہ مہرباں تجھے کہی سب اپنی سرگذشت اپنی — ہمیں نصیب ہی عنوانِ داستاں نہ ہوا

شبیر علی شبیر شبیر آگرہ وطن قیام حیدرآباد۔ منتظم عدالت العالیہ۔ مجموعہ کلام چھپ گیا ہے اور نظر سے گذرا ہے۔ سب رنگ میں کہتے ہیں

چند شعر انتخاب ہیں۔

سنائی آپ نے دہرپٹ تو اچھی حضرت ناصح   لو اب دیکھو یہ بے ربط کی صدا کچھ اور کہتی ہے
بلا سے پیٹ پیچھے ہم کو کچھ کہتی پھرے دنیا   مگر نام خدا اپنی حیا کچھ اور کہتی ہے
الٰہی ہو قدح عمر محتسب لبریز   بھرا ہوا مرا جام شراب لے کے گیا
پھانس سا کھٹکا کریگا اے عزیزو عمر بھر   میرا ایک آدھ شعر جو ورد زباں رہ جائیگا

کوکب کوکب شاہ جہاں پوری۔

مدد اے ہمت خود اعتمادی
سوا اپنے کسی کا آسرا کیا

ہادی ہادی مچھلی شہری

یہ مانا بے نیاز عاشقی وہ بے مروت ہے
مگر کچھ آج مجھ سے کہہ رہی ہیں ہچکیاں میری

بیخود عبدالحی بیخود بدایونی

داغ و حالی دونوں سے مستفید ہوئے ہیں مگر بیاض میں شعر بھی ایک ہی ہے اور اس سے زیادہ کچھ معلوم بھی نہیں۔ اس لئے الگ ہی رہنے بھی دیا۔

وہی جنت ہے جہاں چین ملے دل کیلئے   جس پہ دل آئے وہی حور ہے انساں کیلئے

باقر مجموعہ عشاق مولفہ محمد اسماعیل میں شعر ذیل مذکور ہے باقی نام تک مجہول ہے مگر شعر مشہور عام ہے۔

شکل تصویر ہو خاموش یہ نقشہ کیا ہے   بیٹھے بیٹھے کھنچے جاتے ہو تماشہ کیا ہے

بیخبر غلام غوث بیخبر الہ آبادی متوفی ۱۹۰۵ء

مشہور و معروف ہیں۔ مرزا غالب کے دو ایک خط ان کے نام بھی ہیں۔ سرکار انگریزی میں ان کو بہت رسوخ تھا۔ اور خطاب یافتہ بھی تھے دیوان یا کلام کی

کچھ خبر نہیں ایک شعر بیاض میں ہے اور خوب ہے۔

کہاں ہم فقیر اور دنیا کے جھگڑے ۔۔۔ یہ کیچڑ تو دامن سے پہلے ہی دھولے

اثر خواجہ امام الدین اثر اجمیری

خواجہ اجمیریؒ کی اولاد امجاد سے ہیں متفرق کلام نظر سے گذرا اور دو شعر بیاض میں تبرک رہ گئے۔

رقیب لاکھ شکایت کریں نہیں شکوہ ۔۔۔ گلہ تو یہ ہے کہ تم نے بھی اعتبار کیا

کسی کا دھیان بھی ہے کچھ کہاں گئے تھے اثر ۔۔۔ تمہیں خبر بھی ہے کس کس نے انتظار کیا

شوکت محمد عمر شوکت تھانوی

دورِ حال کے مشہور مزاحیہ نگار ہیں۔ بحر تبسم و موج تبسم وغیرہ دو چار مجموعہ مضامین ان کے چھپ گئے ہیں۔ اور عام طور پر مشہور ہیں۔ نثر کے ساتھ سخنور بھی ہیں۔ کلام جو مختصر سا متفرق طور پر دیکھنے میں آیا۔ اسی سے یہ چند شعر انتخاب ہیں۔

درد تھا دل میں تو دل تھا درد کے باعث عزیز ۔۔۔ دل کو رکھ کر کیا کریں جب درد کے قابل نہیں

جان بار بیٹھے ہم اپنے ہمت دشوار پسند ۔۔۔ مرض عشق اگر قابل درماں نکلا

میں سمجھا قرب جاناں ہے کہ پردہ درمیاں کیا تھا ۔۔۔ مرے ذوقِ نظر کی ایک حد تھی آسماں کیا تھا

نظر مآل محبت پہ ہم نہیں رکھتے ۔۔۔ امید و شوق کی دنیا بسائے جاتے ہیں

آنے والے آئے بیٹھے بات بھی کی اور چلدیے ۔۔۔ دل مگر جس طرح خاموش تھا خاموش تھا

دلگیر سید نظام الدین شاہ دلگیر متوطن آگرہ متوفی ۱۹۳۵ء

نقاد نام ایک سالہ بھی نکالا تھا۔ اور دور حاضر کے مشہور ادیبوں میں تھے مجموعی کلام تو دیکھنے میں نہیں آیا کچھ غزلیں ہی دیکھنے میں آئیں۔ اور چند شعر انتخاب ہوئے۔

ہائے اُس کافر کا عنوانِ شباب داستانِ عشق کا آغاز ہے

وہ رُخ کو آئینے کے اگر روبرو کریں یہ دو حریف دیکھیے کیا گفتگو کریں

ساقی کی چشمِ مست سے چلتے ہیں دل میں دَور ہم لے کے کیا یہ شیشہ و جام و سبو کریں

ہے عین سود دل کا زیاں صرفِ عشق میں اس میں جنابِ شیخ نہ کچھ گفتگو کریں

اَوج محمد عابد حسین اَوج رام پوری۔

حضرتِ شیخ نہ پینا مگر آؤ تو سہی
میکدے میں قدم پاک سے برکت ہوگی

راز ابو الفضل رازؔ چاند پوری

کچھ نہ کچھ تو کم غمِ ایام ہونا چاہیے میرے ساقی اب تو دَورِ جام ہونا چاہیے

وہ مرا وہم و توہّم تھا جو سدِّ راہ تھا ورنہ راہِ عشق میں ایک بھی مشکل نہ تھی

بَیان سید مرتضیٰ بیاںؔ یزدانی میرٹھ وطن متوفی سنہ ۱۹۰۰ء شعلہ طور وغیرہ دو ایک اخبار کے اڈیٹر بھی رہے ہیں اور مسدّس حالی کے جواب میں ایک مسدّس بھی کہا ہے۔ نامور شعرا میں ہیں۔ اور ہر رنگ میں قادر الکلام ہیں دو ایک نظمیں اُمید اور شاعری کی الوداع وغیرہ ان کی مشہور ہیں۔ مجموعہ نعتیہ اور کچھ کلام عاشقانہ چھپا ہے مگر نظر سے نہیں گذرا دو چار شعر زیب بیاض ہیں

خدنگ اور اُس شوخ کی نظر کا سا جگر کسی کا نہ ہوگا مرے جگر کا سا

نہ کھولی آنکھ وقتِ نزع بیمار محبت نے کسی کا پردہ رکھنا تھا کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

اُن کا منجملۂ اربابِ وفا ہو جانا میرے نزدیک ہے بندہ کا خدا ہو جانا

شمع کہتی ہے مرے سر سے دھواں اُٹھتا ہے تو نے روکیں دلِ پُر سوز میں آہیں کیونکر

سلیم وحید الدین سلیمؔ پانی پتی۔ ادب میں ان کا یہہ پایہ تھا کہ عثمانیہ یونیورسٹی کو آج تک ان کا

بدل نہ لا مستقل یادگار تو ان کی فرہنگِ اصطلاحات ہے باقی مثنویاں بھی ہیں۔ نظمیں بھی ہیں۔ لیکن نہ یہ اس صحبت کے شایاں نہ اس کے لئے یہ بیاض کافی ہے ایک شعر زیب بیاض ہے۔ اور بس۔

ابھی ہے آغاز نوجوانی عجیب عالم ہے اُنپہ طاری
ادا کی میزاں میں تُل رہے ہیں حیا کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں

حفیظ ابو الاثر حفیظ جالندھری
ان کا اسلامی شاہنامہ مشہور ہے۔ نظم بھی کہتے ہیں اور غزل بھی کہ غزل کے دو شعر داخل بیاض ہیں۔ اور دو ایک غزلیں دیکھنے میں آئی ہیں۔

شیخ کے دل سے نکلی ہیں مزے کی باتیں۔ ہم یہ سمجھے تھے بجز نام خدا کیا ہوگا
نشہ شراب میں ہے نہ مستی شباب میں اس رنگ سے بہشت میں رہنا عذاب ہے

اقبال سر محمد اقبال اقبال اردو نظم گوؤں میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو غزل گوؤں میں میر کا رموز بیخودی۔ پیام مشرق سے ہندوستان کے اب گویا مولنا روم بھی ہیں۔ کلیات اقبال۔ بانگ درا اردو مجموعہ کلام میں مرتب۔ کلیات نے کہنے کو کیا چھوڑا ہے۔ جواب کوئی کچھ کہے۔ ابتدا میں ارشد و داغ سے نام کو اصلاح بھی لی۔ اور کچھ غزلیں بھی کہیں اور یہ انہیں غزلوں کا انتخاب ہے۔ شکوہ اور جواب شکوہ ان کا شاہکار ہے۔ بال جبریل جدید کلام اردو جواب چھپا ہے۔ بیشتر تغزل و فلسفہ ہے۔ اور خوب ہے اور اس کا بھی کچھ انتخاب اس میں شریک ہے

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا
اڑا یا ذوقِ تپش پتنگے نے شمع سے شوقِ اشکباری کسی سے سیکھی نماز میں نے لیا کہیں سے سبق وضو کا
تمام مضموں مرے پُرانے کلام میرا خطا سراپا ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا
آپ بائع آپ ہی نقد و متاع و مشتری ساری دنیا سے نرالی ہے دکان دردِ دل

اِس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا / ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر
کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں / کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
تم نے تاکا دل کو لیکن اُف رے شوقِ تیرِ عشق / دل سے کہتا ہے جگر تو دل نہیں ہے دل ہوں میں
ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھکو تلواریں / سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے
وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی / سُنی ضرور ہے دیکھی نہیں کہیں میں نے
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تری / سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عشق / لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اِنتخاب بالِ جبریل

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھکو بھی فاش کر دیا / میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں
خطر پسند طبیعت کو سازوار نہیں / وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد
پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بنجائے / جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے
ہِرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں / کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو
متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی / مقامِ بندگی دیکر نہ لوں شانِ خداوندی
حدیثِ بیخبراں ہے تو با زمانہ بساز / زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز
کہہ گئیں رازِ محبت پردہ داریہائے عشق / تھی فغاں وہ بھی جسے ضبطِ فغاں سمجھا تھا میں
تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے دردناک / جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں
اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک / نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
بتوں سے تجھکو امیدیں خدا سے نومیدی / مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں / خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے
میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی / شیخ کہتا ہے کہ یہ بھی ہے حرام اے ساقی

یہ بتانِ عصرِ حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ نہ تراشِ آذرانہ

نہیں اس کھلی جگہ میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دِلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند

یہ شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے ؛
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے

کیا صوفی و مُلّا کو خبر میرے جنوں کی ؛
اِن کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

تبرک ہے مرا پیرہن چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

میں تجھکو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے ؛
کہ اک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف

محمود اسرائیلی محمود حسین خاں نام محمود اسرائیلی مشہور دورِ حاضر کے مشہور نظم گو ہیں مگر اس موضوع سے الگ ہیں۔ تاہم ان کی غزل کا بھی ایک شعر داخلِ بیاض ہے۔

عجب نہیں کہ مری خاک سے اُگے لالہ
کہ دورِ چرخ نے خوں کے سبو پئے ہیں

اسمٰعیل مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۶ سال کی عمر سے سررشتۂ تعلیمات میں داخل ہوئے۔ اور جب وظیفہ پر اُس سے الگ ہوکر سنہ ۱۹۱۷ء میں جنت نصیب ہوئے

تو ملک کے ملک کو خواندہ بنا گئے۔ اِن کے نصاب اُردو کا آج بھی جواب نہیں۔
مگر اس بد مذاقی کا کیا علاج کہ اوس کے ہوتے اب دوسری دوسری کتابیں نصاب
میں داخل کی جا رہی ہیں۔ نظمیں ان کی سہل ممتنع ہیں کہ ان کا کسی سے جواب نہ
ہو سکا۔ اور نہ ہو سکتا ہے امیر خسرو کی مثنوی قِرآن السعدین پر مقدمہ ان کا
آخری کارنامہ ہے۔ کلیات چھپ گیا ہے مگر افسوس کہ اس وقت تک استفادہ
کا موقع نہیں ملا۔ صرف دو تین شعر زیب بیاض ہیں۔

بہت جتایا کئے نیاز قدیم — وہ کسی کا بھی آشنا نہ ہوا
تو نہ ہو جیسے تو ہو نہیں سکتا — مرا کیا ہے ہوا ہوا نہ ہوا
ہے آج رُخ ہوا کا موافق تو چل نکل — کل کی کسے خبر ہے کدہر کی ہوا چلے

آسی آسی۔ مدراسی۔
مدراس وطن ہے اور لکھنو میں شہرت کے ساتھ قیام ہے کچھ متفرق
غزلیں نظر سے گذریں اور دو چار شعر زیب بیاض ہوئے۔

ہمارے درد کو اُو چھوٹ جاننے والے — ہماری طرح گرفتار غم خدا نہ کرے
ہے اسکی بیم ورجا کتنی رحم کے قابل — دعا کو ہاتھ اُٹھائے اور دعا نہ کرے
رحم کے قابل ہیں یا اللہ یہ مجبوریاں — آدمی کی جان جائے آدمی دیکھا کرے
جس سے ڈرتے ہیں آئیگا وہ دن — بعد چندے سہی ابھی نہ سہی
اے بدگماں تشدائد دنیا پہ صبر کر — فطرت کو تیرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں

شیر محمد خاں ایمان حیدر آبادی متوفی ۱۲۲۱ھ
ایمان نواب سکندر جاہ نظام الملک کے دور میں شعرائے مشاہیر اور ریاست
میں اخبار گوئی کے افسر کی خدمت پر مامور تھے۔ ایک رسالہ جگت اور مثنوی برسات
ان کی یادگار ہے اور ایک شعر داخل بیاض ہے۔

آستیں کا میں کسی کی دست نگر   مرے ہاتھوں نے آخر میرے آنسو پونچھے

شاداں

مہاراجہ چندو لعل شاداں

سنہ ۱۱۷۵ھ میں بمقام برہان پور پیدا ہوئے۔ اور حیدرآباد میں نشوونما ہوئی۔ مختلف خدمات کے بعد چودہ سال مدار المہامی حیدرآباد پر فائز رہے۔ اور سنہ ۱۲۶۰ھ میں مدار المہامی سے مستعفی ہو کر سنہ ۱۲۶۱ھ میں رہگذار ہوئے۔ قدر دانی اہل کمال ان کا مسلک اور سخاوت ان کی طبیعت ثانیہ رہی خود بھی کہتے ہیں۔

دینے والے کو بغیر داد و دہش کب چین ہے   خوش بہت ہوتا ہے جس دم اسکو سائل مل گیا

اردو کے دو دیوان ہیں اور کل اوصاف سخن پر مشتمل ہیں۔ دیوان تو دیکھنے میں نہیں آئے۔ مگر دو چار شعر بیاض میں کہیں سے آگئے۔

آنکھیوں بیٹھ کے ظالم پس چلمن مارے   تیر جیسے کہ صفِ جنگ میں ارجن مارے
شکل ہستی سراب کی سی ہے   بے ثباتی حباب کی سی ہے
سو سو طرح سے لیتے تھے بستر پہ کروٹیں   گذری تمام رات ترے انتظار میں
چھپ کے اس کو دیکھنا چاہیں تو دیکھیں کس طرح   دیکھے نہ کوئی ہم کو ڈر یہ بھی تو ہے

توفیق

سید جلال الدین توفیق حیدرآبادی متوفی سنہ ۱۳۲۹ھ

اردو فارسی دو دیوان ہیں۔ اردو دیوان چھپ گیا ہے دیوان تو نہیں البتہ خود ان کو میں نے دیکھا ہے سنا جاتا ہے کہ ان کے صاحبزادے کے پاس ان کا خوشخط خود نوشتہ اور بھی ذخیرہ کلام ہے اس میں ایک ڈرامہ بھی ہے وفات سے گیارہ مہینے پہلے آئین مہدویہ کے مطابق تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ ملازمت سے دست بردار ہو کر وظیفہ بھی اسی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ کلام متفرق دیکھنے میں آیا اور یہ چند شعر بیاض میں نکلے۔

واں اعتبار حسن تغیر ہے عین بحر   یاں امتیاز قطرہ و دریا نہیں ہنوز

کبھی تو بھی طالبِ رحم ہو کبھی تو بھی غیر پہ جان دے کبھی جلوہ گر ہو خدا کرے ترا ناز میرے نیاز میں

نکروں سلام جو کعبہ کو نکروں جو سجدہ تو کیا کروں ہے خیالِ بت مرے سامنے میں کھڑا ہوا ہوں نماز میں

روح تھم تھم کے نہ نکلے تو کوئی بات نہیں مرگِ حسرت ہے مری مرگِ مفاجات نہیں

یوں تو مری پرسش کو احباب تمام آئے ایسا نہ کوئی آیا جو وقت پہ کام آئے

حیاتِ خضر کا کچھ حال ہم پہ کھل نہ سکا کہ اب تک جی رہے ہیں کس پہ مرنے کی تمنا میں

سرگرمیِ وحشت نے یاں تک مجھے پھونکا ہے ہر نقشِ قدم میرا داغِ دلِ صحرا ہے۔

اے مرے حسن ادھر بھی کوئی پرتو جمال شامِ غمِ فراق امیدِ سحر میں ہے

موت اپنا جانتی ہے زندگی اپنا مجھے تنگ ہوں توفیق میں اپنے فریبِ خواب سے

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں قسمتِ آئینہ مری خوابِ نادیدہ کی کہنی پڑی تعبیر مجھے

بیم و امید کو اس سے کوئی پوچھے کہ جیسے خواہشِ مرگ بھی ہو مرگ گوارا بھی نہ ہو

آزاد محمد حسین آزاد نام و تخلص خود ان کے والد نے رکھا ہے جو ٹھیک اُترا حیدر آبادی ہیں میرے دیرینہ دوستوں میں ہیں۔ خیالاتِ آزاد نام دو حصہ ان کے کلام کے چھپ چکے ہیں۔ حال ہی میں ان کا ایک مسدس بھی چھپا ہے جو فرمائش پر کہا گیا۔ اور حالی ڈے میں پڑھا گیا۔ اس میں حالی کی تصنیفات و تالیفات بھی سب حسن کے ساتھ گنا دئے ہیں۔ اور سرسید مرحوم کا دیباچہ مسدس حالی بھی سب کا سب نظم کر دیا ہے۔ بیشتر نظم گو ہیں۔ اس لئے چند شعر انتخاب ہیں۔

فراز گوشۂ دل میں ہے وہ پنہائی وسعت مکینِ لامکاں رہتا ہے اس میں کیا مرا دل ہے۔

کیا تلاش کولمبس نے جیسے امریکہ نکالی بحرِ غزل یہ نئی زمیں میں نے ؛

اس کا ہنسنا دلکشا ہے اس کا رونا دلفریب خندہ ہائے گل سے کچھ کم گریۂ شبنم نہ تھا

امجد احمد حسین امجد حیدر آبادی۔ یہ صاحب رباعی ہیں اور رباعیاں ہی ان کا شاہکار ہے۔ ورنہ انکی

تصنیفات نظم و نثر سب ارباب دل کے لئے سبق آموز ہیں کہ یہ خود صاحب حال ہیں اور انکی شاعری فیضان الہٰی ہے۔ مجھے ایک کیا ان کے اکثر نیاز مندوں کو ان پر ناز ہے اور میری نظر میں تو یہ دکن کا بھی مایۂ ناز ہیں۔ دو ایک شعر تو کیا دو تین رباعیاں شاید کچھ تفسیر ہوں یہ اس بیاض میں ایک استثناء ہے اور روا ہے۔

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے جو ہے اپنا نظر نہیں آتا
کیا کوئی کہے اس کی حقیقت کہ وہ کیا ہے ہاتھ آئے تو بت ہاتھ نہ آئے تو خدا ہے
وہ کرتے ہیں سب چھپکر تدبیر اسے کہتے ہیں ہم دہرے لئے جاتے ہیں تقدیر اسے کہتے ہیں

رُباعی

گرمی میں غم قبا وہ نازیبا ہے سستی میں خیال بادہ نازیبا ہے
کافی ہے ضرورت کے موافق دنیا جامہ قد سے زیادہ نازیبا ہے

اب نہ وہ خمار ہے نہ وہ ساقی ہے کیفیت عشق ہے نہ مشتاقی ہے
توڑا تھا جو پھول میں نے کل سوکھ گیا لیکن ابھی کانٹے کی کھٹک باقی ہے

تعریف شب فراق معلوم نہیں کیفیت اشتیاق معلوم نہیں
کس طرح پسند عام ہوا میرا کلام ہر ایک کا مذاق مجھے معلوم نہیں

رسا مرزا غلام مصطفےٰ رسا حیدرآبادی سرکار عالی کے محکمہ کروڑگیری میں مہتمی پر فائز ہیں۔ دکن کے کہنہ مشق شعرا میں ہیں۔ بزم شاد میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ پہلے رسوا تخلص تھا

اب رہتا ہے۔ دیوان غالباً ابھی نہیں چھپا۔ کلام کچھ دیکھنے میں آیا اسی کا یہ ماحصل ہے۔

کیا لطف یوں مرے جو ہم اے مرگ بیکسی
مرتے کسی پہ کاش جو مرنا ضرور تھا
کم نصیبی کا گلہ ساقی سے اے دل ہے عبث
مئے تجھے اتنی ملی جتنا ترا پیمانہ تھا

ولاؔ احمد عبدالعزیز نائطی نام شمس العلماء نواب عزیز جنگ بہادر خطاب ولاؔ تخلص متوفی ۱۹۲۴ء سرکار عالی میں ممتاز اور سرانجام کردہ خدمات پر فائز رہکر وظیفہ حسن خدمت سے سرفراز تھے اور مشاہیر علماء میں آپ کا شمار ہے مختلف علوم و فنون میں آپ کی کثیر التعداد تصنیفات و تالیفات آپ کے یگانہ عصر ہونے کی شاہد ہیں۔ کلام بیشتر فارسی ہے کلیات نظم ولا فارسی مجموعۂ کلام خودنوشتہ ذکر کے ساتھ ۱۳۲۸ھ میں طبع ہو چکا ہے اردو کلام نظر سے نہیں گذرا۔ اس لئے آپ کے فرزند اکبر نواب غازی یار جنگ بہادر کی عطیہ "تصویر نور" نام مسدس سے جس میں حضور صلعم کا سراپا مبارک نظم کیا گیا ہے دو بند انتخاب ہوئے کہ ذکر سے بیاض خالی نہ رہے۔

حسینانِ جہاں معروف اپنی بیوفائی سے مرا معشوق ہے مشہور پیماں کی سچائی سے
پریزادانِ دہر آئینہ رو ہیں خود نمائی سے مرا محبوب ہے آئینہ دِل دِل کی صفائی سے
خیال ان کو نہیں دِل دادگانِ دلربائی کا
مرے دِلدار کے دِل میں لحاظ اپنے فدائی کا

بحمداللہ میں حلیہ نگارِ جسم سرور ہوں میں نقاشِ نقوشِ دلکش روئے پیمبر ہوں
بنی ہیں کیا مرا آنکھیں ہیں وہ فوٹوگرافر ہوں دِل آئینہ ہے جس پر عکس گیرِ روئے انور ہوں
سراپائے محمد کی کتابت کام ہے میرا
رقم پردازِ تصویرِ شمائل نام ہے میرا

خواتین شعراء

دلہن دلہن بیگم دلہن بنت انتظام الدولہ محل نواب آصف الدولہ والئی اودھ

دن کٹا فریاد میں اور رات زاری سے کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

بیاں میں کس سے کروں جاکے اب گلہ دل کا — یہ دل کا دل ہی میں ہوئیگا فیصلہ دل کا
بہا ہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا — تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

زہرہ امراؤ جان نام اور لقب زہرہ تخلص شاگرد آغا علی شمس لکھنو وطن پیشہ سے توبہ کرکے کسی رئیس سے عقد کرلیا۔ اور ۱۳۰۸ھ میں انتقال کیا۔

نہ ہوئی شہر دوست میں تسکیں — اب کہاں لے کے جائے دل کو

زہرہ دربار بہادر شاہ ظفر کی استاد موسیقی زہرہ خطاب تھا۔ وہی مشہور ہوگیا۔

باغ ہو آب رواں ہو اور شب مہتاب ہو — ساقی مہوش ہو مے ہو جلسہ احباب ہو

شیریں شاہ جہاں بیگم صاحبہ شیریں والئی بھوپال

فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اسی نے
کام آیا بہت یہ دل ناکام ہمارا

سلطان سلطان بیگم سلطان نواب معتمد الدولہ وزیر اودھ کی ظریف الطبع دختر
تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا — ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہہ کے ہائے دل

شرم | بنت حکیم قمر الدین وطن بنارس لکھنؤ قیام شاگرد وزیر لکھنوی۔

فائدہ کچھ نہیں کہنے سے نہ کہنا بہتر
شعر کے کہنے پہ جب دل نہ لگا کیا حاصل

کتنے ہیں خار میرے بعد ابھی صحرا میں　　اب تک آیا نہ کوئی آبلہ پا کیا باعث

جس طرح تو مرے آغوش سے اٹھ جاتا ہے　　یونہی بس روح کی قالب سے جدائی ہوگی

شوخ | گنا بیگم شوخ بنت علی نقی خاں محل غازی الدین حیدر والئی اودھ۔
شاگرد سودا۔ سوز و منت

نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا　　زخم ایک اور بھی لگانا تھا

ابر چھایا ہے مینہ برستا ہے　　جلد آجا کہ جی ترستا ہے

لے اُڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے　　گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

محبوب | محبوب محل خطاب محل واجد علیشاہ والئی اودھ
جو آنا ہو تجھے مد نظر تو آ ظالم　　نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح

مخفی | سلطان جہاں بیگم مخفی صاحب عالم قادر بخش صابر دھلوی کی خاص محل۔
خدا جانے کیا بات ہے اُس میں مخفی　　کہ اس ظلم پر دل کو بھاتا بہت ہے۔

مخفی | بنت مصحفی

ذرا اُن کی شوخی تو دیکھے لئے زلف خم شدہ ہاتھ میں
مرے پیچھے آکے دبے دبے مجھے سانپ کہہ کے ڈرادیا

مشتری | قمر جان نام عرف منجھو مشتری تخلص وطن لکھنؤ طوائف پیشہ شاگرد آغا علی شمس متوفی ۱۳۱۵ھ

ناحق ہیں ناز حسن سے یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

جانی بہو بیگم لقب جانی تخلص محل نواب آصف الدولہ والئی اودھ

کیا پوچھتا ہے ہمدم اس جان ناتواں کی
رگ رگ میں بس غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

نوٹ :۔ کہتے ہیں یہ آخر وقت کی فکر ہے۔

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی — اب دل کا لگانا یہ ہمیں راس نہیں ہے

پارسا دختر مرزا محمد تقی ہوس لکھنوی

تن صورت حباب بنا اور بگڑ گیا — یہ قصر لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں ہے ابلق ایام ایک چال — اکثر یہ بدرکاب بنا اور بگڑ گیا

بنّو معشوقہ گلاب سنگھ آشفتہ دہلوی
فراق آشفتہ میں گھل گھل کے تپ دق میں جان دی اور خود کہا۔

میں تپ غم سے جلوں اور یہ کریں دق کا علاج — ہو سمجھ الٹی طبیبوں کی تو اس کا کیا علاج
چھوڑ کر مجھکو کہاں اے بت گمراہ چلا — تو چلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

ملکہ مس الزبتھ۔ ایک انگلش لیڈی جو نساخ کی فیض صحبت سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

ہجر میں دل کو بے قراری ہے — جوش فریاد آہ و زاری ہے

چندا چندا بی بی نام چندا تخلص ماہ لقا بائی خطاب شاگرد شیر محمد خاں ایمان حیدر آبادی متولد حیدر آباد دکن ۱۱۸۱ھ و متوفی ۱۲۴۰ھ ہجری نواب رکن الدولہ مدار المہام دکن کی منکوحہ طوائف راج کنور بائی کے بطن سے پیدا ہوئی اور ایوان وزارت ہی میں اردو فارسی قدرے عربی اور فنون سپہ گری تک کی تعلیم پاکر ممتاز زمانہ ہوئی کہ خطاب و منصب جاگیر فیل و عماری نالکی پالکی سے سرفراز اور علم و کمال جود و کرم سے مرجع خلائق رہی۔ مسجد۔ حوض باغ وغیرہ

اکثر عمارتیں اب تک یادگار ہیں۔ دامن کوہ مولا میں پہلے سے بنوایا ہوا اپنا اس کا مقبرہ بھی ہے۔ آپ اپنا ۱۲۳۰ھ کا ترتیب دیا ہوا قلمی دیوان ہے جو کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے بلکہ مقطعے بھی تمام تر منقبت میں ہیں۔ اور دو تین شعر محفوظ انتخاب ہیں۔

گل کے ہونے کی توقع پہ جئے بیٹھی ہے
ہر کلی جان کو مٹھی میں لئے بیٹھی ہے
کبھی صیاد کا کھٹکا ہے کبھی خوف خزاں
بلبل اب جان ہتیلی پہ لئے بیٹھی ہے
گر دام سے اپنے ہمیں آزاد کروگے
پھر کس سے یہ کنج قفس آباد کروگے
گر میرے دل کو چرایا نہیں تونے ظالم
کھول دے بند ہتیلی کو دکھا ہاتھوں کو

سلمیٰ جمال النساء نام سلمیٰ لقب بنت سید نادر الدین مرحوم۔ حضرت امجد کی رفیق زندگی۔

ان کی طرح یہ خود بھی صاحب طریقت تھیں۔ اور ابھی بہار جوانی ہی تھی کہ ۱۳۴۲ھ میں خزاں ہوگئیں نظمیں اور رباعیاں ذکر خیر کے ساتھ جمال امجد میں ملاحظہ فرمائیے دو تین شعر ایک رباعی نذر ہے۔

نہ ہو کوئی ہمراہ یہی ہمری ہے
رہوں بے خبر میں یہی آگہی ہے
نہ پوچھیں گے مجھ سے نہ میری سنیں گے
عجب خاموشی ہے عجب بے بسی ہے
اک آفتاب حدت ہے جلوہ بخش کثرت
نکلی ہوئی ہیں گلیاں صد ہا تیری گلی میں

رباعی

جب رہ کھ نکل گئی دہک کر اٹھے
سورج کی طرح چمک کر اٹھے
یوں موت نے صاف کردیا دامن روح
جس طرح کوئی گرد جھٹک کر اٹھے

یوروپین شعراء

آزاد الگزنڈر ہڈلے نام آزاد تخلص شاگرد عارف دہلوی متوفی ۱۸۶۱ء
ان کی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی نے ان کا دیوان چھپوایا جو نظر سے
تو نہیں گذرا البتہ کچھ کلام دیکھنے میں آیا۔ دو چار شعر ہدیہ ہیں۔

بزم میں اُٹھتے ہی اُن کے روئے روشن سے نقاب
جب سامنے ہوئے سورج بنا مہتاب مینا ہوگیا

میں نہ کہتا تھا کہ دیکھا صاف یہ منہ پر ہوا
دیکھنا تم دیکھنا مت انجمن میں آئینہ

کیا گھر میں تمھارے در و دیوار کو دیکھوں
تم اپنی جو صورت مجھے دکھلاؤ تو آؤں

عیاں ہے سب میں کہاں ہے مخفی کب اُس کا جلوہ نقاب میں ہے ؛ قصور اپنی نگاہ کا ہے وگرنہ کب وہ حجاب میں ہے

شکر ڈانیال شمر الطیس شتھل گارڈنر شکر شاگرد مرزا عباس حسین ہوش لکھنوی۔

زمیں ہے اس جگہ نے آسماں ہے
تعالی اللہ کہاں اپنا مکاں ہے

شور جارج برنس شور علیگڈھ میں قیام رہا۔ دو دیوان مطبوعہ ہیں۔
مگر دیکھنے میں نہیں آئے۔ ایک شعر صرف داخل بیاض ہے۔

عاجز تھا اپنی جان سے ایسا ترا مریض
دیکھے سے جس کے حالت عیسیٰ تباہ تھی

صاحب وجرس جارج فانٹوم نام صاحب وجرجیس تخلص شاگرد میر نجف علی شفقت
عربی فارسی بھی جانتے تھے۔ اور فارسی وارددو دونوں زبانوں میں
کہتے تھے۔ رام پور سے ان کا توسل تھا۔ کچھ کلام نظر سے نہیں گذرا۔

دیکھنے والے قد بالا کے ہیں
کیوں نہ چشموں میں ہو اونچی نگاہ

اَن پڑھ شعراء

رِند محبت خاں رِند دیوان فرخ آباد ۔ قدردان اہل کمال سودا و سوز کے ممدوح انہیں دونوں نے اِن کے کلام کو بھی سنوارا۔

خِلقت تمام گردشِ افلاک سے بنی   ماٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی
مجھ ساتھ تیری دوستی جب ہوگئی آخر   دنیا کی مرے دل سے طلب ہوگئی آخر
حاصل تو ہوا وصل ہمیں رات پر افسوس   اِک پل میں شب عیش و طرب ہوگئی آخر

طالب سبحان علی خاں طالب متوطن بنارس یا مضافات بنارس۔

باغ سے نکلے ہو پھولوں کی بنا کر ڈالی
اور رستے میں جو طالب کا مزار آجائے

عابد عابد حسین عابد لکھنو وطن شاگرد فصاحت لکھنوی

پھر دل قابو میں دل نہیں آتا   یوں مچلتا ہے جب مچلتا ہے ۔

آزاد محمد علی خاں آزاد بدایون وطن

داغ کی لے کے سیر آہی نکلا   آپ کے باغ کا لالہ بھی سپاہی نکلا
سننے عابد سے کہا بدلہ نہ لینا شمر   سر عدو کا ہو نہیں سکتا مرے سر کا جواب
نوٹ ۔ یہی مصرع طرح تھا اور مشاعرہ میں داغ بھی شریک تھے۔

فضل فضل مولیٰ خاں نام فضل تخلص وحید العصر افضل اللہ ا خطاب تھا جو اکبر شاہ ثانی سے ملا تھا۔

اُودی وہ مسّی اُس کی کہ مینے پہ حرف ہے
لب وہ کہ لعل کے بھی نگینے پہ حرف ہے

تصویر غلام احمد تصویر عرف بتّن دلّی وطن۔ شاگرد تنویر و ذوق۔ مہاراجہ الور کے درباری اور ایک روپیہ یومیہ کے مشاہرہ دار تھے اور واقعی اس کے سزاوار تھے۔ کلام ان کا کافی رسالہ اردو میں نظر سے گذرا۔ اور چند شعر انتخاب در انتخاب ہوئے!

جذبۂ دل نہیں لایا تمکو: آپ کی خیر عنایت ہی سہی
بچا بچا کے جو رکھا تو دل کو کیا رکھا مزا ہے جان پہ الفت میں کھیل جانے کا
خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات قضا سے ہم کو تو شکوہ ہی بھول جائیگا
دامن سے وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی لیکن ہماری خاک ٹھکانے سے آلگی
سوئینگے جا کے چین سے زیرِ زمین بھی ہم آرام پائیں گے دلِ مضطر کہیں بھی ہم
اے آسمان تو بھی ستم میں کمی نہ کر یاں بھی یہی ہے جی میں کہ اب تو نہیں کہ ہم
الٰہی عشق بھی آلہ ہے کیا انسان بنانے کا کوئی عاشق ہو یا مجنوں یہاں سانچے میں ڈھلتا ہے
ہمیں تو شامِ عیش و صبحِ غم یکساں نظر آئی خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کس سے سحر کس سے

غمگین میر عبداللہ غمگین فرزند شاگرد میر تسکین جوانی میں بمقام رامپور انتقال کیا۔ دیوان بھی تھا مگر شایع نہ ہوسکا۔

امتِ نوح پہ طوفان ہی آیا یارو شکر یہ ہے کہ مرا دیدۂ خونبار نہ تھا
ہر چند رشک ہے پہ بنی اب تو جان پر تو ہی صبا الٹ کہیں گوشہ نقاب کا
اب آ یوں ہی مرے سینے سے لگ جا گرہ وا ہو چکی بند قبا کی:
کمی کریں جگر و دل تو کیا کروں یارب کچھ اور دے مجھے مژگانِ خونفشاں کیلئے

بشیر محمد بشیر خاں بشیر رامپوری شاگرد داغ میں نے ان کو دیکھا اور اشعار مشاعرہ میں پڑھتے سنا ہے۔ دو شعر داخل بیاض ہیں۔

پیشِ حق جانے لگا وہ بتِ کافر جسدم اِک سڑک ہو گئی ہنگامۂ محشر پھٹ کر

بنایا آسماں بھی اور اک بہر ستم تو نے
الٰہی تیرے بندوں پر تو ہی کیا جفا کم تھی

بینا
حافظ سید مظفر الدین احمد بینا رشدی راجگیری۔
پانچویں ہی سال آنکھیں جاتی رہیں۔ یہاں نابیناؤں کی درسگاہیں کہاں۔ لیکن قدرت خود بڑی درسگاہ ہے کہ اس کے طفیل اردو فارسی انگریزی سب گویا لکھ پڑھ گئے۔ مثنوی تک سے ماہر ہو گئے۔ شاعر بھی ہیں۔ مشاعرہ خانقاہ بہار شریف کی غزل کے یہ تین شعر نمونہ کلام ہیں۔

عمر گذری بس نہیں اوہام میں ۔۔۔ از روئے نامہ و پیغام میں
ذوقِ غم پیچیدہ ہے آرام میں ۔۔۔ ہے سکوں میں آہ کیفِ اضطراب
خود پڑے ہیں یہ خیالِ خام میں ۔۔۔ حضرتِ بینا کسے سمجھائیں گے

امراؤ علی
امراؤ علی خاں وطن کول متوفی ۱۸۵۷ء
ایسے تھے کہ نساخ اور صاحب خمخانہ جاوید نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے ایک شعر صرف انتخاب ہے۔

بادِ صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے ۔۔۔ دو پھول گر کسی نے چڑھا کے اڑا دیئے

بدتر
شیخ بلاقی بدتر لکھنوی متوفی ۱۹۲۲ء
روتے والوں پہ کیا گذرتی ہے ۔۔۔ نہیں معلوم ہنسنے والوں کو

ہیرا
پیر علی ہیرا دِلّی وطن پیشہ سقائی شاگرد مجرم دہلوی۔
تاکتے پھرتے تھے پہلے تو بتوں کو ہیرا
گھر میں بیٹھے ہوئے اب یادِ خدا کرتے ہیں

تصدق
شیخ تصدق حسین تصدق لکھنوی
نثار بھی تھے اور ناظم بھی مگر زبانی کہ یہ کہتے جاتے تھے اور دوسرے

لکھتے جاتے تھے۔ چنانچہ نوشیروان نامہ کامل دفتر آفتاب شجاعت کامل اور طلسم اغلان زرار کامل ان کی تصنیفات ہیں۔ جو مطبع نولکشور نے چھاپی ہیں کہ مطبع مذکور سے بھی اسی وجہ ان کا تعلق تھا۔ ۱۹۰۵ء سے پہلے بقید حیات تھے۔ ان کی غزل کے تین شعر ہدیہ ہیں۔

کچھ بات ایسی کہیے اے بادشاہِ حسن — مشتاق اہلِ بزم نہایت سخن کے ہیں
جیسے ہیں گلعذار حسینانِ لکھنؤ — معشوق ہیں خطا کے نہ ایسے ختن کے ہیں
فصلِ خزاں کبھی ہے جہاں میں کبھی بہار — نیرنگ سب یہ گردشِ چرخِ کہن کے ہیں

تصویر شیخ حسن جان تصویرؔ لکھنوی شاگرد خواجہ عبد الرؤف عشرتؔ۔ شعرائے دور حاضر سے ہیں۔ ایک شعر ان کا ہدیہ ہے۔

مرنے والے کی وفاؤں کا سنائیں قصہ
آئیے بیٹھئے ذکرِ دلِ ناشاد کریں

لا معلوم شعراء کے اشعار

نہ پوچھو کیا اثر اس مصرع اکبر کا ہے ہم پر ٭ ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر
کہ تقریباً تین چار سو شعراء ذکر در ذکر آئے پھر بھی سینکڑوں اشعار بے نام ونشان رہے۔ قارئین کرام خود ہی اپنے علم سے نام ونشان اضافہ کرلیں۔ اور میرے علم ناقص میں بھی از راہ کرم اضافہ کریں کہ دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئے تو یہ اضافہ کام آئے۔

میں نے جو یہ کہا تمہیں الفت مری نہیں ٭ گردن جھکا کے ناز سے بولے کہ جی نہیں
ہماری اُن کی باتیں لوگ اصلاً پا نہیں سکتے ٭ یہ جھگڑے ہیں محبت کے سمجھ میں آ نہیں سکتے
اچھوتی ابھی ہے مئے احمری (احمد موم گم لامعلوم) ٭ کنواری ہے مینا کی نیلم پری
چاہیئے عاشق و معشوق میں گرما گرمی ٭ وصل کی رات نہیں خوب یہ شرما شرمی
ماجرائے نوجوانی عہد پیری میں نہ پوچھ ٭ شرم آتی ہے اب اس قصہ کو دہراتے ہوئے
کوئی بدلے تو دل بدلتے ہیں۔ ٭ آدمی ہی تو ہیں ضرورت ہے
غم کی شکلیں ہجر میں ہیں روبرو ٭ سچ کہا ہے واہمہ خلاق ہے
مُردہ بنا گئے مجھے ناحق جلا کے آپ ٭ کیا کر گئے یہ قبر پہ ٹھوکر لگا کے آپ
دلوں سے ہوئے محبت نکل گئی کیسی ٭ ہوا زمانے کی یا رب بدل گئی کیسی
چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں ٭ خاک ایسی زندگی پر وہ کہیں اور ہم کہیں
توبہ سو بار کی پر نہ نبھائی توبہ ٭ ہم بھی کیا توبہ شکن ہیں کہ الٰہی توبہ
اچھا ہوا جو آپ نے باندھا ہے ہم سے بیر ٭ جیتے رہے تو سمجھیں گے اور مرگئے تو خیر

تکلیف ساقی مستانہ کیا
پلادے اوک سے پیمانہ کیا۔

بڑی گرمی جوانی کے اثر سے
غضب کی لو چلی ہے دوپہر سے

گلے لپٹے ہیں وہ بجلی کے ڈر سے
الٰہی یہ گھٹا دو دن تو برسے

جہاں جاؤ گے وہیں انگڑائیاں لو
یہاں پھیلائی ہے سستی کہاں کی

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈ کر
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا۔

پھر ہے جینے کی تمنا دمِ محشر افسوس
گور میں میں ستمِ عمرِ رواں بھول گیا

مئے ان میں سے کھچنے سے رہی حضرتِ واعظ
میں لے کے تبرک گئے یہ انگور کروں کیا

دور سے آئے ہیں مشتاقِ تماشا ہوکر
ہم سے پردہ نہ کرو شاہدِ رعنا ہوکر

جام میں جمشید کے لکھا تھا یہ
کاسۂ سر ٹھوکریں بھی کھائیگا

ساقی نے سونگھائی غش میں مٹی
سوندھی سوندھی مجھے سبو کی

شبِ مہتاب ہو گلشن ہوئے ہو جامِ مینا ہو
الٰہی اس تکلف سے کسی مہوش کا مہماں ہوں

آنسو بہا کے کھولدیا تو نے رازِ عشق
اے چشم ہم سمجھتے تھے تو پردہ دار ہے

منہ کو آئینے میں کیا دیکھکر خوش ہوتے ہو
پہلے پیدا تو کرو چاہنے والا کوئی۔

ہوتے ہی دردِ دل کا بیاں اٹھ کھڑے ہوئے
یعنے یہ ایسے ہیں کہ نہ ان سے سنا گیا

چودہواں سال خدا خیر سے کاٹے تم پر
گھٹنے لگتا ہے مہ چاردہ پورا ہوکر

دمِ آخر میں شکوہ کیا نہ کرتا
مثل پہ سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

نہ پوچھ نامۂ اعمال کی دلآویزی
تمام عمر کا قصہ لکھا ہوا پایا

سرسری مل کے مرے پاس سے جانا کیا تھا
راہ بس ناپتے آئے تھے یہ آنا کیا تھا

نکلے جدھر سے وہ یہی چرچا ہوا کیا
اس طرح کا جمال ہو ایسا شباب ہو

سہواً ہوئی ہیں معصیتیں مجھ سے بے شمار
یارب مرے حساب میں لاکھوں کی بھول ہے

اور لوگوں کو باندازۂ زمانہ عشق ہے
ہم کو در پردہ محبت غائبانہ عشق ہے

بڑی راہ دکھلائی حضرت سلامت — بھلے کو حضور اب بھی تشریف لائے
یہ جان لو کہ ہاتھ اٹھانے کی دیر ہے — خالی گئی نہ جائے گی اپنی دعا کبھی
میں عشق کا گھائل پڑا تھا تِس پہ — جو بن کا ماتا آ کر مجھکو کھندل گیا ہے
صیاد نے کب ناوکِ بیداد لگایا — جب اڑنے کو ہم شاخ سے پر تول رہے تھے
یوں ہی فسانۂ شبِ غم تھا بہت طویل — پھر اس پہ بیچ بیچ میں کچھ داستانِ دل
اے حسن تیری وجہ سے ہم کشمکش میں ہیں — لاکھوں ہیں دستِ شوق ہزاروں کنارِ شوق
وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا — جب کوئی معشوق سے ملکر جدا ہونے لگے۔
لے تو چلا ہے قاصدِ ناداں پیامِ دل — میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہ ہو
کسی کے عشق میں آفت ہے ان کا مبتلا ہونا — خدا جانے گذرتی ہوگی کیا کیا ان حسینوں پر
کبھی سمجھے نہ کوئی نا سمجھ ان بھولے بھالوں کو — سمجھتے ہیں یہی کچھ چاہنے والوں کی چالوں کو
جاتے ہیں ترے کوچے سے قاتل خفا نہ ہو — ٹکڑے تو ڈھونڈھ لیں دلِ صد پاش پاش کے
کہیو قاصد حالِ دل اور دیجیو نامہ سفید — خط نہیں دیتے ہیں لکھنے نامہ بر آنسو مجھے
لب پر مرے کچھ شکوۂ بیداد نہیں ہے — گذرا ہے جو مجھ پر وہ ذرا یاد نہیں ہے
پھرتے ہیں داد خواہ تری حشر میں خراب — تو پوچھتا نہیں تو کوئی پوچھتا نہیں
تڑپ کے ہم نے جو توڑیں بھی تیلیاں تو کیا — غلاف کی بھی تہیں قفس پر ہیں
ہم حاصلِ صد عمر سمجھتے ہیں اسی کو — جو وقت ہمارا تری صحبت میں گذر جائے
لحد رہی نہ نشانِ سرِ مزار رہا — یہ نیک نام زمانے میں یادگار رہا
ل ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا — جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

ل نوٹ ۔ یہ شعر امداد علی علویؒ متوطن تھانہ بھون کا ہے جو سردار بیگؒ کے خاص مریدوں میں تھے۔ بیکش کو انھیں سے تلمذ تھا۔ صغیر نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے افسوس کہ پتہ نشان اس وقت معلوم ہوا جبکہ کتابت طباعت طبقہ متاخرین سے آگے بڑھ چکی تھی۔ اس لئے لامعلوم شعراء کے تحت اس نوٹ کے ساتھ ان کا ایک شعر لے لیا گیا۔

ہم قافیہ اشعار

دو چار شعر برعایت قافیہ بھی شاید ہوں تو ہوں ورنہ یہ سب منتخب ہی اشعار ہیں جو بخیال تکرار منتخب اشعار میں شامل نہیں ہیں۔ اور جو بجائے خود ایک چیز ہیں۔

متقدمین۔ حاتم	چمن میں کیوں نہ باندھے عندلیب آشیاں اپنا	کہ جانے ہے گل اپنا باغ اپنا باغباں اپنا
" مظہر	یہ حسرت رہ گئی کیا کیا مزے سے زندگی کرتے	اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

" تاباں	قفس میں پڑے ہیں عندلیباں سخت بے بس ہیں	نہ گلشن دیکھ سکتے ہیں نہ اب یہ آشیاں اپنا
" مظہر	مرا جی جلتا ہے اس بلبل بےکس کی غربت پر	کہ جن نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

" میر	اب کر کے فراموش تو ناشاد کروگے	پر ہم جو نہ ہونگے تو بہت یاد کروگے
" سودا	جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے	یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
متوسطین۔ جرأت	ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے	لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کروگے
خواتین شعرا۔ چندا	اوروں سے اگر دوستی رکھتے ہو بظاہر	باطن میں یقیں ہے کہ ہمیں یاد کروگے

متقدمین۔ میر	مدعی مجھکو کھڑے صاف برا کہتے ہیں	چپ کے تم بیٹھے ہو سنتے اسے کیا کہتے ہیں
" سودا	تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں	یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
متوسطین۔ جرأت	آئینہ رخ کو ترے اہل صفا کہتے ہیں	اس پہ دل اٹکے ہے میرا اسے کیا کہتے ہیں

متوسطین۔ غالب۔ آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے   کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

متقدمین۔ میر   چمن میں گُل نے جو کل دعویٰ جمال کیا   جمال یار نے منہ اُس کا خوب لال کیا
" سودا   برابری کا تری گل نے جب خیال کیا   صبا نے مار تھپیڑا منہ اس کا لال کیا
متوسطین۔ جرأت   جو تیغ یار نے خونریزی کا خیال کیا   تو عاشقوں نے بھی منہ اس کا خوب لال کیا

متقدمین۔ میر   گلہ میں جس سے کروں تیری بیوفائی کا   جہاں میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا
" سودا   گلہ لکھوں میں اگر تیری بیوفائی کا   لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
" سوز   اگر میں جانتا عشق میں ہے ہجر کا جدائی کا   تو محشر تک نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا
" بیدار   جدا کبھی چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا   تمام عمر نہ لوں نام آشنائی کا

" میر   برقعہ کو اُٹھا چہرے سے وہ بت اگر آئے   اللہ کی قدرت کا تماشہ نظر آئے
متوسطین۔ ذوق   ناقص کو صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے   جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے

متقدمین۔ میر   سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہمکو   وگرنہ ہم خدا ہوتے اگر دل بے مدعا ہوتے
متاخرین۔ راسخ   اگر بابِ اجابت تک دعا اپنی رسا ہوتی   تو دل میں تھا کہ خواہانِ دلِ بے مدعا ہوتے

متقدمین۔ میر   یار اغیار ہو گئے افسوس   کیا زمانے کو انقلاب ہوا۔
" سوز   یار اغیار ہو گیا ہیہات   کیا زمانے کا انقلاب ہوا
متاخرین۔ حسرت موہانی   اب وہ تم ہے نہ ہم افسوس   کیا زمانے کو انقلاب ہوا

متقدمین ۔ میر — بھوں ہیں تم جس دن کج نکلے تھے اک چیرا — اس دن ہی تمہیں دیکھے ماتھا مرا ٹھنکا تھا
" نثار — ہم آگے ہی سمجھے تھے وہ گھر کو سدھاریگا — جس وقت گجر باجا ماتھا مرا ٹھنکا تھا

" میر — گو دستِ لطف سے سر اٹھالے کوئی شفیق — دل کا لگاؤ اپنا ہے دستِ دعا کے ساتھ
متوسطین مومن — مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی — آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

متقدمین، قایم — دل ڈھونڈھتا سینے میں مرے لو عجبی ہے — اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے
متوسطین، غالب — تم اپنے شکووں کو مجھ سے نہ کہو دکھ کے پوچھو — حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

متقدمین سوز — دعوی کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بو کا — ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منہ میں تھوکا
متاخرین حفیظ جونپوری — حاسد سے کیا مٹیگا اوجِ کمال میرا — منہ پر پڑا اوسی کے جس نے فلک پہ تھوکا

متقدمین ۔ درد — مشکل بگیں جو ہم سے ہوا کام رہگیا — ہم روسیاہ جلتے رہے نام رہ گیا
" شاہ ہدایت — نے جم رہا جہاں میں نے جام رہ گیا — مردوں کا اس جگہ میں مگر نام رہ گیا
" قائم — رستم رہا زمیں پہ نہ یاں سام رہ گیا — مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

" نظیر — کل شبِ وصل میں کیا جلد بجی تھیں گھڑیاں — آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
متاخرین امیر — شام ہوتے ہی شبِ وصل بجاتا ہے گجر — ہاتھ ٹوٹیں ترے گھڑیال بجانے والے

متقدمین سودا — اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا
" حسن — جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ — آخر کو جو دیکھا تو موسم ہے خزاں کا

متقدمین۔ قائم۔ گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے۔
متوسطین۔ رند وعدہ پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

متقدمین۔ درد سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
متوسطین۔ مومن عشق تو میرا کلیجہ کھا گیا — بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

متقدمین۔ میر دلی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصور تھے — جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
متاخرین۔ فانی دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دھندلی سے مجھے دل کی تصویر نظر آئی

متقدمین۔ میر اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اس کے روبرو — رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی
،، سودا۔ جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی — گالی کبھو نہ دی تھی سو اک بات ہو گئی

،، سجاد بتوں کی یہ یاد دو روزہ ہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا
.....لاعلم گیا حسن خوبانِ دلخواہ کا — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

متقدمین۔ ناسخ بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے — دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے
متوسطین۔ رند سنی سرگوشیاں غیروں سے اشارے دیکھے — ہم نے آنکھوں سے کرشمے ترے سارے دیکھے

متقدمین۔ حمید ترکِ خیالِ یار کا دل کو خیال ہے — اچھا خیال ہے مگر امرِ محال ہے۔
متاخرین۔ آزاد انصاری۔ اب دل ہے اور دل میں تمہارا خیال ہے — اور وہ خیال جس کا بھلانا محال ہے۔
،، ۔ فانی رودادِ مرگ و زیست ہے یہ قصہ مختصر — مجبور زندگی کو بھی جینا محال ہے۔

متقدمین۔ میرؔ — بہوں میں تم جس دن کہیں نکلے تھے اک چیرا — اُس دن ہی تمہیں دیکھ کے ماتھا مرا ٹھنکا تھا
״ نثارؔ — ہم آگے ہی سمجھے تھے وہ گھر کو سدھاریں گے — جس وقت گجر باجا ماتھا مرا ٹھنکا تھا

״ میرؔ — گو دستِ لطف سے سر اٹھالے کوئی شفیق — دل کا لگاؤ اپنا ہے دستِ دعا کے ساتھ
متوسطین۔ مومنؔ — مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی — آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

متقدمین۔ قائمؔ — دل ڈھونڈھتا سینے میں مرے تو الجھی ہے — اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ دبی ہے
متوسطین۔ غالبؔ — تم اپنے شکووں کو مجھ سے نہ کھود کھود کے پوچھو — حذر کرو مرے دل سے کہ اس میں آگ دبی ہے

متقدمین۔ سوزؔ — دعویٰ کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بو کا — ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منہ میں تھوکا
متاخرین۔ حفیظ جونپوری — حاسد کیا مٹیگا اوجِ کمال میرا — منہ پر پڑا اوسی کے جس نے فلک پہ تھوکا

متقدمین۔ دردؔ — مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم رو سیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
״ شاہ ہدایتؔ — نے جم رہا جہاں میں نے جام رہ گیا — مردوں کا اس جگہ میں مگر نام رہ گیا
״ قائمؔ — رستم رہا زمیں پہ نہ یاں سام رہ گیا — مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

״ نظیرؔ — کل شبِ وصل میں کیا جلد بجیں تھیں گھڑیاں — آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
متاخرین۔ امیرؔ — شام ہوتے ہی شبِ وصل بجاتا ہے گجر — ہاتھ ٹوٹیں ترے گھڑیال بجانے والے

متقدمین۔ سوداؔ — اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن — جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا
״ حسنؔ — جس عالمِ ہستی کو سمجھتے تھے بہار آہ — آخر کو جو دیکھا تو موسم ہے خزاں کا

متقدمین ۔ قائم ۔ گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے ۔
متوسطین ۔ رند ۔ وعدہ پہ تم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مر گئے — کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

متقدمین ۔ درد ۔ سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا — بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا
متوسطین ۔ مومن ۔ عشق تو میرا کلیجہ کھا گیا — بس مرے اللہ جی گھبرا گیا

متقدمین ۔ میر ۔ دِلی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصور تھے — جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
متاخرین ۔ فانی ۔ دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دُستہلی سے مجھے دِل کی تصویر نظر آئی

متقدمین ۔ میر ۔ اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اس کے روبرو — رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی
" سودا ۔ جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی — گالی کبھو نہ دی تھی سو اک بات ہو گئی

" سجاد ۔ بتوں کی یہ یاد دو روزہ ہے — ہمیشہ رہے نام اللہ کا
...... لاعلم ۔ گیا حسن خوبانِ دلخواہ کا — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

متقدمین ۔ ناسخ ۔ بزم میں رات کو غیروں سے اشارے دیکھے — دیدۂ یار کرشمے ترے سارے دیکھے
متوسطین ۔ رند ۔ سنی سرگوشیاں غیروں سے اشارے دیکھے — ہم نے آنکھوں سے کرشمے ترے سارے دیکھے

متقدمین ۔ حمید ۔ ترکِ خیالِ یار کا دِل کو خیال ہے — اچھا خیال ہے مگر امرِ محال ہے ۔
متاخرین ۔ آزاد انصاری ۔ اب دل ہے اور دل میں تمھارا خیال ہے — اور وہ خیال جس کا بھلانا محال ہے ۔
" ۔ فانی ۔ رودادِ مرگ و زیست ہے یہ قصہ مختصر — مجبور زندگی کو بھی جینا محال ہے ۔

متقدمین خواجہ اثر۔ دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا ۔ دشمنی پر تو پیار آتا ہے
متاخرین امیر ان کو آتا ہے پیار پر غصّہ ۔ مجھکو غصّہ پہ پیار آتا ہے

متقدمین میر کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے ۔ چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
" سودا خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں وقتِ شب ۔ تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
متوسطین مجروح محفل طرازیاں وہ کہاں اب تو کام ہے ۔ گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا

" جراُت سرسری اُن سے ملاقات ہے گاہے گاہے ۔ محفلِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے
" ذوق اس طرح تجھ میں ہیں لازم ہی گاہے گاہے ۔ دم بدم لحظہ بلحظہ نہیں گاہے گاہے

" مصحفی۔ پیری میں ہو گیا ہے یوں دل کا داغ ٹھنڈا ۔ جس طرح صبح ہوتے کردیں چراغ ٹھنڈا
" انشاء پرتو سے چاندنی کے ہے صحنِ باغ ٹھنڈا ۔ پھولوں کی سیج پر آکر دے چراغ ٹھنڈا

" ذوق سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا ہے مجھے ۔ سر اٹھا پانی میں ہے سرو خراماں چھوڑ کر
" احسان سرو سے قمری جو پھرتی ہے بگڑی بگڑی ۔ باغ میں کیا شگوفہ تو گیا سرو خراماں چھوڑ کر

متوسطین غالب وفاداری بشرطِ استواری عین ایماں ہے ۔ مرے بتخانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو
متاخرین بیاض گلا بیٹھا ہوا خدمت اذاں کی بھی کعبے میں ۔ یہیں کو میں اٹھا لایا تھا تو سنِ برہمن کو

متوسطین نصیر مر کر بھی ہم نے اس دلِ مضطر کے ہاتھ سے ۔ پایا نہ زیرِ خاک کچھ آرام اب تلک
" احسان گو مر چکا ہوں پہ دلِ مضطر کے ہاتھ سے ۔ میرے نصیب میں نہیں آرام اب تلک

متوسطین ممنون — وائے بیکاری وحشت کہ نہیں کہیں شغلہ کیا — نہ تو داماں ہی ثابت نہ گریباں درست
" احسان — سینہ اس طرح کھلا بند ہے اے بندہ نواز — کچھ بھی موقع ہے ذرا کیجئے گریباں درست

" ناسخ — مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا — طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
" آتش — رواں رکھتا ہے خوں آنکھوں سے ہر اک ماہ تاباں کا — شفق آلودہ رہتا ہے ہلال اپنے گریباں کا
" اسیر — ازل سے ہے سلسلہ اس جنون فتنہ ساماں کا — شگاف خامہ کن چاک ہے میرے گریباں کا
" اشرف — بہار آتے ہی ظاہر کی کرامت دست وحشت نے — تبرک کی طرح گھر گھر گیا ٹکڑا گریباں کا
متاخرین امیر — جنوں ہے مجکو اک پردہ نشیں کے دور داماں کا — گلا کاٹوں جو پردہ فاش ہو چاک گریباں کا
" باسط بسوانی — تقاضا فصل گل میں ہے جنون فتنہ ساماں کا — وہی دامن کی صورت ہو جو نقشہ ہے گریباں کا

متوسطین جرات — کیا کیا قتل مجھ حزیں کو ہوا شوق مجھ حزیں کا
اڑے گریباں نہ کوئی پکڑے لہو تو دھو ڈال آستیں کا
" ناسخ — یہ ساعدوں کا ہے اس کے عالم کہ جس نے دیکھا ہوا وہ بیدم
نیام تیغ قضائے مبرم یقیں ہے قاتل کے آستیں کا
متاخرین - امیر — قریب ہے یار روز محشر چھپیگا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا
" جلیل — نہ بحر جاری سحاب سے ہے نہ چاہ لبریز آب سے ہے
یہ دامن تر کا اک لقب ہے وہ نام ہے میری آستیں کا

متوسطین آتش — لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب — زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا
مصحفی — نہ ہو محسوس جو شے کس طرح نقشے میں ٹھیک آوے — شبیہ یار کھچوائی کمر بگڑی دہن بگڑا

متوسطین مصحفیؔ لکھا ہے خاک کوئے یار سے اے دیدۂ حیراں — قیامت میں کروں گا گر کوئی حرف کفن بگڑا
" آتشؔ امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک — نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا

" ذوقؔ اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات — رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے
" عیشؔ اے شمع سحر ہوتی ہے روتی ہے کس لئے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

" ذوقؔ یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں
" مومنؔ کیا جانے لکھ دیا انہیں کیا اضطراب میں — قاصد کی نعش آئی ہے خط کے جواب میں
" غالبؔ قاصد کے آتے آتے اک خط اور لکھ رکھوں — میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
" شیفتہؔ بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز — ملزم ہوا ہے پر نہیں عاجز جواب میں
متاخرین۔ داغؔ۔ کیا کیا فریب دل کو دئے اضطراب میں — اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں
" اصغرؔ میری ندا کے درد پہ کوئی صدا نہیں — بکھرا دئے ہیں کچھ مہ و انجم جواب میں

متوسطین مومنؔ کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں — بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں
" غالبؔ۔ فالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

متوسطین آزردہؔ میں اور ذوق بادہ کشی لے گئیں مجھے — یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں
" عیشؔ گردش ہے اس کی چشم مست کو مستی میں یا نہیں — نرگس کا پھول تیر رہا ہے شراب میں

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ (داو ۱ و ۲) یہ دونوں قافیہ مصحفی کے کسی نوشق شاگرد کے طرف منسوب ہیں
درنہ حقیقت میں مصحفی کے ہیں آتش اسی وجہ تو آتش در نقل ہوئے تفصیل دیکھنا ہو تو آبحیات ملاحظہ ہو۔

متوسطین مومن۔ پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع — مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں
" ذوق۔ خط پڑھ کے اور بھی وہ ہوا پیچ و تاب میں — کیا جانے لکھ دیا اُسے کیا اضطراب میں
" غالب۔ میں اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے — جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
" شیفتہ۔ آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں — گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں
متاخرین۔ امیر۔ اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی — یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں
" اشکی نواب محمد علیخاں خلف شیفتہ — آئے تو اُن سے حال کچھ اپنا نہ کہہ سکا / کیا جانے ہو گیا مجھے کیا اضطراب میں

متوسطین۔ غالب۔ ترے وعدہ پر جیئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا — کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
متاخرین۔ داغ۔ ترے وعدہ پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے — اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

متوسطین۔ غالب۔ ترے تیر نیمکش کو کوئی میرے دل سے پوچھے — یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
متاخرین۔ امیر۔ جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں چرائی — وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
" فصیح۔ ترا تیر تو در آیا مرے دل میں جان بنکر — مری جاں نکل ہی جاتی جو جگر کے پار ہوتا

متوسطین۔ ناظم۔ یہ کچھ سنا جواب میں ناظم غضب کیا — یہ کیوں کہا کہ دعوئے اُلفت مگر غلط
متاخرین۔ تسلیم۔ اشتیاقِ وصال جوشِ تمنا ہجومِ غم — لکھنے کو اُس نے کیا نہیں لکھا مگر غلط

متوسطین۔ آتش۔ برابر جان کے رکھا ہے اس کو مرتے مرتے تک — ہماری قبر پر رویا کریگی آرزو برسوں
متاخرین۔ امیر۔ کوئی میرے برابر کیا کریگا ضبط اُلفت کو — نہیں آتا زباں تک دل سے حرفِ آرزو برسوں

متوسطین۔ غالب زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے
،، ذوق بیانِ دردِ محبت جو ہو تو کیونکر ہو زباں نہ دل کے لئے ہے نہ دل زباں کیلئے
متاخرین فصیح فتحپوری۔ وہ قصہ خوانِ محبت ہوئے ہیں کہ ہر دلمیں بیان شوق ہے مضطر مری زباں کیلئے

متوسطین۔ غالب۔ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے
،، مومن۔ ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے

،، غالب مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے
،، مومن۔ کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امنِ قفس ہے بیمِ برق و بلا روز آشیاں کے لئے
متاخرین۔ محسن کاکوروی۔ قفس میں بیٹھے یہ سوجھی کہ آتشِ دل سے
لئے چلو کوئی چنگاری آشیاں کے لئے

متوسطین۔ غالب وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے
متاخرین محسن کاکوروی۔ شبِ فراق نہ ہو روزِ انتظار نہ ہو
تو ہم بھی فکر کریں عمرِ جاوداں کیلئے

متوسطین۔ غالب۔ ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا
،، تسکین۔ کوچۂ یار میں ہم نے تسکین پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

،، غالب ہم کس ہنر میں یکتا تھے کہاں کے دانا تھے بے سبب ہوا دشمن غالب آسماں اپنا
،، مومن دیکھئے بعد مردن حالِ جسم و جان کیا ہو مدعی زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

متوسطین غالبؔ ۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہو گئیں
متاخرین رواںؔ ۔ دل کے داغوں میں جھلک ابکی نظر آتی ہے اب ٭ پھول ہی جو صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں

متوسطین غالبؔ ۔ عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
متاخرین ۔ راجہ امیر حسین خاں سحرؔ ۔ دونوں طرف سے چاہ برابر ہو تو نبھے
تم وہ نہیں رہے وہ مرا دل نہیں رہا

متوسطین ۔ غالبؔ ۔ یار سے چھیڑ چلی جائے اسدؔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
〃 مجروحؔ ۔ کچھ نہ کچھ لائے ہم اُس محفل سے خالی پھر آنے کی حسرت ہی سہی

〃 غالبؔ ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی ٭
〃 فصیحؔ فتحپوری ۔ بے محابا سوال وصل فصیحؔ تجھ کو تو بات کر نہیں آتی ٭

〃 غالبؔ پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا جاں نذر دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے
متاخرین فصیحؔ فتحپوری ۔ لکھنے چلا ہوں آج غمِ ہجر کی کتاب
خونِ جگر سے جدولِ عنواں کئے ہوئے
〃 فانیؔ پھر لے چلا ہے گریۂ بیتاب خطِ شوق دل کے لہو کو زینتِ عنواں کئے ہوئے

متوسطین غالبؔ رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
متاخرین رسواؔ لکھنوی ابھی تو اشک نے بدلا ہی کچھ یونہی سا رنگ بہینگے آنکھ سے لختِ جگر لہو کیا ہے

متاخرین جلال — کلیجہ کوئی تھام کر رہ گیا ہے
اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا

۔ احسان علیخاں احسان۔ تمھاری نگہ کے ندیدے کھڑے ہیں — جوانی کا صدقہ اُدھر دیکھ لینا

متوسطین۔ صبا ہائے اب کیا کہہ کے سمجھائیں دل بیتاب کو — ان سے ہم کہتے رہے کہہ جاؤ کچھ جاتے ہوئے
متاخرین۔ رشید ہچکے دم آیا لبوں تک روح گھبرانے لگی — سچ بتاؤ کیا اشارے کر گئے جاتے ہوئے

متوسطین۔ شہیدی۔ اس کے الطاف ہیں عالم میں شہیدی سب پر — تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا
متاخرین۔ جلیل۔ نگہہ لطف کسی پر ہے کسی پہ بیداد — مجھکو حسرت ہے کہ میں بھی کسی قابل ہوتا

متوسطین۔ قدر۔ تم اسی سمت کو جاؤ تو خدا کو پاؤ — جس طرف لوگ بتائیں کہ ادھر کچھ بھی نہیں
.... لاعلم جس طرف جاتا ہوں تقدیر یہی کہتی ہے — آرزو کیوں لئے آتا ہے ادھر کچھ بھی نہیں

متوسطین غالب ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اِترا تا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے
متاخرین بسمل لکھنوی۔ تمام شہر میں رسوا ذلیل آوارہ — تمھارے چاہنے والے کی آبرو کیا ہے

متوسطین۔ رند اگر ٹی کلاہے گماں شک ہے ملاگیری کا — رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہو کر
۔ صبا باغباں بلبلِ کُشتہ کو کفن کیا دیتا — پیرہن گل کا نہ اترا کبھی میلا ہو کر

۔ وزیر چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شاد ماں ہو کر — زمینِ کوئے جاناں رنج دیگی آسماں ہو کر
متاخرین۔ جلیل یہی عالم ہے گر جوشِ جنوں میں خاک اڑانیکا — زمیں بھی سر پہ اِکدن آرہیگی آسماں ہو کر

متوسطین قلق۔ ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا بس اک نگاہ پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا
" امیر اٹھو گلے سے ملو تم مٹے گلہ دل کا ذرا سی بات میں ہوتا ہے فیصلہ دل کا
" دلہن۔ بیاں میں کس سے کروں جا کے اگلے دل کا یہ دل کا دل ہی میں ہوئیگا فیصلہ دل کا

" رند سیر کی خوب پھرے پھول چنے شاد رہے باغباں جاتے ہیں ہم گلشن ترا آباد رہے
متاخرین۔ اکبر مئے گلگوں سے چھلکتے مست ہوئے شاد رہے ساقیا خانۂ احساں ترا آباد رہے

متوسطین آتش قاتل کے انتظار میں کب سے ہوں جاں بلب یا دش بخیر بھول گئی ہے قضا مجھے
" تجر۔ آنکھیں نہ جینے دینگی اے بیوفا مجھے ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

" مومن عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے
متاخرین۔ مہاراجہ شاد بت پرستی میں کٹی عمر تو پروا کیا ہے
شاد ہم جاکے مدینے میں مسلماں ہونگے

متوسطین عیش بس آب و دانہ کی ہے یہ بیاں ہیں سب ورنہ کہاں میں اور کہاں دام اور کہاں صیاد
" رند دکھایا کنج قفس مجکو آب و دانہ نے وگرنہ دام کہاں میں کہاں کہاں صیاد
متاخرین۔ فانی۔ یہ جذب شوق اسیری ہے ورنہ اے فانی کہاں میں سوختہ دل مشت پر کہاں صیاد

متوسطین مومن۔ تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے
" فدا علی عیش :۔ خاتمہ صبح کو دونوں کا برابر ہوگا
کل نہ تو ہوگی نہ ہم اے شب ہجراں ہونگے

متاخرین۔ صفدر رامپوری۔ اپنے گھر سے تجھے تنہا تو نہ جانے دیں گے۔
صبح کو ہم تیرے ساتھ اے شبِ ہجراں ہونگے

" انشاؔء جھڑکی سہی ادا سہی چین جبیں سہی سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
" بیخوؔد نفرت ہے حرفِ وصل سے اچھا یونہی سہی لو آؤ اور بات سنو وہ نہیں سہی

متوسطین۔ غالبؔ صاف دُردی کش پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں
متاخرین۔ داغؔ محتسب مانع حلت ہے گمانِ مَے سے سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں

متوسطین۔ مومنؔ دیدۂ حیراں نے تماشہ کیا۔ دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
متاخرین۔ داغؔ۔ آئینۂ دل نے تماشا کیا اپنی جگہ میں اُسے دیکھا کیا

متوسطین۔ مجروحؔ۔ ہنوز طبع میں آثارِ لطف ہیں موجود گلِ شگفتہ میں کچھ کچھ ہے رنگ و بو باقی
" نیسانؔ یہ کس کے جانے سے جاتی رہی بہارِ چمن نہ گل ہی باغ میں باقی نہ گل میں بو باقی

" حیاؔ خدا کے فضل سے یوسف جمال کہلائے اب اور چاہتے کیا ہو پیمبری ہو جائے
.... لاعلم خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے

متوسطین شیفتہؔ۔ یوں وفا اٹھ گئی زمانے سے کبھی گویا جہاں میں تھی ہی نہیں
متاخرین۔ ریاضؔ صبح کا جھٹ پٹا تھا شام نہ تھی وصل کی رات رات تھی ہی نہیں
" اکبرؔ مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

متوسطین۔ نیّر بل بے صحبت کا اثر اس نے بھی آنکھیں پھیر لیں ہاتھ اس بے مہر نے جب نیّر دل پر رکھ دیا
متاخرین۔ داغ داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں حالِ دل کمبخت نے سب ان کے منہ پر کہہ دیا

متوسطین کیف ہم وہ میکش ہیں اگر ہوتا ہمارا دسترس باندھ رکھتے سرو سے پائے بہار اک برس
" فدا دیکھئے اب کی ہمیں کیا داغ ہوتا ہے نصیب دیکھئے کیا گُل کھلاتی ہے بہار اب کی برس

" ذوق لیتے ہی دل جو عاشق دلسوز کا چلے تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے
" مجروح عاشق کو اپنے چھوڑ تڑپتا ہوا چلے قربان ایسے آنے کے کیا آئے کیا چلے

" وحید ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو
.... لاعلم ان دنوں جوشِ جنوں ہے مرے دیوانے کو لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

متوسطین غالب عشق نے غالب نکما کر دیا۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
متاخرین۔ راسخ پھیر لو بوسے لبِ گلفام کے غیر کے جھوٹے مرے کس کام کے
" ریاض جتنے ہیں معشوق مل جائیں ہمیں ہیں یہ سب کافر ہمارے کام کے
" حفیظ جونپوری۔ صبح کو آئے ہو نکلے شام کے جاؤ بھی اب مرے کس کام کے

متوسطین۔ غالب خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے
" شوق سن کے میرا نام بولے کون شوق سینکڑوں دنیا میں ہیں اس نام کے
متاخرین۔ ریاض ایک آفت تھا تمھارا کوسنا مر گئے تو سب ہمارے نام کے

متوسطین۔ غالب۔ ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی
" مجروح ہم بھی آئینہ کرلیں گے دل کو خود نمائی تری عادت ہی سہی

" رند آ اے عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل
خواتین شعرا سلطان بیگم۔ تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا
ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں کہہ کے ہائے دل

متوسطین غالب درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو صبح بہار پنبۂ مینا کہیں جسے
متاخرین۔ ریاض اتنی تو ہو بیان میں واعظ شگفتگی ہم رندِ حسن کے قلقلِ مینا کہیں جسے

متوسطین ناسخ دل اب مجو تر سا ہوا جاتا ہے یہ کعبہ کلیسا ہوا جاتا ہے:
" (ایک لڑکے کا شعر) دل اس بت پہ شیدا ہوا جاتا ہے
خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

" آتش۔ پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
متاخرین۔ جگر مراد آبادی:۔ بیاں نہ ہو سکی استدا محبت کی
تمام عمر ہوئی شرح آرزو کرتے

متوسطین۔ غالب لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
متاخرین۔ فانی بہلا نہ دل نہ تیرگی شام غم گئی یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

متوسطین۔ غالب چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں — ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں
متاخرین۔ فانی۔ وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو — پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

...... لاعلم ساغر بنایا ہوتا کہ آتا کسی کے کام — انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی
متاخرین جلیل مستی کا اب مدار ہے ساقی کی آنکھ پر — اس جام نے شراب کی مٹی خراب کی

〃 امیر میری فریاد رائیگاں تو نہ ہو — بت ہی سن لیں اگر خدا نہ سنے
〃 داغ میری فریاد دوسرا نہ سنے — تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

〃 داغ پڑا فلک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں
〃 شاد عظیم آبادی۔ غضب کی ان میں متانت ہے کچھ کلام نہیں
ہنسا کے اُن کو نہ اُٹھوں تو شاد نام نہیں

〃 حفیظ جونپوری۔ پئیں گے ساغر کوثر بھی رند ہی زاہد
پئے گا خاک وہ جس نے کبھی نہ پی ہوگی
〃 ریاض حساب حشر میں دینا تھا قطرہ قطرہ کا — دکھا دکھا کے فرشتوں کو میں نے پی ہوگی

〃 امیر سفر مبارک ہو آخرت کا بخیر انجام ہو خدایا — جو گھر سے نکلے مرا جنازہ تو سامنا ہو کسی حسیں کا
〃 جلیل نہ شوق نظارہ مجھ سے پوچھو یہ کہہ کے سوتا ہوں روز شب کو
اٹھوں جو میں صبح کو الٰہی تو منہ دکھانا کسی حسیں کا

متاخرین۔ مہاراجہ شاد۔ خود فراموشی کی اپنی کرتے ہیں ہر روز مشق
شغل کچھ تو چاہئے بیکار بیٹھے کیا کریں

" فانی خونِ جگر چھینٹوں سے کچھ پھول کے خاکے ہی سہی موسم گل آگیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

" داغ ہائے کس وقت ہوئیں دونوں مرادیں حاصل یار بالیں پہ جب آیا تو قضا بھی آئی
" ریاض دردِ فرقت کی اذیت کا نہ پوچھو کچھ حال آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی
" فانی لو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

" ریاض کبھی حرف محبت تا بلب آیا تھا جھجکے سے اسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہوکر
" اکبر نگاہیں مل گئی تھیں میری اور ان کی رات محفل میں یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہوکر

" جلیل کثرت سے مئے جو پی ہے نظر مال پر رعشہ نہیں ہے کانپ رہا ہوں گناہ سے
" ریاض سیری ہوئی نہ لذتِ عصیاں سے عمر بھر کیا کچھ کیا مگر نہ بھرا جی گناہ سے

" اکبر سب تو چلے ہیں اوس بت کافر ادا کے ساتھ رہجائینگے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ
" جلیل یاد خدا سے جان چراؤ بھی جلیل آخر کبھی تو کام پڑیگا خدا کے ساتھ

" جلیل کسی کی یاد ناصح یوں نہ میرے دل سے نکلیگی بڑی مشکل سے آئی ہے بڑی مشکل سے نکلیگی
" فصیح فتحپوری نہ جیتے جی محبت آپ کی اس دل سے نکلیگی
یہ جاں مجھ سخت جاں کی ہی بڑی مشکل سے نکلیگی

متاخرین۔ تحمل لکھنوی۔ محفل یار سے اوٹھنے کو اٹھے تو لیکن
درد کی طرح اُٹھے گر پڑے آنسو کی طرح

..... لاعلم کھانے پینے کا جو ذکر آیا قفس میں صیاد کھا گئے غم کی طرح پی گئے آنسو کی طرح

متاخرین۔ فصیح فتحپوری۔ حسرت دید صنم تو بھی نکل جا یونہی
دل سے نالہ کی طرح آنکھ سے آنسو کی طرح

" ریاض دل کو وہ بیخودی ہے کہ کچھ بھی اثر نہو آنکھوں میں تم پھر و بھی تو مجھکو خبر نہو
..... لاعلم سب سے چھپا کے آپ اوٹھائیں ہماری لاش پر یہ نہ ہو کہ اہل وفا کو خبر نہو

متاخرین حالی ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہماں دیکھئے آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت
" جلیل کل جو تھے آپ تو جنت کا مزا آتا تھا آج دیکھی نہیں جاتی مرے گھر کی صورت

متقدمین۔ پنڈت مہتاب رائے تاب
یا تنگ کر ناصح ناداں مجھے اتنا یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی
متوسطین۔ آزردہ۔ نقشے تو بہت صانع قدرت نے بنائے لیکن نہ بنا پھر دہن ایسا کمر ایسی

متقدمین حسن منہ کہاں یہ جو کبھو آئے اور سو رہئے خوب نیند آئی ہے گھر جائیے اور سو رہئے
متوسطین۔ رنگین میری چھاتی سے لپٹ جا اور سو رہئے آئیے آئیے بس آئیے اور سو رہئے

متاخرین۔ امیر کیسی گھڑی تھی گھر سے جو نکلا تھا غریب پھر دیکھنا نصیب مجھکو وطن ہوا
داغ کوسوں تک اُلٹے پاؤں چلا آہ غریب جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا

متاخرین۔ داغ مسکرائے میری میت پہ وہ منہ پھر کے داغ حشر تک یاد رہے گا یہ تبسم مجھکو
" امیر صورتِ غنچہ کہاں تاب تکلم مجھکو منہ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھکو
" ریاض پارسائی کا یقیں غیر کو دلواتے ہیں کہیں بھولے سے نہ آجائے تبسم مجھکو

" داغ عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھکو اور پھر ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے تم مجھکو
..... لاعلم عوضِ ظلم و ستم اور تمہیں کیا کوسوں پیار کرنے لگو اللہ کرے تم مجھکو

متاخرین داغ بعد میرے کیوں نہ بعد وصل یار آنیکو تھی وہ چمن ہی لٹ گیا جس میں بہار آنیکو تھی
..... لاعلم کس سے میں موت تجھکو اے نگار آنیکو تھی فصل کب آئی خزاں کی جب بہار آنیکو تھی

متاخرین داغ چوٹ کھانا دلِ حزیں نہ کہیں درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں
" امیر آہ کرنا دلِ حزیں نہ کہیں چوٹ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

" تشنہ
شمع ہے گل بھی ہے بلبل بھی ہے پروانہ بھی
رات کی رات یہ سب کچھ ہے سحر کچھ بھی نہیں

" جلیل
شمع اس فکر سے محفل میں گھلی جاتی ہے
رات بھر کا ہے سماں وقت سحر کچھ بھی نہیں

" امیر ظاہر میں ہم فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں
" داغ جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں مجھ سے کہاں چھپینگے وہ ایسے کہاں کے ہیں

متاخرین ۔ داغ ۔ خط شوق دینے میں جلدی نہ کرنا   محل موقع بھی نامہ بر دیکھ لینا
" جلیل   مزے لینگے ہم دیکھکر تیری آنکھیں   اُنہیں خوب تو نامہ بر دیکھ لینا

" اکبر   جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں   یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر
" جلیل   جوانی کی دعائیں مانگی جاتی تھیں لڑکپن میں   لڑکپن کے مزے اب یاد کرتے ہیں جواں ہو کر

" جلیل   اہل دل کو جو لٹاتی ہے صدا نغمہ کی   پردۂ ساز میں پنہاں تیری آواز نہ ہو
" عزیز لکھنوی ۔ بزم مطرب میں کبھی سوز نہ ہو ساز نہ ہو   پردۂ ساز میں گر آپ کی آواز نہ ہو

" داغ   لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد   ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں
" ریاض   کس قدر ہے بنا ہوا زاہد   جیسے اُس نے وہ چیز پی ہی نہیں

...... لاعلم   روح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے   مئے اُڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
متاخرین ریاض   مر گئے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے   مرے حصہ کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

...... لاعلم   رہو جس کے قالب میں تم جان ہو کر   ستم ہے ملو اُس سے انجان ہو کر
...... لاعلم   ستم ہے کہ وہ جان پہچان ہو کر   چُراتے ہیں اب آنکھ انجان ہو کر

متاخرین ۔ جلیل ۔

تمھارے مرمٹوں پر ہائے رے عالم قیامت میں
ہر اک کہتا ہے یا رب یہ کہاں کے رہنے والے ہیں

متاخرین۔ اقبال۔ انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہہ عاشق کونسی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

" جلیل جلیل ایسے بھی دو ہی چار نکلیں گے زمانے ہیں بتوں کو گھورتے ہیں اور پھر اللہ والے ہیں
" اقبال بیابانوں میں اہل دل کی جستجو کیسی کریں جو پیار انساں سے وہی اللہ والے ہیں

" آرزو نظر آنے لگا ہر شے میں آنکھوں کو وہی جلوہ نقاب اس رخ سے کیا سرکی کہ پردہ اٹھ گیا دل سے
" عزیز خدا محفوظ رکھے عشق کے جذبات کامل سے زمیں گردوں سے ٹکرائی جہاں ہل ہل گیا دل سے
" ثاقب لکھنوی۔ چھری ہے ہر نفس پر ہر قدم ہے کام قاتل سے
عدم کی شاہراہیں ملگئی ہیں اک رگ دل سے

" آرزو ہوئی جب بیدلی پھر سیرگاہ دہر کیا ہے اٹھا ہے کوئی مثل شمع رونق لے کے محفل سے
" ریاض وہ باتیں کچھ تو ہیں جس کا اثر ہے شمع پر اتنا اٹھی وہ جل کے خلوت سے گئی وہ رو کے محفل سے

" امیر گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار نہیں مٹا ہوا سا نشان سر مزار ہوں میں
" اقبال بلا کستان محبت کا یادگار ہوں میں مٹا ہوا خط لوح مزار ہوں میں

" امیر پھر اوسکی شان کریمی کے حوصلے دیکھے گناہگار یہہ کہہ دے گناہگار ہوں میں
" اقبال تڑپ کے شان کریمی نے لے لیا بوسہ کہا جو سر کو جھکا کر گناہگار ہوں میں

..... لاعلم اسطرف کچھ سوچکر رونے لگے تیماردار اس طرف بیمار غم کچھ کہہ کے غافل ہوگیا

متاخرین۔ فانی سن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی   آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

" صفی لکھنوی۔ زنگ آلودہ اک آئینہ سہی   دل کی آخر کوئی قیمت ہوگی

" صفدر مرزا پوری۔   اک نگاہِ غلط انداز سہی

دل کی آخر کوئی قیمت ہوگی

" امیر   امیر فاتحہ پڑھنے کوئی کہاں جائے   مزار ہے نہ نشانِ مزار باقی ہے

..... لاعلم   خرامِ ناز نے تھوڑی قیامتیں کی ہیں   یہ دیکھئے تو کسی کا مزار باقی ہے

متاخرین گستاخ   ملیں بہشت میں یارب نئی نئی حوریں   گلے کا ہار نہ ہوں عمر جاوداں کی طرح

" ریاض   ترا اٹھان ترقی کرے قیامت تک   ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

" امیر   اترا ہوا گلے کا ترے ہار کیا ہوا   سینے پہ چڑھ کے جس نے کیا پیار کیا ہوا

" جلیل   کہتے ہیں جب بتِ مری گردن میں ملتے ہیں   یہ تو گلے کا ہار ہوا پیار کیا ہوا

" اکبر   ناتوانی مری دیکھی تو مصور نے کہا   ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کے ساتھ

" جگر مرادآبادی۔ لطفِ تصویرِ مصور ہے تشہیر کے ساتھ   کھینچ دے درد بھی میرا مری تصویر کے ساتھ

" امیر   نہیں بجھتی ہے اس سے پیاس اے پیرِ مغاں میری   صراحی کے گلے میں کاٹ کر رکھ دی زباں میری

" جلیل   یہ ہر دم نالہ کش ہے قافلے میں مجھکو حیرت ہے   جرس کے منہ میں کس نے کاٹ کر رکھدی زباں میری

متاخرین جلیل۔ فتویٰ دیا ہے مفتی ابر بہار نے　　توبہ کا خون بادہ کشوں کو حلال ہے
" آزاد انصاری۔　　قاضی ہو شیخ وقت ہو زاہد ہو رند ہو
ہم دیکھتے ہیں مفت کی سب کو حلال ہے

" جلیل　ایک ہی داغ رہا اب نہیں باقی ساقی　　کیا نہا دھو کے میں نکلا ترے میخانے سے
" ریاض　باغ میں جھومتے آتے نہیں کالے بادل　　خم چلے آتے ہیں اڑتے ہوئے میخانے سے

" رسوا لکھنوی　حیرانی نگاہ تماشہ کرے کوئی　　صورت وہ روبرو ہے کہ دیکھا کرے کوئی
" اقبال　چھپتی نہیں ہے یہ نگہ شوق ہمنشیں　　پھر اور کس طرح انہیں دیکھا کرے کوئی

" غالب　چاہے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس　　زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے
" فصیح فتحپوری۔　　کل نعش پر فصیح کے وہ شوخ مہ جبیں
سر پیٹتا تھا بال پریشاں کئے ہوئے

" درد کاکوروی۔ فرقت کا آج ان سے گلہ کیجئے ضرور　　اتنا نہیں کہ شکوہ بیجا کہیں جسے
" اصغر گونڈوی۔ شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے　　وہ طرز خاص رنجش بیجا کہیں جسے

" شاد عظیم آبادی۔　　طلب کریں تو کیا شے طلب کریں اے شاد
ہمیں کو آپ نہیں اپنا مدعا معلوم
" اصغر گونڈوی۔ ہجوم شوق مرا اب کیا کہوں میں کیا نہ کہوں　　مجھے تو خود بھی نہیں اپنا مدعا معلوم

متاخرین - داغ - ہچکیاں داغ دمِ مرگ چلی آتی ہیں — آج اُس بھولنے والے نے کیا یاد مجھے
..... لاعلم - ہچکیاں آتی ہیں کیوں اے دلِ ناشاد مجھے — شاید اُس شوخ نے بھولے سے کیا یاد مجھے

متاخرین - حالی - ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی — دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں
" شمیم - اہل نیاز رہ گئے یہ سوچ کر خموش — دل سے نکل گئی تو دعا میں اثر کہاں

..... میر[1] - ہچکیاں بات بھی کرنے نہیں دیتیں مجھکو — آج میں شہرِ خموشاں میں کسے یاد آیا
..... ذاکر دہلوی[2] - ہچکیاں ہو گئیں کیوں آج گلے کا پھندا — جانے کس وعدہ فراموش کو میں یاد آیا

صاحب عالم مرزا اسکندر شکوہ - جوشِ وحشت میں پھر دلِ ناشاد آیا — کون سا دشت ہے باقی جو اسے یاد آیا
تلمیذ مرزا قادر بخش صابر

متاخرین - داغ - پھر وفا ہو میں نہ میرا دلِ ناشاد آیا — وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا
متوسطین - صبا - دل میں اِک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے — بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا
متاخرین - ریاض - ایسی ضد ہے تو اُنہیں کون منائے یارب — اِسپہ مچلے ہیں کہ کوئی ہمیں کیوں یاد آیا

" شاد عظیم آبادی - شاد ایسے میں نہ توڑا تھا بھلے کو میں نے — پھول پر ہاتھ بڑھایا تھا کہ دل یاد آیا
" جلیل - سختیاں قید کی سب سہ گئی بلبل لیکن — اُڑ گئی روح یہ کہہ کر کہ چمن یاد آیا

متوسطین - غالب - رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے
متاخرین - جوہر - یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے — کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہے

---

[1] زمانہ لامعلوم ہے کہ یہ میر شکوہ آبادی نہیں ہیں [2] زمانہ لامعلوم۔

متاخرین۔ حالیؔ۔ تعزیرِ جرمِ عشق سے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اور ذوقِ گناہ یاں سزا کے بعد
" جوہرؔ۔ لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں — آتا ہے لطفِ جرمِ تمنا سزا کے بعد

" امیرؔ۔ غصّے سے دیکھتے ہیں وہ دیکھتے تو ہیں — میں خوش ہوں دل میں ہوں تو کسی کی نگاہ میں
.... لاعلم۔ دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں — دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

متاخرین۔ ریاضؔ۔ شوخی سے ہر شگوفے کی ٹکڑی اُڑا دے — جس غنچہ پر نگاہ پڑی دل بنا دیا
" جگر مرادآبادیؔ۔ لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا — جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

ہم مضمون اشعار

یہ بھی سب منتخب ہی اشعار ہیں جو بنظر تکرار اکثر انتخاب میں شامل نہیں ہیں اور جو اپنی جگہ صرف ایک چیز ہی نہیں ہیں بلکہ حُسنِ فکر کے بہترین مظاہرے بھی ہیں۔

موجدین۔ سعدیؔ۔ ہم نا حق کو دل دیا تم نا ہمنکو دکھ دیا — ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت، ساکوری۔
متقدمین۔ سوداؔ۔ میں نے تمکو دل دیا اور تم نے مجھے رسوا کیا — میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

" محمد افضل آزادؔ۔ آئیں جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر — جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا
" حاتمؔ۔ خوبانِ جہاں ہوں جس سے تسخیر — ایسا کوئی ہم نے ہنر نہ دیکھا

" اماتیؔ۔ ہم ترا نزع فلک جور سہے جاتے ہیں — یاد آئینگے بہت آ نا کہے جاتے ہیں
متاخرین جلیلؔ۔ قدرداں کوئی ستم کا نہیں ملنے والا — عمر بھر یاد کرے گا ستم ایجاد مجھے

متقدمین۔ میر۔ سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے
" ۔ سودا۔ سوداؔ کی جو بالیں پہ گیا شور قیامت — خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

" قائم۔ پہلے ہی اپنی کون تھی واں قدر و منزلت — پر شب کی منتوں نے ڈبو دی رہی سہی
متاخرین۔ ظاہر۔ اے ضبط ایک تھوڑی سی باقی تھی آبرو — رونے نے رات دن کے مٹا دی رہی سہی

متقدمین۔ یقین[۵]۔ خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
متاخرین۔ آوحد۔ فصلِ بہار صحنِ چمن یار مئے بکف — کیوں زاہدو حرام ہے پینا شراب کا

متقدمین۔ حزین۔ راحت میں دل کے ہاتھوں نہ پاؤنگا یکدم — جبتک کہ میرے ساتھ یہ خانہ خراب ہے
" آثر۔ آسودگی کہاں جو دلِ زار ساتھ ہے — مرنیکے بعد بھی یہی آزار ساتھ ہے

متقدمین۔ میر۔ ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن — سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
" سودا۔ عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف — دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

متوسطین۔ شیفتہ۔ شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اِک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی
متاخرین۔ حالی۔ عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

متقدمین۔ سودا۔ سوداؔ تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات — آئی سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

---

۵ "اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام" والا قطعہ جس کو مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دیوان یقین میں زیر نظر لائے ہیں وہ بھی نظر میں رہے اور یقین اور آوحد کے شعر میں جو ذوق سلیم کا فرق ہے اُس پر بھی نظر کیجئے۔

متقدمین۔ میر۔ رات ساری تو کٹی سننے پریشاں گوئی
میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو
" " خاکسار۔ رونے سے خاکسار کی سوتا نہیں ہے کوئی
اس خانماں خراب کو چپکا خدا کرے

" " میر۔ مت رنج کر کسیکو اپنے تو اعتقاد
دل ڈہائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا
" " قائم۔ کعبہ اگرچہ ٹوٹا کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
متاخرین حفیظ۔ کعبہ کے ڈہانے والے وہ اور لوگ ہونگے
ہم کفر جانتے ہیں دل توڑنا کسی کا
جونپوری

متقدمین۔ بقا۔ سیلاب سی آنکھو نکے رہتے ہیں خرابے
ٹکڑے جو مرے دل کی بستے ہیں دوآبے
" " میر۔ وے دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہوا ہے مدت سے یہ دوآبہ

" " قدرت۔ گئے وہ دن کہ بھتی تھے پڑی نالے آنکھو نسے
سر مژگاں تلک اک اشک آتا ہی نکلے
متاخرین۔ فانی۔ یا ترے محتاج ہیں اے خون دل
یا انہیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے

متقدمین سودا۔ نوبت قیس ہو چکی آخر
اب تو سودا کا باجتا ہے مال
" " میر۔ کون لیتا تھا نام مجنوں کا
جب کہ عہد جنوں ہمارا تھا

" " سوز۔ پرکار کی روش پھرے ہم جتنے چل سکے
اس گردش فلک سے نہ باہر نکل سکے
متوسطین ناسخ۔ ہر پھر کے دائرے ہی میں کھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

متقدمین جواں اثر۔ اس سنگدل کے دل میں نہ نالے نے جا نہ کی
کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا
" " بیان۔ کیا ہوا عرش پر گیا نالہ
دل میں اس شوخ کے تو راہ نہ کی

متقدمین - اثر - جس گھڑی گھورتے ہو غصہ سے نکلے پڑتا ہے پیار آنکھوں میں
متاخرین - امیر - اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

متقدمین - میر - لکھتے رقعے لکھے گئے دفتر شوق نے بات کیا بڑھائی ہے
" " میر - ہم نے جانا تھا کہ لکھیگا کوئی حرف تو میر پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا
" " سجاد - میں نے جانا تھا قلمبند کریگا دو حرف شوق کے لکھنے کا سجاد نے کھولا دفتر
متاخرین - جلیل - کچھ نہ مطلب تھا نہ مضمون شوق کے دو حرف لکھنے میں جو لکھنے کیلئے بیٹھا تو دفتر ہو گیا

متقدمین - میر - بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو
متوسطین - صبا - یوں رہ جہان میں کہ پس مرگ اے صبا رہ جائے ذکرِ خیر ہر اک کی زبان پر

متقدمین - قدرت - ٹوٹی کمند بخت کا وہ زور رہ گیا جب بام دوست ہاتھ سے کچھ دور رہ گیا
" " قائم - قسمت کو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

" " میر - یوں کہتے ہیں یوں کہتے ہیں جو یار آتا یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
متاخرین - امیر - یہ کہونگا یہ کہونگا یہ ابھی کہتے ہو سامنے اُن کے بھی جب حضرتِ دل یاد رہے
" " فانی - یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اُس نے کہا کہیے تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہے زباں کوئی

متقدمین - نظر اکبرآبادی - کل شبِ وصل میں کیا جلد بجیں تھیں گھڑیاں آج کیا مر گئے گھڑیال بجانے والے
متوسطین - شہیدی - ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے
متاخرین - جاہ - کیا جلد گزرتی ہیں شبِ وصل کی گھڑیاں اک ہجر کا دن ہے کہ گزرتا ہی نہیں ہے

متاخرین۔ اقبال۔ مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں — مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

متقدمین۔ درد۔ آنکھیں بھی ہائے نزع میں اپنی بدل گئیں — سچ ہے کہ بیکسی میں کوئی آشنا نہیں

متوسطین۔ جرأت۔ نہ ہمدم ہے کوئی نہ اب ہم نشیں۔ — بُرے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے

" " ناسخ۔ سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

متاخرین۔ نیّر شاہ۔ مصیبت میں آنکھیں کُھلیں اب تو دیکھا — چھپاتے ہیں منہ مہرباں کیسے کیسے

" " امیر۔ پتلیاں تک بھی تو پھر جاتی ہیں دیکھو دمِ نزع — وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

متقدمین۔ حسن۔ میں حشر کو کیا روؤں کہ اُٹھ جانے سے تیرے — برپا ہوئی اک مجھ پہ قیامت تو یہیں اور

متوسطین۔ غالب۔ جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے — کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

" " " فرداودی کا تفرقہ اک بار مٹ گیا — کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

متقدمین۔ میر۔ بزم عشرت میں ملامت ہم واژوں بختوں کے تئیں — جوں حباب بادہ ساغر سرنگوں ہو جائیگا

" " درد۔ دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو — کہیں ایسا نہ ہو عیش تمہارا بھی منغّض ہوئے

" رنگین۔ عمر فریاد میں برباد گئی کچھ نہ ہوا — نالہ مشہور غلط ہے کہ اثر کرتا ہے

متوسطین۔ غالب۔ غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ — لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں

متقدمین۔ میر۔ اُس کے ایفاء عہد تک نہ جیے — عمر نے ہم سے بے وفائی کی

" قائم۔ بعد خط آنیکے اُس سے تھا وفا کا احتمال — لیک واں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی

متوسطین۔ غالب۔ آہی جاتا وہ راہ پر غالب — کوئی دن اور بھی جیے ہوتے

متقدمین۔ نسّاخ۔ مسجد میں گر گزر نہ ہوا دیر ہی سہی
بیکار بیٹھے کیوں رہیں اک سیر ہی سہی

متوسطین۔ انشا۔ چند مدت کو فراقِ صنم و دیر تو ہے
آؤ کعبہ کبھی دیکھ آئیں نہ اک سیر تو ہے

؍؍ غالب۔ اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ کو ہو آئے

متاخرین۔ بیخود۔ حصر کعبہ پہ کیا ہے دیر سہی
حج کا موسم نہیں تو سیر سہی

متقدمین۔ میر۔ جائے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

متوسطین۔ غالب۔ طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ کو ڈال دو کوئی لیکر بہشت میں

؍؍ امانت۔ جی چاہتا ہے صانعِ قدرت پہ ہوں نثار
بت کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں

متاخرین۔ اعظم کُرَوی۔ ہے دل میں کروں ذکرِ خدا بت کو بٹھا کر
سجدہ ہو کسیکا تو عبادت ہو کسی کی

متوسطین۔ آتش۔ نہ جبتک کوئی ہم پیالہ ہو میں مئے نہیں پیتا
نہیں مہماں تو فاقہ ہی خلیل اللہ کے گھر میں

؍؍ سحر۔ گو سگِ دنیا ہوں پر تنہا خوری مجھ میں نہیں
ٹکڑا ٹکڑا بانٹ کھایا جو میسر ہو گیا

متقدمین۔ درد۔ ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

متوسطین۔ ظفر۔ وقت روا روی ہے اُٹھے قافلہ کے لوگ
ساقی چلے پیالہ جہاں تک کہ بس چلے

؍؍ فراق۔ آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

.... لاعلم۔ ہچکیاں آتی ہیں کیوں اے دلِ ناشاد مجھے
شاید اُس شوخ نے بھولے سے کیا یاد مجھے

متوسطین۔ غالب۔ نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

متوسطین مجروح - نہ صیاد کا کھٹکا نہ خزاں کا ڈر کا — ہم کو وہ چین قفس میں ہے کہ بستاں میں نہیں

" شیفتہ - آشفتہ خاطری وہ بلا ہے کہ شیفتہ — طاعت میں کچھ مزا ہے نہ لذت گناہ میں

متاخرین داغ - رونا ہے طریقہ کا نہ ہنسنا ہی سلیقہ کا — پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

متوسطین ذوق - پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے — حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

متاخرین اکبر - اِس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں — کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بے کھلے مرجھا گئیں

متوسطین خلیل - جیتے جی ہو جئے واحد شاہد — کچھ قیامت میں نہ کام آئیگا

" تسنیم لکھنوی - جب نہ جیتے جی مرے کام آئے گی — کیا یہ دنیا عاقبت بخشوائے گی

" " انشاء - کچھ اشارہ جو کیا ہم نے ملاقات کی وقت — ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات کے وقت

متاخرین رضا - یہ سن کے آج حشر میں وہ بات بھی تو ہو — ہنس کر کہا کہ دن ہے کہیں رات بھی تو ہو

متوسطین مالک - دل وہ کافر ہے کہ مجھکو نہ دیا چین کبھی — بے وفا تو بھی اُسے لیکے پشیمان ہوگا

متاخرین بیخود - اس کے ہاتوں نہ ملا چین مجھی کو دم بھر — مجھ سی لیکر دلِ بیتاب کروگے کیا تم

متوسطین غالب - ستائش گر ہے زاہد اسقدر جس باغ رضواں کا — وہ اِک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

متاخرین حالی - کہتے ہیں جسکو جنت وہ اِک جھلک ہے تیری — سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

متوسطین غالب - رہیے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہ ہو — ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

متاخرین تسلیم۔ کیجئے ایسا جہاں پیدا جہاں کوئی نہ ہو ذرّہ و اختر زمین و آسماں کوئی نہ ہو

متوسطین یونس۔ کل تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے
〃 〃 غالب۔ گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

〃 〃 ذوق۔ مرا گھر تیرا منزل گاہ ہو ایسے کہاں طالع خدا جانے کدہر کا چاند آج اے ماہ رو نکلا
〃 〃 مہر۔ کدہر کا چاند ہو آمہر کے جو گھر آئے تم آج بھول پڑے کسطرف کدہر آئے

〃 〃 غالب۔ وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
متاخرین جلیل۔ کدہر سجدہ کروں کعبہ کدہر ہے زہے قسمت وہ آئے میرے گھر آج

متوسطین ذوق۔ دکان حسن میں نہیں متاع وفا وگرنہ لیتے ہم ایک اپنے مہرباں کیلئے
متاخرین جلیل۔ در دیکھتا نہیں بازار جہاں میں ورنہ جان تک بیچ کے لیتا میں ترے دل کیلئے

متوسطین غالب۔ اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
متاخرین جلیل۔ وہ صورت دیکھکر اپنی یہ صورت ہی نہیں رہتی ترس آئے تو کیا آئے اُسی میری مصیبت پر

متوسطین اسیر۔ نبض بیمار جو اے رشک مسیحا دیکھی آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دنیا دیکھی
متاخرین جلال۔ تو نے اد یو فا کیا جاتی دنیا دیکھ لی راہ پر آنے لگا عہد وفا ہونے لگے

متوسطین۔ قدر۔ افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف لپٹا پڑا ہے مردہ سا گویا کفن کے ساتھ

متاخرین۔ امیر۔ فرقت میں منہ لپیٹے میں اسطرح پڑا ہوں — جسطرح کوئی مُردہ لپٹا ہوا کفن میں

متوسطین۔ غالب۔ گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
متاخرین۔ تسلیم۔ خالی سہی بلا سے تسلی تو دل کو ہو — رہنے دو سامنے مرے ساغر شراب کا

متوسطین۔ چندا۔ گر مرے دل کو چرایا نہیں تو نے ظالم — کھول دے بند ہتیلی کو دکھا ہاتھوں کو
متاخرین۔ داغ۔ نگہہ نکلی نہ دل کی چور زلفِ عنبریں نکلی — ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری نہیں نکلی

متوسطین۔ غالب۔ ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی — اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی
" مجروح۔ اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز — دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

" مجروح۔ دیکھ اے رقیب سامنے آنا نہ تو مرے — میں دستِ روزگار میں تیغِ کشیدہ ہوں
متاخرین۔ اثر فتحپوری۔ رقیب دیکھ سنبھل کر کے سامنے آنا — برہنہ تیغ ہیں اک دستِ روزگار میں ہم

متوسطین۔ غالب۔ ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
متاخرین۔ ریاض۔ یہ کمبخت اک جہانِ آرزو ہے — نہ ہو کوئی ہمارا دل ہو ہمدم ہوں

متوسطین۔ غالب۔ جبتک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم — میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
" مومن۔ اک شور ہے مثالِ جو دی اس خرام کو — یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو

" مومن۔ معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری — واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

متاخرین۔ داغ۔ اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی کوئی کھنچا کھنچے کوئی ہم سے ملا ملے

متوسطین۔ آتش۔ نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
متاخرین۔ حسرت موہانی۔ چھیڑ ناحق نہ اے نسیم بہار سیر گل کا یہاں کسے ہے دماغ

متوسطین۔ غالب۔ دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں
متاخرین۔ فصیح۔ دیر ہی سہی حرم سہی در سہی آستاں سہی بلکہ خدا کا گھر سہی جائے بے بلائے کیوں[۱]

متوسطین۔ غالب۔ کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
" " مومن۔ دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں اے ہمنشیں نزاکت آواز دیکھنا
متاخرین۔ سد یاں۔ پاؤں تو ان حسینوں کے منہ چوم لوں لیکن آج انکی گالیوں نے بڑا ہی مزا دیا

متوسطین۔ رند۔ کسیکا کوئی مرجائے ہمارے گھر میں ماتم ہے غرض بارہ مہینے تیس دن ہم کو محرم ہے
متاخرین۔ امیر۔ خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

متوسطین۔ مومن۔ دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا
" غالب۔ رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہو گئے

" مجروح۔ سنا حال دل مجروح شب کو کوئی حسرت سی حسرت تھی بیاں میں
" سالک۔ اب تک بھی ہیں نہ ہوش ٹھکانے نہیں ہے سو سالک کا حال رات کو ایسا سنا کہ بس

---

[۱] ہم مضمون نہ سہی تو بھی خالی از لطف نہیں ہے۔

متوسطین۔ وزیر۔ میں نے یوسف جو کہا کیوں بگڑے مول لے لیگا کوئی بک جائیگا؟
۔ ۔ غالب۔ یوسف اُس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا

۔ ۔ رند۔ طبیعت کو ہوگا قلق چند روز ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائیگی
متاخرین۔ داغ۔ طبیعت کوئی دن میں بھر جائیگی چڑھی ہے یہ ندی اُتر جائیگی

متقدمین۔ سودا۔ چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا
متاخرین۔ ریاض۔ مرے گھر مثل تبرک کے یہ ساماں نکلا آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

متوسطین۔ مجروح۔ یہ کیا کہ ہمیں مرتے ہیں لطف تو جب ہے تاثیرِ محبت جو ادھر ہو تو اُدھر بھی
متاخرین۔ مضطر۔ وہ مذاقِ عشق ہی کیا جو ایک ہی طرف ہو مری جاں مزا تو جب ہے کہ تجھے بھی کل نہ آئے
۔ ۔ اکبر۔ انہیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف اُٹھے محبت کا ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اس میں مزا کیا ہے
۔ ۔ داغ۔ چاہت کا جب مزا ہے کہ وہ بھی ہوں بیقرار دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

متوسطین۔ مجروح۔ تو شیخ ہاں کرے جسکی نہیں پر مری سو جاں تصدق اس نہیں پر
.... لااعلم۔ بوئے اقرار بھی آتی ہو جو انکار کیساتھ ایسے انکار پسندیدہ ہیں اقرار کے ساتھ

متوسطین۔ شیفتہ۔ دلِ بدخو کی کسی طرح رعونت کم ہو چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو
متاخرین۔ مجنوں۔ ابھی کچھ دل میں رعونت کی جھلک باقی ہے یا خدا پھر کسی بدخو سے محبت ہو جائے

۔ ۔ داغ۔ رہ گئے لاکھوں کلیجہ تھام کر آنکھ جس جانب تمہاری اُٹھ گئی

متاخرین۔ اکبر۔ جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں — چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں
،، ،، آزاد انصاری۔ وہ کافر نگاہیں خدا کی پناہ — جدھر پھر گئیں فیصلہ ہو گیا

،، ،، امیر۔ اِن شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا — کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا
،، ،، جلیل۔ لذتِ دردِ محبت نہیں ہوتی جسمیں — دل وہ مٹی کا وہ مٹی کا جگر ہوتا ہے

،، ،، امیر۔ مِسّی چھوٹی ہوئی سوکھے ہوئے ہونٹ — یہ صورت اور آپ آتے ہیں گھر سے
،، ،، ریاض۔ نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے — پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے
،، ،، سید محمود آزاد۔ کس نے کہا کہ آتے ہیں دشمن کے گھر سے آپ — اپنی نظر ملائیں تو میری نظر سے آپ

،، ،، آشفتہ۔ لڑنے کو اُس سے رات میں غصہ میں لڑ لیا — پر جب وہ اُٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا
،، ،، ناظم۔ لڑ تو آیا اس سے لیکن ہم نشیں — دل میں کہتا ہوں کہ ناظم کیا کیا

،، ،، صفی۔ ممنون ہوں جہاں کے نشیب و فراز کا — اکثر بگڑ کے خود مری حالت سنبھل گئی
،، ،، عزیز حیدرآبادی۔ ہم کو سنبھالتا کوئی کیا راہِ عشق میں — کھا کھا کے ٹھوکریں ہمیں آخر سنبھل گئے

متاخرین۔ حالی۔ گل و گلچیں کا گلہ بلبلِ خوش لہجہ نہ کر — تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث
متاخرین۔ جوہر۔ شکوہ صیاد کا بیجا ہے قفس میں بلبل — یاں تجھے آپ ترا طرزِ فغاں لایا ہے

،، ،، داغ۔ پھر گیا جب سے کوئی آکے ہمارے در تک — گھر کے باہر ہی پڑے رہتے ہیں گھر چھوڑ دیا
،، ،، برق دہلوی۔ دن رات پڑا رہتا ہوں دروازے پہ اپنے — اس غم میں کہ کوئی کبھی آتا تھا ادھر سے

متاخرین ذہین شاہ تسلیم۔ قشقہ نہیں پیشانی پہ اُس ماہ جبیں کے　　اللہ نے یہ حُسن کے خرمن کو ہے چانکا
" " جلیل۔ قشقہ ہے کھنچا کسی جبیں پر　　یا چاک ہے دامنِ سحر میں

" " وحشت۔ زندگی اپنی کسی طرح بسر کرنی ہے　　کیا کروں آہ اگر تیری تمنا نہ کروں
" " ادا۔ جان دینا کسی پہ لازم تھا　　زندگی یوں بسر نہیں ہوتی

" " حالی۔ رونا ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے ورنہ یاں　　طعنِ رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
" " حسرت موہانی۔ خندۂ اہلِ جہاں کی مجھے پروا کیا ہے　　تم بھی ہنستے ہو مرے حال پہ رونا ہے یہی

" " جوہر۔ تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھیگا اے عمر　　شبِ فرقت کی جو گھڑیوں کا گزرنا ہے یہی
.... لاعلم۔ بے یار سرِ شام سے ہے جان پہ نوبت　　اللہ ابھی چار پہر رات پڑی ہے

متاخرین امیر۔ جو چاہیے سو مانگئے اللہ سے امیر　　اُس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے
" " اکبر۔ خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر　　یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

" " داغ۔ اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ　　ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے
" " ریاض۔ ہندوستاں میں دھوم ہے کس کی زبان کی　　وہ کون ہے ریاض کو جو جانتا نہیں

" " تسلیم۔ زمانے سے نرالا ہے عروسِ فکر کا جوبن　　جواں ہوتی ہے اے تسلیم جب یہ پیر ہوتی ہے
.... لاعلم۔ گھٹا زورِ مشقِ سخن بڑھ گئی　　ضعیفی نے مجھ کو جواں کر دیا

متاخرین۔ محشر عنانی۔ نہ ہوا ابھی مگر آخر تو قدر ہوگی مری — کھلے گا حال غلام آپ پر غلام کے بعد

......لا علم۔ جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی صاحب — یاد آئیگی تمہیں میری وفا میرے بعد

متاخرین۔ ریاض۔ عالم ہو میں کچھ آواز سی آجاتی ہے — چپکے چپکے کوئی کہتا ہے فسانہ دل کا

" " ۔ فانی۔ یارب نوائے دل سے کان آشنا نہیں — آواز آرہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی

" " ۔ داغ۔ تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں — مرا دل پھیر دو مجھ سے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

" " ۔ جلیل۔ مشکل ہے ترے ساتھ رقیبوں کو بھی چاہوں — عالم کی سمائی تو مرے دل میں نہیں ہے

" " داغ۔ لذت عشق الٰہی مٹ جائے — درد ارمان ہوا جاتا ہے

" " صفدر۔ مرزا پوری — قسمتوں سے ملا ہے درد ہمیں — کہیں آرام دل نہ ہو جائے

" " اکبر۔ محبت کا تم سے اثر کیا کہوں — نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا

" " جگر مرادآبادی۔ دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی — کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا

" " امیر۔ جس غنچہ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا — جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

" " ریاض۔ شوخی سے ہر شگوفے کے ٹکڑے اُڑا دئے — جس غنچہ پہ نگاہ پڑی دل بنا دیا

" " " ۔ بڑے نیک نیت بڑے پاک باطن — ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

" بشارت حسین۔ احقر عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۱ھ — ہمارے سامنے احقر تعلّی — تمہیں ہم جانتے ہیں جسقدر ہو

متاخرین۔ آیمان۔ کچھ سُرخ جو ہے رنگ مرے اشکِ رواں کا ‌ ‌ شاید کوئی ٹوٹا دلِ مجروح کا ٹانکا
جگر مُرادآبادی۔ یہ بدلا ہوا ہی آج مرے آنسوؤں کا رنگ ‌ ‌ کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا اُدھڑ گیا

متوسطین۔ غالب۔ رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ‌ ‌ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں
متاخرین۔ توفیق۔ میری بیتابی کی مشکل آپ آساں ہوگئی ‌ ‌ بڑھ گیا درد دلِ بیتاب تو کم ہوگیا

ہندی ابیات

کبیر داس

متوفی سنہ ۹۲۴ ہ مگر صحیح سن ولادت اور وفات کیلئے ذیل کا دوہا زیادہ مستند ہے۔

چودہ سو پچپن سال گئے چندروار اک ٹھاٹھ ٹھیے
سمبت پندرہ سو پچہتر اکھو مگہر کو گون

نہ ہندو رام نہ مسلماں نہ کافرم نہیہو دمیں ہیں بنارس میں پیدا ہوئے اور مگہر میں خاک کے بجائے پھول ہوئے۔

توحید اور پریم یہی دو انکے موضوع ہیں وہی ملاحظہ ہوں۔

سوئی میرا ایک تو اور نہیں دوجا کوئی ۔ جو صاحب دوجا کہے دوجا کل کا ہوئے (دوغلا)
تیرا سائیں تجھ میں بسے جیوں پھوپن باس (پھول) ۔ کستوری کا مرگ جیوں پھر پھر ڈھونڈھے گھاس (نافہ) (ہرن)
کرنا ایک اور سب باجی ۔ نا کوئی پیر مسایکھ کاجی (مشایخ) (قاضی)
یہ تو گھر ہے پریم کا خالہ کا گھر نا نہہ ۔ سیس اتارے بہو میں دھرے تب بیٹھے گھر ما نہہ (سر) (زمین)
پریم نہ باڑی اپجے پریم نہ ہاٹ بکائے ۔ راجہ پرجا جو ہے رچے سیس دئی لیجائی
پتی برتا پت کو بھجے اور نہ آنی سہائی (عورت باوفا) (شوہر) ۔ سنگھہ بچہ جو ہنگنا تو بھی گھاس نہ کھائے (شیر) (فاقہ زدہ)
پنڈت مشالچی دونوں سوجھے ما نہہ ۔ اور ونکو چاندنا آپ اندھیرے ما نہہ
نہائے دھوئے کیا بھیا جو من میل نہ جائے ۔ مین سدا جل میں رہے باس نہ جائے (مچھلی)
ست نام کڑوا لاگے میٹھا لاگے دام (سچ) (دولت) ۔ دبدھا میں دونوں گئے مایا ملی نہ رام
کبیر آپ ٹھگائے اور نہ ٹھگئے کوئے ۔ آپ ٹھگے سکھ اپجے اور ٹھگے دکھ ہوئے

مالی آوت دیکھ کے کلیاں کرت پکار — پھولی پھولی چن لئے کالھ ہماری بار
مالا پھیرے جگ گیو گیا نہ من کا پھیر — کر کا منکا چھوڑ کے من کا منکا پھیر
دکھ ما سمرن سب کریں سکھ ما کرے نہ کوئے — جو سکھ ما سمرن کریں تو دکھ کاہے کو ہوئے
ماٹی کہے کمہار سے تو کیا روندے موئے — اک دن ایسا ہوئیگا میں روندونگی توئے
سکھیا سب سنسار ہے کھاوے اور سوئے — دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور روئے

تلسی داس

متوفی ۱۲۰۵ھ - کلام کہنے کو ہندی ہے ورنہ صاف اردو ہے - میٹھے جمل ہیں اور روزمرہ بول چال ہے جو آج بھی زبانوں پر ہے -

ہرے بروا باگ کی سینچت سینچت کمہلائیں — رام بھروسے جو رہیں پربت پر ہریائیں
جب لاگیں برسن کے چاؤ — پپھوا دیکھیں نہ بروا
کاگا سب تن کھیو اور چن چن کھیو ماس — ایک نیناں نا کھیو کہ پیا ملن کی آس
لکڑی جل کوئلہ بھئے کوئلہ جل بھیو راکھ — میں پاپن ایسی جلی کوئلہ بھئے نہ راکھ
مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ — تلسی داس گریب کی کوئے نہ پوچھے بات
تلسی آہ گریب کی کبھو نہ کھالی جائے — مرے چام سے سار بھسم ہو جائے
تن اجرا من کارا بگلہ کا سا بھیس — تو سے تو کاگا (دھوکا) بھلا (کالا) بھیتر باہر ایک

رحمان

نواب خانخاناں دربار اکبری کے مشہور رتن -

رحمان دھاگا پریم کا جن توڑو چٹکائے
ٹوٹے سے پھر نا جڑے جڑے گانٹھ پڑ جائے

من موتی رس سب کا یہی بہاؤ — بہائے سے پھر نا ملیں سدہ کی یہی لپاؤ
سانچے کو کوئے نہ پوچھے جھوٹے جگ پتیائے — گلی گلی گو رس پھرے مدھرہ بیٹھ بکائے
رحمان رہیو واں بھلو جب تک سیل سموچ — سیل جھیل جب دیکھیے (دودھ) نرت (شراب) کھینچے کوچ
رحمان چپ ہو بیٹھیے دیکھ دنن کا پھیر — جب نیکے دن آینگے بنت نہ لگیے دیر

خاتمۂ کلام

حقیقت تو اسی قدر تھی جو دیباچہ میں عرض کر دی باقی بعد کی فکر ایک دیوانگی تھی جو اَب قابلِ ذکر بھی نہیں۔ البتہ قابلِ ذکر مرحلۂ طباعت کہ جب یہ سامنے آیا تو میں نے یہ بھاری پتھر چومکر چھوڑ دیا۔ مگر کارسازِ ما بفکرِ کارِ ما، خلافِ توقع عزیزِ دلنواز محمد نسیم احمد صدیقی کا دارالفرار حیدرآباد ہو گیا اور انہوں نے یہ بارِ گراں اِس طرح اُٹھا لیا گویا یہ اسکی راہ ہی دیکھ رہے تھے پھر تو اُن کو داد بھی وہی ملی جو ملنا چاہیئے تھی۔

"وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا"

"اور آدمی نے (گویا ارادتاً بلا تامل) یہ بار (ذمہ داری) اٹھا لیا اسمیں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم ہونیکے علاوہ نادان بھی تھا"

کہ بیانقام بیا کام کام کی کثرت بچونکی آئے دن کی علالت خود ان کی صحت نادرست انہیں سے کوئی پوچھے یا میرے دل سے کہ کس طرح یہ اس کو سرانجام کر سکے۔ ہر چند ابتدا ہی سے یہ میرے شریک غالب تھے مگر آخر حصہ طبقۂ متاخرین تمام تر مسودہ ہی تھا جس کو تقریباً انہیں نے مرتب کیا صاف بھی کیا کاپیاں بھی دیکھیں اور پروف بھی اور وہ بھی کسطرح کہ خود ہی قاری اور خود ہی سامع ستم بالائے ستم کتابت اور طباعت کے رگڑے جھگڑے غرض کہ یہی تھے جو یہ سب کر سکے۔ ؎

تجھی سے اُٹھیں میر یہ خواریاں ۔۔۔ نہ بھائی ہماری تو طاقت نہیں

اور وہ بھی کس لئے صرف فی زمانہ اُس ناپید ابغرض محبت کیلئے جو داد بیداد فریاد سب سے بے نیاز اس لئے کچھ کہنا نہ سننا اِلّا دلِ شیدا کی دعا کہ اللّٰھم فزد وازد

باقی میری عقیدت غائبانہ نے ملک بھر کے علوم و فنون اور شعر و شاعری کے واحد قدر داں سر یمین السلطنتہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر شاؔد جی۔سی۔آئی ای۔کے سی۔آئی۔ای صدر اعظم باب حکومت حیدرآباد دکن بالقابہم کی خدمت بابرکت میں بالواسطہ قبلہ و کعبہ جناب مولوی مسعود علی صاحب محویؔ بی۔ای (علیگ) پیش کرا دیا اور مہاراجہ ممدوح کے نام نامی اور اسم گرامی کے ساتھ درخواست انتساب کی جس کو جناب ممدوح کے خاص دست و قلم سے شرف قبول ملا اور اس طرح صورت صوری فوٹو اور تصویروں کے بغیر بھی ایک حسن ہو گئی۔ رہی صورت معنوی کہ اسی سے حسن واقعی عبارت بھی ہے تو وہ ارباب ذوق کے نقد و نظر پر موقوف ہے اور قبول عام خداداد کہ

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اب اور کیا کہئے کہ سب کچھ ناگفتنی ہے۔

مرنے کی ہم کو بھی تھی محبت میں آرزو افسوس ہے زمانے نے موقعہ نہیں دیا

کہ ایک سر ہزار سو دے ہیں جس طرح دل چاہتا تھا اس طرح ترتیب نہ دے سکا پھر بھی ترتیب میں جو ایک تسلسل ہے یہ کہیں اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ تذکرہ محققانہ نہ سہی کہ یہ میرا موضوع بھی نہیں تو بھی کچھ تحقیق و تنقید بھی ہے اور ذکر شعراء بقدر تعارف کافی بھی ہے دیکھنا تو یہ ہے کہ اردو شعر و شاعری میں گل و بلبل کے سوا کچھ اور بھی ہے یا نہیں؟ اور کہنے کو کوئی پہلو رہ بھی گئے ہیں؟ اور وہ بھی غزل کی حد تک کہ یہی ہمارا موضوع سخن بھی ہے اور زیادہ تر اسی کے نام بھی رکھے جاتے ہیں۔ رہا انتخاب تو یہ اپنا اپنا مذاق ہے اس میں کوئی حسن ہو یا نہ ہو کیفیت سے خالی بھی نہیں ہے دل ہو اور دل میں ذوق ہو تو ممکن نہیں کہ شعر شعر پر دل سے آہ و واہ نہ نکلے اور شاید اس وقت مجھ غریب کے لئے دعائے خیر بھی کہ یہی ایک استدعا سمجھئے اور آرزو و تمنا بھی۔

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے کہ پورا ہو جو مدعا ہو کسی کا

ورنہ کوسنے تو مقدر ہی ہو چکے ہیں۔

ہم نے بھی اِن حسینوں کو چھیڑا ہے اسقدر
ایسا بھی کوئی ہے جو ہمیں کوستا نہ ہو

خاکسار
شیدا

مطبوعہ زندہ طلسمات فائن آرٹ لتھو پریس حیدرآباد دکن

مطبوعہ

زندہ طلسمات مشین پریس

حیدرآباد دکن

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتب خانۂ **جامعۂ عثمانیہ**

۱۔ اراکین مجلس ... مجلس ... مجلس انتظامی
بحالت تشریح جائز نصاب پانچ کتابیں ایک ایک ماہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے
۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات متعلقہ و نیز عہدہ داران جامعہ
دس کتابیں ایک ماہ کیلئے اپنے پاس رکھ سکینگے
۳۔ اراکین دارالترجمہ ... دو کتابیں ایک ماہ کیلئے ... اور ...
۴۔ طلبائے ایم اے، ایم ایس سی، ایل ایل بی ... تحقیقاتی جماعتوں کے
طلباء تین کتابیں ... دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکینگے
طلباء ... کتابیں ... اور ... طلبا ... کے حساب
۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو ...
ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا۔
۵۔ بشرط موقع کتابیں کرایہ پر ... کی ... گراں قیمتی
بجائے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔
۶۔ کتابیں گم یا خراب ہوجائیں تو ... یا ... ذمہ داری
عائد ہوگی۔
۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا ... سے
روکا جائے۔
۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں
جامعہ ... سکینگی فقط